انتخاب

الترغیب والترہیب

تالیف

الامام الحافظ ذکی الدین عبد العظیم المنذری

جلد اوّل

ترجمہ و تشریح

از

جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب دہلوی

رفیق ندوۃ المصنفین

الناشر

میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی


میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

فہرست مضامین الترغیب والترہیب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

احادیث نبویہ پہلی صدی ہجری کے اخیر سے تیسری چوتھی صدی تک اور اس کے بعد بھی مختلف مقاصد کے تحت الگ الگ ترتیبوں سے مسلسل جمع ہوتی رہیں اور جوامع و مسانید کے علاوہ بعد کے دور میں مختلف ابواب پر بھی بے شمار مستقل تصانیف ہوئیں۔ لوگوں نے صرف ایمان کے شعبہ جات و متعلقات پر، علم کے فضائل و برکات پر اور عبادات و اخلاقیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اذکار و دعوات پر مستقل تصانیف تیار کی گئی ہیں۔ فن حدیث کے انھی متعدد شعبوں میں سے ایک شعبہ فضائل الاعمال کا بھی بن گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارشادات مستقل تصانیف میں جمع کیے گئے جن میں آپ نے خصائل حمیدہ اور اعمال صالحہ پر اجر و ثواب اور خصائل رذیلہ اور اعمال قبیحہ پر زجر و عتاب بیان فرمایا ہے۔ ان مجموعوں میں سے چند کا تذکرہ آپ مقدمہ میں پڑھیں گے۔

انھیں مجموعوں میں ایک نہایت جامع اور مستند مجموعہ حافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری کا بھی ہے جس کا نام ہے "الترغیب والترہیب" یہ مجموعہ سابقہ تمام مجموعوں سے زیادہ جامع بھی ہے اور احادیث کے معیار صحت کے لحاظ سے بھی سابقہ مجموعوں کی بنسبت اس کا مقام بلند ہے اور ابواب کی ترتیب بھی نہایت موزوں ہے۔

موجودہ دور کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی کے پیش نظر ضرورت تھی کہ اس قسم کا کوئی حدیثی مجموعہ اردو زبان میں شائع کیا جائے جس میں مستند احادیث کے ذریعہ اچھے اعمال کی طرف شوق

دلایا گیا ہو اور برے کاموں سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ نظر انتخاب ظاہر ہے کہ حافظ منذری ہی کے مجموعہ "ترغیب و ترہیب" پر پڑ سکتی تھی، اس لئے کہ وعظ و تذکیر کے لئے پورے ذخیرۂ حدیث میں اتنی مفید کوئی اور کتاب نہیں ہے جتنی "الترغیب والترہیب" ہے۔ دوسرے جتنے بھی مجموعہائے حدیث ہیں وہ یا تو احکام کی روایات کے مجموعے ہیں اور یا ان میں دونوں قسم کی روایات جمع کی گئی ہیں اور واعظوں و مقرروں کو زیادہ تلاش روایاتِ ترغیب و تحریض اور انذار و تحذیر ہی کی ہوتی ہے۔

اور اس کتاب کی تالیف ہی اس مقصد کے تحت ہوئی ہے اور حسن ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ کتاب دوسری بہت سی کتابوں سے فائق ہے۔ علامہ محی الدین یحیی بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) کی کتاب ریاض الصالحین اگرچہ اسی موضوع پر ہے اور روایات بھی اس کی اس سے زیادہ پختہ ہیں لیکن نہ تو وہ اس قدر جامع ہے اور نہ اس کی تمام روایات مضمون ترغیب و ترہیب میں صریح ہیں، اسی وجہ سے اکثر علماء نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے لیکن اس کا بعینہ ترجمہ کر کے شائع کر دینا کئی حیثیتوں سے نامناسب تھا۔

اس لئے اس کی ترتیب اس نہج پر کی گئی کہ :۔

(۱) چونکہ کتاب میں ایک ہی مضمون کی بہت بہت سی روایات تھوڑے تھوڑے لفظی فرق سے جمع کر دی گئی ہیں جس سے غیر ضروری طول ہو گیا ہے اس لئے اس قسم کی متعدد روایات میں سے صرف دو تین حدیثیں ایسی لے لی گئیں جو سند کے لحاظ سے پختہ اور مضمون کے لحاظ سے جامع تھیں اور باقی حذف کر دی گئیں۔

(۲) کہیں کہیں ایک ہی حدیث؛ ایک ہی راوی اور ایک ہی قسم کے الفاظ کے ساتھ مختلف مضامین کی حامل ہونے کی وجہ سے کئی کئی ابواب میں آ گئی تھی ایسی روایات کو کہیں ایک مناسب مقام پر ذکر کر کے دوسری جگہوں پر نہیں لکھا گیا۔

(۳) کتاب میں ایک بڑی تعداد ان احادیث کی بھی ہے جو سند کے لحاظ سے بہت زیادہ کمزور ہیں۔ اگرچہ مصنف نے ایسی روایات کے لئے ایک اشارہ متعین کر دیا ہے ———

اور مقدمہ میں بیان کر دیا ہے کہ لفظ "روی" سے جو حدیث شروع ہو گی وہ بہت کمزور ہو گی۔
اور سیر فضائل کی احادیث کی سندوں پر محدثین کی تنقیدی گرفت بھی چونکہ ہمیشہ ڈھیلی رہی ہے اس لئے اس کی گنجائش بھی تھی لیکن ظاہر ہے کہ حدیث جس قدر قوی اور شائبہ ضعف سے جتنی زیادہ دور ہو گی اسی قدر دلوں پر اثر انداز ہو گی اور طبیعتیں اسے اتنے ہی زیادہ اطمینان سے قبول کریں گی۔ اس لئے ہم نے زیادہ کمزور حدیثوں کو چھوڑ دیا اور لفظ "روی" سے جو روایات لکھی گئی تھیں ان کے متعلق چونکہ خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بے اطمینانی کا اظہار کر دیا ہے اس لئے ایسی حدیثیں اس مجموعہ شامل نہیں کی گئیں۔ اب الحمد للہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ آپ آزادی سے جو حدیث چاہیں اس میں سے اخذ کریں
ترجمہ اور تشریح میں ہم نے جن چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے ان کا صحیح اندازہ تو مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے تاہم جو باتیں ہم نے خاص طور پر ملحوظ رکھی ہیں اجمالاً ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

(۱) حدیث درج کرنے کے بعد پہلے سلیس و شگفتہ اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے اور اس کے بعد اس کی مختصر سی تشریح کر دی گئی ہے۔

(۲) فقہی اختلافات اور علمی مباحث چونکہ کتاب کے موضوع سے بھی خارج ہیں اور اس طبقہ کے لئے بھی غیر ضروری ہیں جنھیں اصلاً سامنے رکھ کر یہ کتاب ترتیب دی جا رہی ہے اس لیے ان سے گریز کیا گیا ہے اور حدیث کے صرف مقصد انذار و تبشیر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو کتاب کا اصل موضوع ہے۔

(۳) جہاں یہ محسوس ہوا کہ اس حدیث کے مضمون پر کوئی اشکال ہو سکتا ہے اسے بھی ترجمہ و تشریح کے دوران ہی صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۴) مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں احادیث کی سندوں پر کلام کیا ہے وہ حدیث کے ساتھ ہی مختصراً عربی میں درج کر دیا گیا ہے، اردو میں اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

(۵) لغوی تحقیقات کہیں کہیں کسی خاص مقصد کے تحت اگر ضرورت پڑی ہے تو حاشیہ پر لکھ دی ہیں ورنہ عموماً حذف کر دی گئی ہیں۔

(۶) جس حدیث کے الفاظ میں متعدد معانی محتمل تھے انہیں سے صرف اس مطلب کو ترجیح دی گئی ہے جو الفاظِ حدیث کے زیادہ قریب تھا یا جس کی کسی دوسری روایت سے تائید ہو گئی ہے اور جس کو علماء محققین نے زیادہ پسند کیا ہے۔

(۷) کتاب کے بڑے عنوانات کے علاوہ دیگر عنوانات میں ہم نے اصل کتاب کی پابندی نہیں کی ہے اور جگہ جگہ حسبِ موقع مضمون کی طرف اشارہ کرنے والے ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔

(۸) بعض ابواب جو اصل کتاب میں تشنہ معلوم ہوئے انھیں دوسری کتبِ حدیث سے روایات لے کر مکمل کر دیا گیا ہے اور ایسی روایات کا حوالہ الگ حواشی میں دے دیا ہے تاکہ دیگر کتابوں سے ماخوذ حدیثیں اصل کتاب کی احادیث سے ممتاز رہیں مثلاً غسل کا بیان اصل کتاب میں ناقص[۱] ہے اس میں غسل کے صرف ایک جز سے متعلق احادیث ذکر کی گئی ہیں ہم نے متعدد روایات کا اضافہ کر کے مضمون کو مکمل کر دیا۔

(۹) ایک دو جگہ ابواب کی منتشر روایات کو یکجا کر کے اصل کتاب ہی کی احادیث سے اس کو مکمل کر دیا ہے مثلاً دعا اور اس کے متعلقات کی روایتیں مختلف ابواب میں بکھری ہوئی تھیں۔ ہم نے منتشر احادیث کو چن چن کر یکجا کر دیا اور اس طرح دعا کا مبحث بہت جامع ہو گیا۔

(۱۰) بعض جگہ خود مصنف رحمہ اللہ نے معذرت آمیز لہجے میں یہ کہا ہے کہ "یہ عنوان فلاں جگہ آنا چاہیئے تھا مگر املاء کراتے وقت اس کے صحیح مقام پر اس کا خیال نہیں آیا۔" ایسے عنوانات مصنف کے پسندیدہ مقام پر رکھ دیئے گئے ہیں۔

---

[۱] اس نقص کی بھی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ جتنی روایات مصنف نے لکھی ہیں اس موضوع پر صریح ترغیب و ترہیب کا مضمون صرف انہی روایات میں ملتا ہے، باقی حدیثیں ترغیب و ترہیب کے مضمون میں صریح نہیں ہیں جنھیں مصنف نے اپنے مقررہ اصول کی وجہ سے قصداً ترک کر دیا ہے۔ ہم نے اس اصول کی پابندی سے زیادہ اہمیت مضمون کے مکمل کرنے کو دی اس لئے چند حدیثوں کا اضافہ کر کے موضوع کو مکمل کر دیا۔

شروع میں ایک مقدمہ ہے جسے دو بابوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں مصنف کے حالات، کتاب کا تعارف اور اس کے متعلقات کا بیان ہے۔ باب دوم میں فنِ حدیث کی اہمیت اور تدوین حدیث کا مختصر تذکرہ ہے اور سنت کے متعلق پیدا ہونے والے چند شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان ائمہ و محدثین رحمہم اللہ کے حالات زندگی بھی اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جن کا کتاب میں بار بار ذکر آیا ہے اور حدیث کی موٹی موٹی ان اصطلاحات کا ذکر بھی ہے جو عام طور پر استعمال ہوتی ہیں اور ارادہ ہے کہ کتاب کے اخیر میں ان حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مختصر تعارف کرا دیا جائے گا جن کی روایات کتاب میں آئی ہیں۔

خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قلم کو لغزشوں سے بچائے اور اس حقیر کوشش کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ اربابِ علم سے استدعا ہے کہ وہ اپنی منصفانہ علمی تنقید سے مطلع فرمائیں تاکہ نقشِ ثانی کو نقشِ اول سے بہتر بنایا جا سکے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

۱۴ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ
۱۸ دسمبر ۱۹۷۲ء

ناچیز
محمد عبد اللہ دہلوی
ندوۃ المصنفین دہلی ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مقدمہ

باب اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمانے کے بعد جس طرح ان کی جسمانی تربیت کا انتظام فرمایا ہے اور موت سے پہلے کی زندگی کو آرام وراحت سے گذارنے کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں۔ اسی طرح ان کی روحانی تربیت اور باطنی اصلاح کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا جنھوں نے مابعد الموت کے حالات کی بڑی تفصیل سے خبر دی اور آخرت میں کام آنے والے اعمال واشغال سے باخبر کیا اور ان آداب واخلاق کی تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ولپسندیدہ ہیں اور جن کے اختیار کرنے سے انسان کی انسانیت مکمل ہو جاتی ہے اور جن کے بغیر درحقیقت خود دنیوی زندگی بھی کامیاب زندگی نہیں بن سکتی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ تعلیم وتبلیغ کے فریضے کو انجام دیا اور صرف قول ہی سے سمجھانے بجھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی بندگانِ خدا کی رہنمائی فرمائی۔ جن اعمال واخلاق کی وہ زبانی طور پر تعلیم فرماتے تھے انھیں کر کے بھی دکھاتے تھے۔ اب تک جتنے بھی مذاہب خدائے پاک نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں میں بھیجے ان تمام

میں یہ بات بلا اختلاف پائی جاتی ہے لیکن، ان آسمانی مذاہب میں سب سے زیادہ جامع اور مکمل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اصولی اور فروعی تفصیلات موجود نہ ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس کی نہایت مستند واضح اور مکمل معلومات[1] حاصل نہ ہو سکتی ہوں۔ حدیث وسیر کی کتابوں میں آپ کے اخلاق واعمال نہایت شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ احکام ومسائل اور اخلاق وآداب کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ آپ ان فوائد وثمرات سے بھی باخبر فرماتے تھے جو اعمال صالحہ کے انجام دینے پر مرتب ہوتے ہیں۔ نیز اعمال سیئہ اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کی بھی اجمالاً وتفصیلاً تاکید فرماتے تھے اور اسی کے ساتھ ان مصائب وآفات اور طرح طرح کی سزاؤں سے بھی آگاہ فرماتے تھے جو بدعملیوں کی پاداش میں اسی دنیا میں اور مرنے کے بعد آخرت میں بھگتنی ہوں گی۔

انذار وتبشیر

انذار وتبشیر (سزاؤں سے ڈرانا اور انعامات کی خوش خبری دینا) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے منصب جلیل کا ایک ضروری اور اہم جزو ہے۔ قرآن مجید میں اس مقدس گروہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انذار وتبشیر کی صفت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر

---

[1] غور کیجئے جس شخص کے ساتھ آپ سات دن رہتے ہیں، کھانے پینے میں رہنے سہنے میں غرض ہر معاملہ میں جس سے ہر وقت ملتے جلتے ہیں اگر ایسے شخص کے بارے میں بھی اچانک آپ سے کوئی اس کے عادات واخلاق، رات اور دن کے معمولات، طبعی رجحانات اور جسمانی نشانات وخصوصیات کے متعلق پوچھنے لگے تو یقیناً آپ اس کے متعلق بھی اتنی مفصل اور مکمل معلومات فراہم نہیں کر سکتے جتنی آج چودہ سو برس کے بعد سیرت کا ایک معمولی طالب علم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فراہم کر سکتا ہے۔ کیا یہ سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کا قدرتی انتظام نہیں ہے۔

کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے:۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (آیت ۱۶۵)

ان (پیغمبروں) کو خوشخبری دینے والے اور خوف سنانے والے بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سورۂ کہف میں فرمایا گیا ہے:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ (آیت ۵۶)

اور رسولوں کو تو ہم صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا کرتے ہیں۔

سورۂ احزاب میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ (آیت ۴۵-۴۶)

اے نبی! بے شک ہم نے آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور ایک روشن چراغ ہیں۔

بشیر و نذیر یوں تو تمام ہی انبیاء کرام علیہم السلام تھے لیکن جیسا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دیگر اوصاف میں سب سے زیادہ جامعیت و کاملیت کی شان رکھتے تھے اسی طرح انذار و تبشیر کی صفت بھی آپ کے اندر تمام کمالات کے ساتھ موجود تھی، اعمال صالحہ کے فوائد و ثمرات اجمالاً و تفصیلاً جس قدر آپ نے بیان فرمائے ہیں اور اعمال سیئہ کی دنیوی اور اخروی سزاؤں کی جس شرح و بسط کے ساتھ آپ نے خبر دی ہے اس کا عشر عشیر بھی دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے یہاں نہیں ملتا۔ محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں احکام و مسائل کی احادیث کے ساتھ ساتھ فضائل اعمال کی احادیث جمع کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ نیز اعمال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ کے ارتکاب پر جو وعیدیں روایات حدیث میں آئی ہیں ان کو بھی قلم بند کر دیا ہے۔

انسان طبعی طور پر نفع بخش چیزوں کے حاصل کرنے اور تکلیف دہ چیزوں سے بچنے کا خوگر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوامر و نواہی، حلال و حرام، پسندیدہ و ناپسندیدہ کی صرف فہرست ہی نہیں بتا دی بلکہ تفصیل کے ساتھ یہ بھی بیان فرما دیا کہ فلاں فلاں اعمال پر یہ اجر و ثواب ملے گا اور فلاں بدعملی کرنے پر یہ زجر و عتاب ہوگا۔ کہیں کہیں تو آپ نے نام لے لے کر ارشاد فرمایا کہ فلاں عمل پر دنیا میں، قبر و حشر میں یہ انعام و اکرام ہوگا اور فلاں بدعملی پھیلے گی تو یہ آفات و بلائیں نازل ہوں گی[1]۔ اور یہ وعدے اور وعیدیں بالکل حق اور سچ ہیں جن میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں۔ بڑے ہی بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اجر و ثواب کی بشارتوں اور عذاب آخرت کی خبروں کو محض تہذیب اخلاق کی غرض سے سنائی گئی بے نتیجہ آرزوئیں قرار دیتے ہیں اور گویا (معاذ اللہ) انسانوں کو سبز باغ دکھانا تصور کرتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ خدا سے احکم الحاکمین اور اس کے صادق و مصدوق نبی انسانوں کو جرائم سے روکنے کے لئے کیا خود (العیاذ باللہ) سب سے پہلے غلط بیانی کا ارتکاب کریں گے۔ درحقیقت یہ خیالات انھیں دماغوں میں پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں جو خدا اور اس کے سچے رسول کے مقام و مرتبہ سے قطعاً ناآشنا اور دل کی آنکھوں سے یکسر محروم ہیں۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ۔

---

[1] کہیں کہیں تو آپ نے بدعملیوں کے ساتھ مصائب و آلام کو کچھ اس انداز میں ذکر فرمایا ہے کہ گویا وہ اس بدعملی کا طبعی اور سائنٹفک نتیجہ ہیں۔ اس قسم کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ احادیث میں جن دنیوی مصائب کا پتہ دیا گیا ہے یقیناً ان بدعملیوں سے ان کا کوئی گہرا مگر مخفی رشتہ ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ اگر کوئی صاحب نظر پوری باریک بینی کے ساتھ جدید علوم کی روشنی میں ان بدعملیوں اور ان سزاؤں کے باہمی رشتے کا کھوج لگائیں گے تو ضرور کسی نہ کسی مخفی راز اور کسی طبعی قانون تک اُن کی رسائی ہو جائے گی اور اس طرح ترقی یافتہ جدید اقوام کے اسلام سے قریب ہونے کے لئے ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔ اسی کتاب میں آگے آپ مختلف ابواب میں اس قسم کی روایات پڑھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اہم ترین مقصد چونکہ نوعِ انسان کی اخروی زندگی کو کامیاب بنانا تھا جو کہ دائمی اور ابدی ہے اس لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر اعمالِ صالحہ کے انہی فوائد وثمرات کا ذکر فرمایا ہے جو مرنے کے بعد حاصل ہوں گے اور بدعملیوں کی سزاؤں میں سے زیادہ تر ذکر انہی سزاؤں کا ہوا ہے جو بعد الموت[1] پیش آنے والی تھیں ـــ اور چونکہ دنیا میں بھی اعمال صالحہ کی وجہ سے طمانیت، بلندی، درازیٔ عمر، وسعت رزق، فتح ونصرت اور دفعِ بلیات جیسے بہت سے انعامات خدائے تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں اور اعمالِ سیئہ اور اخلاقِ رذیلہ کی پاداش میں آفات ومصائب، بے برکتی اور بے چینی اور طرح طرح کے فتنوں اور بلاؤں کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی جزا و سزا کا ذکر بھی کبھی کبھی فرما دیا ہے۔

عمل کرتے وقت انسان کا مطمحِ نظر

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایمان ویقین پر ابھارا اور نہ صرف عبادات میں بلکہ انسان کے ذاتی معمولات، آپس کے میل جول نیز ملکی خدمات اور قومی معاملات غرض ہر عمل کو لوجہ اللہ انجام دینے کی تلقین فرمائی

---

[1] اول تو اخروی زندگی کے ناپیدا کنار سمندر کے مقابلہ میں حیاتِ دنیوی کے چند قطرات کا کچھ وزن نہیں ہے دوسرے خدائے علیم وخبیر یہ بات بھی جانتا تھا کہ احکامِ شریعت کے دنیوی اور مادی منافع تو خود انسان کا ترقی پذیر علم وتجربہ بھی اس کے سامنے واضح کردے گا لیکن عالمِ آخرت چونکہ بالکل نظروں سے اوجھل ہے اور اس کے احوال وکوائف جاننے کے لئے سوائے وحیِ الٰہی کے کوئی اور راستہ نہیں اس لیے زیادہ تر توجہ اخروی منافع ہی کے بیان کی طرف رہی چنانچہ احکامِ شریعت کے ہزارہا مادی منافع آج ہمیں معلوم ہوچکے ہیں اور ابھی اور بہت سے مخفی فوائد وثمرات ہیں جن سے رفتہ رفتہ پردہ اٹھ رہا ہے اور توقع ہے کہ خدا اپنے احکام کی حکمتوں سے انسانوں کو آئندہ بھی مسلسل آگاہ کرتا رہے گا ـــ

ستبدی لک الایام ما کنت جاہلاً | ویاتیک بالانباء ما لم تزود

اور اس سلسلہ میں اجر و ثواب کی بشارتیں دیں۔ قومی اور اجتماعی کاموں کی ذمہ داری اور آپس کی خدمات کا بوجھ آخرت کی امیدوں سے وابستہ کر کے امت کے کاندھوں پر رکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کرو تو اللہ کے لئے اور اپنے کسی بھائی کی خدمت کرو تو اللہ کے لئے، اسلامی فوج کے سپاہی یا سپہ سالار بنو تو اللہ کے لئے اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالو تو اللہ کے لئے، سفارت کی خدمت انجام دو یا اسلامی مملکت کی سرحد پر پڑاؤ ڈالو، امامت و خطابت کرو یا مسجد کی جھاڑو دو، بڑے سے بڑا پل اور بند بنواؤ یا راستہ سے ایک معمولی سا کانٹا اور پتھر ہٹاؤ۔ ہر ہر عمل اور زندگی کے ہر ہر مرحلے میں خدا کی رضا اور اخروی کامیابیاں اصل مقصد ہوں۔ انبیاء کرام کی آواز ہمیشہ یہی رہی کہ:-

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ الشعراء آیت ۱۲۸)	میرا بدلہ تو صرف اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔

جب سے مسلمانوں میں آخرت سے زیادہ دنیا کی طرف توجہ ہو گئی اور ہر کام میں دنیوی نفع تلاش کرنے کی عادت پڑ گئی اسی وقت سے اعمال صالحہ کی روح ختم ہو گئی ہے۔ اسلام کے اجتماعی اور انفرادی کاموں کو دنیوی اغراض کے لئے یا ایک دوسرے کا بدلہ چکانے کے لئے یا شہرت و نام آوری کے لئے انجام دینے کی عادتیں پڑ گئی ہیں اور جہاں کسی عمل میں ان حقیر اور فانی منافع[1] کی امید نہیں ہوتی طبیعت ایسے کاموں کی طرف آمادہ نہیں ہوتی۔ کہیں موت ہو جائے تو غسل اور کفن و دفن کے لئے کرایہ ہی کا آدمی لینا پڑتا ہے دوسرے لوگ ان چیزوں سے نہ واقف ہیں اور نہ ان کا ارادہ کرتے ہیں، کوئی بیمار ہو تو عیادت و تیمارداری کے لئے اس وجہ سے جانیوالے تو بہت ہوں گے کہ اس آدمی سے یا اس کے کسی رشتہ دار سے تعلق ہے لیکن محض اخوتِ اسلامی کی وجہ سے جانے والے شاذ و نادر ہی ملیں گے،

---

[1] دنیوی منافع کا ان کاموں کے ذریعہ خود بخود حاصل ہو جانا یا ضرورت کے درجہ میں اسے بھی مقصد میں کسی قدر شامل کر لینا اور چیز ہے مگر افسوس تو اس پر ہے کہ ہم نے اسی کو سب کچھ قرار دے لیا ہے۔

تعزیت کے لئے جانے کو تو بہت سے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کتنے ہیں جو خالص اسلامی بھائی چارہ کی وجہ سے جاتے ہوں ؟

ایمان واحتساب

احادیث نبویہ میں ایمان کے ساتھ جگہ جگہ احتساب کا بھی ذکر آیا ہے، احتساب کی حقیقت یہ ہے کہ نیک اعمال اور پاکیزہ اخلاق وعادات پر کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جن جن اجور وثمرات اور انعامات کے وعدے کئے گئے ہیں ان کا کامل یقین رکھا جائے اور عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقررہ انعامات وثمرات کی امید سے دل لبریز ہو بس جس قدر یقین پختہ ہوگا اسی قدر احتساب کی شان بڑھتی جائے گی اور جتنا جتنا احتساب ترقی کرتا جائے گا اور قلب کو جس درجہ عمل کی طرف شوق ورغبت ہوگی اسی قدر خدا کی نظر میں وہ عمل بلند ہوتا چلا جائے گا۔ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایک امتیازی وصف یہ بھی تھا کہ ایمان واحتساب ان کے دلوں میں پوری طرح جاگزیں تھے اور عمل کرتے وقت عمل کی خوبی اور اس کے نتائج وثمرات پوری طرح ان کے ذہن میں تازہ رہتے تھے اور آپ کی ارشاد فرمودہ ترغیبات وترہیبات کے مطابق ہر ہر عمل میں خوف ورجاء کی شان پوری طرح موجود وتازہ رہتی تھی۔

ترغیب وترہیب کے مجموعے

حضرات محدثین کرام کو اللہ تعالیٰ پوری امت کی طرف سے جزائے خیر مرحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ انھیں راحت وآرام بخشے۔ انھوں نے اپنے اپنے طرز پر مختلف موضوعات کو سامنے رکھ کر احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ) کے مجموعے تیار کئے۔ کسی نے ایمان وایمانیات پر لکھا کسی نے مغازی پر قلم اٹھایا اور کسی نے دعوات کی حدیثیں جمع کیں۔ انھی ترتیبوں میں ایک بہت اہم اور مفید ترتیب "ترغیب وترہیب" کی بھی قائم ہوئی جس میں چھانٹ چھانٹ کر صرف انھیں احادیث کا جمع کرنا پیش نظر تھا۔ جن میں مختلف اعمال کے اجر وثواب اور بداعمالیوں کی سزاؤں کا ذکر تھا۔

کسی عمل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس چیز کو بڑا دخل ہے کہ اس عمل کے فائدے لوگوں کے سامنے آئیں۔ اسی طرح کسی بدعملی سے نفرت دلانے کے لئے اس بات کی بہت اہمیت ہے کہ اس کی

مضرتیں اور نقصانات سے لوگوں کو متنبہ کیا جائے، چنانچہ تدوینِ حدیث کے آغاز ہی سے اہلِ علم نے اس بات کی اہمیت کو ملحوظ رکھا اور وہ اپنی کتابوں میں ترغیب وترہیب کے مضامین بھی بیان کرتے رہے لیکن تیسری صدی سے موضوع کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر اس پر علیحدہ مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر مسلسل بہت سی کتابیں اس موضوع پر معرضِ وجود میں آگئیں جس میں سے چند کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) ہماری معلومات میں سب سے پہلا مجموعہ جس میں صرف ترغیب وترہیب ہی کی احادیث جمع کرنا پیشِ نظر رہا ہو الحافظ البارع ابو احمد حمید بن زنجویہ الازدی النسائی کا ہے۔ آپ نے نضر بن شمیل، یزید بن ہارون، جعفر بن عون اور سعید ضبی وغیرہم سے علم حاصل کیا اور اس میں کمال پیدا کیا۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرہما جیسے ائمۂ حدیث ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ نوجوانانِ خراسان میں سے ہمارے یہاں ابن زنجویہ اور احمد بن شبویہ جیسا کوئی نہیں آیا۔ امام نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ "نسا" میں فن حدیث کو انہی نے رواج دیا۔

ان کی تصانیف میں سے کتاب الاموال. کتاب الآداب النبویہ. اور الترغیب والترہیب خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ آپ نے سن دو سو اکیاون ہجری (۲۵۱ھ) میں وفات پائی۔[۱]

(۲) الحافظ ابن شاہین ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب البغدادی الواعظ المفسر۔ ان کا بھی ایک مجموعہ ترغیب وترہیب[۲] کے موضوع پر ہے آپ ماہ صفر سن دو سو ستانوے ہجری (۲۹۷ھ) میں پیدا ہوئے تحصیلِ علم کے لئے دمشق، شام، فارس، اور بصرہ وغیرہ کا سفر کیا محمد بن محمد بن الباغندی، ابو حبیب بن العباس البزنی اور ابو القاسم البغوی وغیرہم سے علم حاصل کیا اور ان کے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۱۸، شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۲۴

[۲] ابن شاہین کی کتاب الترغیب فی فضائل الاعمال کا قلمی نسخہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔

شاگردوں میں ابوسعید المالینی، ابوبکر البرقانی، ابوالقاسم التنوخی، ابوالحسین بن المہتدی باللہ اور خود ان کے صاحبزادے عبید اللہ بن عمر اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، خود انھوں نے اپنی تصانیف کی تعداد تین سو تیس بیان کی ہے، ان میں سے التفسیر الکبیر۔ المسند۔ التاریخ۔ الزہد اور کتاب الترغیب والترہیب خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

قاضی محمد بن عمر الداوودی کہتے ہیں کہ ابن شاہین نے مجھ سے بیان کیا کہ اس وقت تک جو روشنائی میں نے خریدی ہے اس کی مجموعی قیمت تقریباً سات سو درہم ہوتی ہے، سیوطی نے اس روشنائی کی مقدار اٹھائیس قنطار بیان کی ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ (اتنی عظیم خدمات) بھی طیِ زماں[1] ہی کی ایک شکل ہے، حافظ ذہبی نے اپنے شیخ عماد الدین الحرامی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابن شاہین کی تفسیر شہر واسط میں دیکھی تھی جو تیس جلدوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

حافظ ابن شاہین نے (امام دارقطنی سے ایک ماہ بعد) ذی الحجہ سن تین سو پچاسی ہجری ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔[2]

(۳) ایک کتاب الترغیب " الفقیہ المفسر الادیب ابوالفتح سلیم بن ایوب الرازی الشافعی کی بھی ہے۔

---

[1] "طیِ زماں" صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے جسے ہم "وقت میں خصوصی برکت" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

[2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۳ صفحہ ۱۸۳، شذرات الذہب ج ۳ صفحہ ۱۱۷، الکامل لابن الاثیر ج ۹ صفحہ ۳۹، الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۴۹، اس مؤخر الذکر کتاب میں ابن شاہین کے حالات صفحہ ۴۲ پر لکھے ہیں مگر وہاں ان کی الترغیب والترہیب کا ذکر نہیں ہے بلکہ آگے صفحہ ۴۹ پر ابوالقاسم اصبہانی کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کی الترغیب کا ذکر کرنے کے ساتھ ابن شاہین کی الترغیب کا بھی ذکر کیا ہے۔

(نوٹ) ان کی تصانیف میں الترغیب کا ذکر مندرجہ حوالوں میں سے صرف الرسالۃ المستطرفۃ میں کیا گیا ہے لیکن اہلِ علم کی تصانیف میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے، سیوطی وغیرہ کے یہاں اس کا حوالہ بہت ہے۔

انھوں نے شروع میں لغت، نحو، تفسیر، معانی وغیرہ علوم حاصل کئے اس کے بعد چالیس سال کی عمر میں فقہ کی طرف توجہ ہوئی اور شیخ ابوحامد اسفرائینی سے علم فقہ حاصل کیا اور طویل زمانہ ان کی معیت میں گذارا اور ان کی وفات کے بعد انھی کے قائم مقام ہو گئے۔ علم وعمل میں یکتائے روزگار تھے۔ مؤرخ ابن خاکان نے لکھا ہے۔

کان مشاراالیہ فی الفضل والعبادۃ۔ | آپ فضل وعبادت میں نمونہ تھے۔

اپنے وقت کی انتہائی قدر کرتے تھے۔ ابن خلکان ہی نے لکھا ہے کہ ایسے ایسے اوقات کو بھی علمی اشغال سے معمور رکھتے تھے جن میں (بظاہر) علمی اشتغال ممکن ہی نہیں۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں "کتاب الاشارۃ" "غریب الحدیث" "التقریب" تفسیر القرآن بنام "ضیاء القلوب"[۱] سلیم الرازی کی تصانیف میں "کتاب الترغیب" کا ذکر مجھے کسی تذکرہ نویس کے یہاں تو نہیں ملا۔ البتہ محدث کبیر شیخ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں کتاب الصلوٰۃ[۲] (فصل فی قیام شہر رمضان) میں ایک جگہ بطور حوالہ اس کا ذکر بڑی وضاحت سے کیا ہے۔

آپ نے فریضۂ حج سے فارغ ہونے کے بعد ساحلِ جدہ کے قریب بحر قلزم میں غرق ہو کر شہادت پائی۔ یہ حادثہ صفر کی آخری تاریخ کو سن چار سو سینتالیس ہجری (۴۴۷ھ) میں پیش آیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) ایک مشہور مجموعہ "ترغیب وترہیب" امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ

---

[۱] وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۲۱۲، طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۳ صفحہ ۱۶۸، شذرات الذہب ج ۳ صفحہ ۲۷۵، کشف الظنون ج اول صفحہ ۱۰۵ (تحت اشارۃ فی الفروع) وج ۱ صفحہ ۳۱۹ (تحت تقریب فی الفروع) وج ۲ صفحہ ۸۶ (تحت ضیاء القلوب فی التفسیر) وج ۲ صفحہ ۱۵۶ (بضمن علم غریب الحدیث والقرآن)۔

[۲] نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ج ۲ صفحہ ۱۵۲ (مجلس علمی ڈابھیل)

کا بھی ہے[1]۔ آپ کے مفصل حالات آگے آرہے ہیں۔

(۵) الحافظ الامام شیخ الاسلام ابوموسیٰ المدینی محمد بن ابی بکر عمر بن ابی عیسیٰ[2] احمد بن عمر بن محمد بن ابی عیسیٰ الاصبہانی۔ یہ ذیقعدہ سن پانچ سو ایک ہجری (۵۰۱ھ) میں اپنے وطن اصبہان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کی زیر نگرانی حاصل کی اس کے بعد بہت سے اہلِ علم سے استفادہ کیا اور متعدد شہروں کا سفر کیا۔ ان کے اساتذہ میں ابومنصور محمد بن عبدالسیرانی، محمد بن طاہر المقدسی، ابوزکریا بن مندۃ اور ابوالقاسم التیمی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر ان کے شاگردوں کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ جن میں سے ابوسعد السمعانی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، عبدالقادر بن عبداللہ الرہاوی اور محمد بن مکی الاصبہانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ اپنے زمانے میں فنِ حدیث میں منتہی مانے جاتے تھے اور اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت شمار ہوتے تھے، عبدالقادر کہتے ہیں انھوں نے مسموعات میں سے اصبہان میں اتنا علم حاصل کیا کہ ان کے کسی معاصر کو اتنا حاصل نہیں ہوا۔ اور اسی کے ساتھ انھیں جو حفظ و اتقان حاصل تھا وہ مزید برآں انتہائی متواضع، خلیق اور مستغنی آدمی تھے کسی سے کچھ لینا پسند نہ کرتے تھے، ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ کتاب المغیث۔ یہ ہروی کی کتاب الغریبین کا تکملہ ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ کتاب ان کی عربی زبان میں مہارت کی شاہد ہے۔ کتاب الزیادات۔ یہ ان کے استاد محمد بن طاہر مقدسی کی کتاب الانساب کا ذیل ہے۔ کتاب الطوالات۔ کتاب اللطائف۔ کتاب عوالی التابعین اور ایک مشہور کتاب ابونعیم کی کتاب "معرفۃ الصحابۃ" کا تکملہ بھی ہے۔ آپ کی تصانیف میں ایک مجموعہ ترغیب و ترہیب

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۳۰۹، شذرات الذہب ج ۴ صفحہ ۳۰، وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۲۰

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۱۳۴ میں اس جگہ "محمد بن ابی بکر بن عمر" ہے لیکن وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۴۸۶ میں "محمد بن ابی بکر عمر" ہے یعنی ابوبکر عمر کی کنیت ہے اسی طرح طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۴ صفحہ ۹۰ میں "محمد بن عمر ہے"۔ اس لئے ہمارے خیال میں تذکرۃ الحفاظ میں "ابوبکر" اور "عمر" کے درمیان "بن" غلط ہے۔ متعدد قرائن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بھی ہے۔ ان کی وفات اصبہان میں نوجمادی الاول سن پانچ سو اکیاسی ہجری ۵۸۱ھ کو بروز بدھ دوپہر کے وقت ہوئی۔ ان کے بعد لوگوں نے ان کے حالات و سوانح پر کتابیں لکھی ہیں۔[1]

(نوٹ) "مدینی" "مدینۃ اصبہان" کی طرف نسبت ہے۔ "مدینۃ" عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں خواہ وہ کوئی سا شہر ہو۔ حافظ ابوسعد سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل شہروں کی طرف نسبت "مدینی" ہوتی ہے۔

(۱) مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) مرو۔ (۳) نیشاپور۔ (۴) اصبہان۔

(۵) مدینۃ المبارک (قزوین)۔ (۶) بخاری۔ (۷) سمرقند۔ (۸) نسف۔

ان تمام شہروں کی طرف تو نسبت "مدینی" متعین ہے لیکن "مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کی طرف نسبت اکثر و بیشتر "مدنی" آتی ہے۔[2]

(۶) ایک مشہور و معروف مجموعہ "الترغیب والترہیب" الحافظ الکبیر شیخ الاسلام قوام السنۃ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل بن علی بن احمد بن طاہر القرشی التیمی الطلحی الاصبہانی الشافعی کا بھی ہے۔ جس کا ذکر حافظ منذری نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اس کی بھی تمام احادیث میں نے جمع کرلی ہیں سوائے ان احادیث کے جو یقینی طور پر موضوع تھیں اور اس میں درج ہوگئی تھیں"[3] ابوالقاسم اصبہانی سن چار سو ستاون ہجری (۴۵۷ھ) میں پیدا ہوئے۔ ابوعمرو بن مندۃ، ابراہیم بن محمد الطیان، ابومنصور بن سکرویہ اور ابونصر زینبی وغیرہم سے علم حاصل کیا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۱۲۴، وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۴۸۶، طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۴ صفحہ ۹۰، کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۸۱، ابوموسیٰ المدینی کی تصانیف میں ترغیب وترہیب کا ذکر صرف کشف الظنون میں کیا گیا ہے۔

[2] وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۴۸۶

[3] مقدمۃ الترغیب للمنذری صفحہ ۳۸

علما ساصبہان کے علاوہ بغداد اور نیشاپور کے بہت سے اہلِ علم سے بھی استفادہ کیا ہے۔

ان کے شاگردوں میں الانساب کے مصنف ابو سعد السمعانی، السلفی، ابو القاسم بن عساکر، ابو موسیٰ المدینی اور ایک دنیا ہے۔

ابو موسیٰ المدینی کہتے ہیں کہ "ابو القاسم اصبہانی اپنے وقت کے امام الائمۃ اور علماء وقت کے استاد تھے۔ کسی کو ان کے قول و فعل سے شکایت نہ تھی، طبیعت میں لالچ بالکل نہ تھا۔ اہلِ علم کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے۔ انھوں نے ساڑھے تین ہزار مجالسِ درس منعقد کی ہیں، اپنی مجلس میں بڑی برجستگی اور بے ساختگی سے املاء کراتے تھے" ابن السمعانی کہتے ہیں کہ آپ تفسیر، حدیث، لغت اور ادب کے امام تھے۔

اصبہانی نے تفسیر میں چار کتابیں لکھی ہیں۔ الجامع، الایضاح، الموضح، المعتمد، ان کے علاوہ کتاب السنۃ، سیرۃ الخلف، دلائل النبوۃ، کتاب المغازی، الترغیب والترہیب، شرح صحیح البخاری، شرح صحیح مسلم اور کتاب التذکرۃ وغیرہ لکھی ہیں۔ حافظ ذہبی اور مورخ ابن العماد نے ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

آپ نے عید الاضحیٰ کی صبح کو سن پانچ سو پینتیس ہجری (۵۳۵ھ) میں اصبہان میں وفات پائی۔ ان کے جنازے میں اتنا بڑا مجمع تھا کہ حافظ ذہبی کے الفاظ میں لم یر مثلھم کثرۃ یعنی اتنا بڑا مجمع (اس سے پہلے) نہیں دیکھا گیا۔[1]

(۴) صاحب کشف الظنون نے ایک مجموعہ "ترغیب و ترہیب" ابو الحسن التیمی کا بھی بیان کیا ہے۔[2] مگر

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۸۰، شذرات الذہب ج ۴ صفحہ ۱۰۵، کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۸۱ و ج ۲ صفحہ ۲۶۶، بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۹۹، الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۴۹، (نوٹ) ان کا سن وفات کشف الظنون کی دوسری جلد میں چار سو ساٹھ ہجری اور بغیۃ الوعاۃ میں پانچ سو چھ ہجری لکھا ہے اور یہ دونوں غلط ہیں۔

[2] کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۶۶۔

اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے۔ نیز تمیمی نسبت والے بہت سے علماء سابقین کے حالات کتابوں میں تلاش کیے مگر اس کا ذکر ہمیں کہیں نہیں مل سکا۔ البتہ سخاوی نے حدیث اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ پر کلام کرتے ہوئے تمیمی کی ترغیب کا ذکر کیا ہے (مقاصد حسنہ ص۱۵)

(۸) کتاب "الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ" المنسوب الی المناوی سے معلوم ہوتا ہے کہ "طیبی" نے بھی کوئی مجموعہ ترغیب تالیف کیا ہے چنانچہ اس کتاب میں تین[۱] جگہ اس کے حوالے سے حدیثیں نقل کی ہیں اور ایک حدیث صرف اسی کے حوالے سے لکھی ہے:-

اخرجہ الطیبی فی الترغیب عن جابرؓ[۲]۔	اس کو طیبی نے الترغیب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اس نسبت کے ساتھ سب سے زیادہ مشہور محدث علامہ حسین[۳] بن محمد بن عبد اللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ شارح المشکوۃ و شارح الکشاف ہیں ان کے حالات میں ہمیں "الترغیب" کا ذکر کہیں نہیں ملا۔ پھر ہم نے ان کے علاوہ علی بن صالح، الطیبی[۴] المتوفی ۲۸۰ھ، القاضی احمد بن علی بن احمد ابو العباس الطیبی[۵] المتوفی بعد ۳۵۰ھ، عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن حمدان ابو القاسم الطیبی[۶] المتوفی ۴۲۳ھ اور حسین بن ابی الحسن بن ثابت الطیبی وغیرہم کے حالات بھی دیکھے مگر الترغیب کا ذکر کہیں نہیں ملا۔

---

[۱] صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۵ و صفحہ ۱۶۰۔ [۲] صفحہ ۳۵۔ [۳] ان کا نام الدرر الکامنۃ میں حسین اور بغیۃ الوعاۃ للسیوطی میں حسن ہے (الرفع والتکمیل صفحہ ۳۷) ہم نے تلاش کیا تو شذرات الذہب صفحہ ۱۳۷/۶ کشف الظنون صفحہ ۱۱۳/۲ و صفحہ ۱۴۴۳/۲ میں حسن ملا اور البدر الطالع صفحہ ۲۲۹/۱ میں حسین۔ فلینظر واللہ اعلم۔ [۴] شذرات الذہب ج۲ صفحہ ۲۶۷۔ [۵] طبقات الشافعیۃ ج۴ صفحہ ۴۱۔ [۶] طبقات الشافعیۃ ج۵ صفحہ ۶۵۔

تذکرۂ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ

نام ونسب و پیدائش الحافظ الکبیر الامام شیخ الاسلام زکی الدین ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامۃ بن سعد بن سعید المنذری الشامی ثم المصری[1] الشافعی۔

آپ یکم شعبان سن پانچ سو اکیاسی ہجری (۵۸۱ھ مطابق ۱۱۸۵ء) میں مصر میں پیدا ہوئے۔ اور بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش شام میں ہوئی۔

تحصیلِ علم آپ نے حصولِ علم کے لئے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت مقدس، دمشق، حرّان، رہا، اور اسکندریہ وغیرہ کے اسفار کئے اور ہر ہر جگہ کے اکابر اہل علم سے استفادہ کیا۔

اساتذۂ کرام آپ کے اساتذہ میں سب سے پہلے استاذ حدیث ابو عبد اللہ الارتاحی ہیں۔ خود حافظ منذری نے کہا ہے۔ ھو اوّل شیخ سمعت منه الحدیث[2] یعنی یہ میرے سب سے پہلے استاذ ہیں جن سے میں نے حدیث سنی۔ امام ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد القرشی، عبد المجیب بن زہیر المتوفی ۶۰۱ھ محمد بن سعید المامونی، الحافظ ابو الحسن علی المقدسی، المطہر بن ابی بکر البیہقی، ربیعۃ بن الحسن بن علی الیمنی المتوفی ۶۰۹ھ، ابو عبد اللہ البنار المتوفی ۶۱۲ھ، الحسن بن محمد بن الحسن زین الامناء المتوفی ۶۲۷ھ

---

[1] ان کا خاندان دراصل شام سے آیا تھا اس لئے مؤرخین نے انھیں الشامی ثم المصری لکھا ہے۔

[2] یہ قول حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ صفحہ ۲۱۲ میں نقل کیا ہے۔

[3] شذرات الذہب ج ۵ صفحہ ۶ ترجمۃ محمد بن حمد ــــ بلا الف ــــ بن حامد ابی عبد اللہ الارتاحی ــــ ان کی نسبت کسی نے ارباحی کسی نے ارتیاحی اور کسی نے کچھ نقل کی ہے۔ ہم نے خود ابو عبد اللہ الارتاحی کے حالات دیکھ کر اور متعدد مقامات سے مراجعت کرکے صحیح کیا ہے۔ بالتاء المثناۃ من فوق وبعدھا الف۔

اعفر بن کامل[10]، ابراہیم النبیب[11]، ابوالجود غیاث بن فارس[12]، الحافظ جعفر بن اموسان[13]، عمر بن طبرزد[14]، محمد بن الشریف[15]، التاج الکندی[16]؎[1]

علامہ سیوطی نے محمد بن عمر بن یوسف القرطبی الانصاری[1] المتوفی ۶۳۱ھ؎[2] اور مہذب الدین محمد بن علی الحلی الادیب الشاعر المتوفی ۶۴۲ھ؎[3] کو بھی ان کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ مؤرخ ابن العماد نے ابوالحسن[19] علی بن احمد بن عبد الواحد الفخر بن البخاری المتوفی ۶۰۹ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ منذری نے ان سے روایت کی ہے۔؎[4] علامہ سبکی نے متعدد علماء کے حالات میں منذری کا اُن سے روایت کرنا لکھا ہے ان میں چند یہ ہیں۔ محمد بن ہبۃ اللہ الشیرازی[20] المتوفی ۶۳۵ھ؎[5]، ابراہیم بن نصر[21] بن طاقۃ المصری الحموی المتوفی ۶۳۸ھ؎[6]، عبد الرحمٰن[22] بن محمد بن اسماعیل القرشی المصری ابن الوراق المتوفی ۶۱۶ھ حافظ منذری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے حدیث سنی ہے اور عرصۂ دراز تک فقہ حاصل کیا ہے۔؎[7] المظفر بن ابی احمد[23] الوارانی امین الدین التبریزی المتوفی ۶۲۱ھ؎[8]۔ نجم بن ابی الفرج[24] بن سالم الکنانی المصری المتوفی ۶۰۴ھ؎[9]، الفقیہ ہمام[25] بن راجی اللہ المصری المتوفی ۶۳۰ھ۔ اور ان کے

؎[1] ماخوذ از تذکرۃ الحفاظ و شذرات الذہب وغیرہ

؎[2] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۸۶ ترجمۃ محمد بن عمر القرطبی۔

؎[3] ایضاً صفحہ ۸، ترجمۃ محمد بن علی و طبقات الشافعیۃ ج ۵ صفحہ ۲۲

؎[4] شذرات الذہب ج ۵ صفحہ ۱۶۴

؎[5] طبقات الشافعیہ ج ۵ صفحہ ۴۳

؎[6] طبقات الشافعیہ ج ۵ صفحہ ۴۹

؎[7] ایضاً ج ۵ صفحہ ۶۵

؎[8] ایضاً ج ۵ صفحہ ۱۵۶

؎[9] ایضاً ج ۵ صفحہ ۱۶۲

اساتذہ میں موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الحنبلی المقدسی المتوفی سنہ ۶۲۰ھ[1] بھی ہیں۔

اور بعض محدثین سے روایت تو نہیں ہے مگر ان سے حدیث کی اجازت ہے مثلاً ابو الربیع سلیمان بن موسی الحمیری الکلاعی المتوفی سنہ ۶۳۴ھ، حافظ ذہبی نے ابو الربیع کے حالات لکھتے ہوئے منذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کتب الینا بالاجازۃ سنۃ اربع عشر[2] یعنی سنہ ۶۱۴ھ میں انھوں نے ہمیں روایت حدیث کی تحریری اجازت دی۔ برہان الدین ابراہیم بن المظفر الحربی الموصلی المتوفی سنہ ۶۱۲ھ[3] منذری نے ان کے متعلق لکھا ہے لنا منہ اجازۃ یعنی ہمیں ان سے حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

آپ نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد ادب اور فقہ پڑھا اور فقہ میں یگانہ و بے مثال ہو گئے۔ لیکن فن حدیث آپ کی دلچسپی کا مرکز تھا اور یہی رات دن کا مشغلہ تھا یہی وجہ تھی کہ شان کے غلبہ و شہرت کی ہوگئی

تلامذہ و مستفیدین

آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے حفاظ حدیث اور اکابر علماء شامل ہیں مثلاً حافظ دمیاطی، ابن الظاہری، ابو الحسین الیونینی، ابو عبد اللہ بن القزاز، اسماعیل بن نصر اللہ، قاضی القضاۃ تقی الدین ابن دقیق العید، العماد بن محمد الخزائری، اسحاق بن الوزیری، حافظ شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام السلمی، محمد بن ابراہیم المیدومی[4]، احمد بن ابراہیم الفرضی القاہری[5] اور جلال الدین احمد بن عبد الرحمن الکندی وغیرہم۔[6]

منذری کا مقام اہل علم کی نظر میں

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی اور نہ تھا۔[7] ذہبی نے الحافظ الکبیر الامام الثبت شیخ الاسلام کے الفاظ

---

[1] شذرات الذہب ج ۵ صفحہ ۸۸، التاج المکلل صفحہ ۲۳۱

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۲۰۴ ترجمہ سلیمان بن موسی الکلاعی۔

[3] التاج المکلل صفحہ ۲۳۱

[4] سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۵ میں ان کے حالات میں لکھا ہے قال الذہبی وکان خصیصا بالحافظ المنذری

[5] طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۵ ص ۲ [6] ص ۹ [7] طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۹، شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۸

لکھے ہیں سیوطی نے لکھا ہے کہ فنِ قراۃ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ حافظ عز الدین بن عبد السلام جن کے متعلق حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور سیوطی نے شیخ الاسلام اور سلطان العلماء کے الفاظ سے انھیں یاد کیا ہے[1]۔ وہ منذری کا شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ حافظ عز الدین ابن عبد السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ زکی الدین المنذری فنِ حدیث میں عدیم المثال تھے۔ حدیث کے صحیح و سقیم و معلول کو اچھی طرح جانتے تھے، اس کے احکام و معانی اور اس کی مشکلات کو حل کرنے میں پوری مہارت رکھتے تھے اور اس کے لغات اور ضبطِ الفاظ میں کامل تھے، احادیث کے لفظی فروق پر گہری نظر تھی، نہایت متقی پرہیزگار اور قانع انسان تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث پڑھی ہے اور بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے، ذہبی نے نقل کیا ہے کہ منذری بڑے عبادت گذار اور زاہد تھے، حافظ ابن عبد السلام جب قاہرہ پہنچے تو حافظ منذری کی مجلسِ درس میں شاگردانہ شرکت کرتے تھے اور خود حدیث بیان کرنا چھوڑ دی تھی ـــ یہ تو تھا حافظ عز الدین کا اعترافِ فضل اب دوسری طرف منذری کی قدر دانی اور توقیر و تعظیم دیکھیے کہ ـــ حافظ منذری نے حافظ عز الدین کے مصر تشریف لانے کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا اور اعلان کرا دیا تھا کہ ہم تو فتویٰ اسی وقت تک دیتے تھے جب تک یہ یہاں پہنچے تھے اب ان کے تشریف لانے کے بعد منصبِ افتاء انہی کے لئے متعین و مخصوص ہے[2]۔ حافظ ابن دقیق العید جن کے متعلق تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ باتفاق رائے وہ ساتویں صدی ہجری کے مجدد ہیں[3]۔ فرماتے تھے کہ میں حافظ منذری کو اپنے سے زیادہ متدین سمجھتا ہوں[4]۔ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں شیخ الاسلام

---

[1] حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۶،

[2] حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۶ ترجمۃ الحافظ عز الدین بن عبد السلام۔ طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۵ صفحہ ۱۰۹ ترجمۃ الحافظ المنذری۔

[3] طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۶ صفحہ ۳، حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۸

[4] حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۴۹

عزالدین بن عبدالسلام کے حالات بیان کرتے ہوئے شیخ ابوالحسن شاذلی کا قول نقل کیا ہے:۔

قال الشیخ ابوالحسن الشاذلی قیل لی ما علی وجہ الارض مجلس فی الفقہ ابہی من مجلس الشیخ عزالدین بن عبد السلام وما علی وجہ الارض مجلس فی الحدیث ابہی من مجلس الشیخ زکی الدین عبد العظیم وما علی وجہ الارض مجلس فی علم الحقائق ابہی من مجلسك۔ (حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۲۷)

مجھ سے کہا گیا ہے[۱] کہ روئے زمین پر علم فقہ کی کوئی مجلس شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی مجلس سے بہتر نہیں ہے اور روئے زمین پر علم حدیث میں کوئی مجلس شیخ زکی الدین عبدالعظیم (المنذری) کی مجلس سے بارونق و عمدہ نہیں۔ اور تحت زمین پر علم حقائق و معارف کے لحاظ سے تمہاری مجلس سے عمدہ و بہتر کوئی مجلس نہیں ہے۔

حافظ ذہبی کے استاد حافظ عبدالمومن کہتے ہیں کہ حافظ منذری میرے استاد ہیں:۔

اتیتہ مبتدیاً وفارقتہ معیداً۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۲۱)

میں ان کے پاس مبتدی کی حیثیت میں گیا تھا اور فاضل بن کر ان کے پاس سے گیا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

عنی بهذا الشان حتی فاق اهل زمانہ فیہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۱۲)

فن حدیث میں دائم الاشتغال اور منہمک رہے۔ یہاں تک کہ اپنے اہل زمانہ سے سبقت لے گئے۔

علامہ عبدالحی الکتانی المغربی (المتوفی ۱۳۸۲ھ) نے الرحمۃ المرسلۃ فی شان حدیث البسملۃ میں حافظ منذری کی تصانیف کے متعلق علامہ سیوطی کا قول نقل کیا ہے کہ

---

[۱] اس مقولہ کا انداز بیان بالخصوص آخر والا فقرے کے جملے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کوئی الہام و مکاشفہ کی قسم کی بات ہے۔ واللہ اعلم۔

اذا علمتم بالحدیث انه فی تصانیف المنذری صاحب الترغیب والترھیب فاردوه مطمئنین[1]	جب تمہیں کسی حدیث کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حافظ منذری مصنف الترغیب والترہیب کی کسی کتاب میں ہے تو اسے بے کھٹکے نقل کرلو۔

علمی خدمات تدریس وتصنیف: آپ کے علوم کا سمندر ہر طرف سیراب کرتا رہا اور سیکڑوں ہزاروں دریا اس میں سے نکل کر عالم کو سیراب کرنے لگے پہلے آپ نے کچھ عرصہ جامع ظافری قاہرہ میں درس دیا اس کے بعد الدار الکاملیۃ کی مسند پر جلوہ افروز ہو گئے اور مسلسل بیس سال تک کاملیۃ میں درس دیتے رہے۔ دور دراز کے لوگ سفر کرکے ان کے پاس آتے اور استفادہ کرتے تھے۔

درس تدریس اور علمی انہماک واشتغال کا یہ عالم تھا کہ درسگاہ کاملیہ سے سوائے نماز جمعہ کے اور کسی کام کو نہ نکلتے تھے حتیٰ کہ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے جو بڑے محدث اور فاضل تھے ان کا انتقال ہوا تو باپ (حافظ منذری) نے کاملیہ کے اندر ہی نماز جنازہ پڑھائی اور صرف دروازے تک جنازے کے ساتھ آئے اور وہیں سے رخصت کرکے یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ "جاؤ بیٹا میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔"[2]

تصانیف: آپ نے حدیث، فقہ، تاریخ اور رجال وغیرہ پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) فقہ شافعی کی مشہور کتاب "التنبیہ" للشیخ ابی اسحاق ابراہیم بن علی الفقیہ الشیرازی الشافعی المتوفی ۴۷۶ھ کی شرح۔[3]

---

[1] التعلیقات الحافلۃ للشیخ الفاضل عبدالفتاح ابوغدۃ علی الاجوبۃ الفاضلۃ للامام عبدالحی اللکنوی صفحہ ۱۲۰ (الطبعۃ السوریۃ) [2] طبقات الشافعیہ ج ۵ صفحہ ۱۰۹ [3] کشف الظنون میں حرف التاء میں اس شرح کا ذکر ہے ج اول صفحہ ۴۸۴

(۲) مختصر سنن ابی داؤد[1] حافظ ابن قیم الجوزیہ اس کے متعلق شرح سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں۔

ان الحافظ زکی الدین المنذری قد احسن فی اختصارہ فهذبته نحو ماهذب هو به الاصل وزدت علیه من الکلام علی علل سکت عنها اذ لم یکملها۔[2]

حافظ زکی الدین المنذری نے اس (سنن) کا بڑا اچھا اختصار کیا ہے، میں نے بھی اسی نہج پر اس کو مرتب و مہذب کیا ہے اور جن علل وغیرہ پر انھوں نے سکوت کیا تھا ان پر بھی کلام کیا ہے اس لئے کہ منذری اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔

کشف الظنون میں منذری کی مختصر سنن ابی داؤد کا نام المجتبیٰ نقل کیا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ

وهو احسن اختصاراً من الاول۔ (البدایۃ والنہایۃ)

مختصر صحیح مسلم سے سنن ابی داؤد کا اختصار زیادہ عمدہ ہے۔

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ سیوطی نے منذری کی اس المجتبیٰ کی شرح بنام زہر الربیٰ[3] علی المجتبیٰ لکھی ہے۔

(۳) حواشی سنن ابی داؤد۔

(۴) مختصر صحیح مسلم۔[4] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ؒ نے اس کی شرح "السراج الوہاج" کے نام

---

[1] یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے غایۃ المقصود مکمل سنن ابی داؤد کے حاشیہ پر شائع ہو چکی ہے۔ [2] کشف الظنون حرف السین ج ۲ صفحہ ۲۵، [3] ہندوستان میں جو زہر الربیٰ سنن نسائی کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے اس کا بھی پورا نام زہر الربیٰ علی المجتبیٰ ہے اور وہ بھی علامہ سیوطی ہی کی تصنیف ہے لہٰذا اگر صاحب کشف الظنون کو اشتباہ نہیں ہوا ہے تو یہ دونوں الگ کتابیں سمجھنی چاہئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [4] اس کا ۹۲۲ھ میں لکھا ہوا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے (فہرست کتب خانہ مذکور ج ۱ ص ۶۶۲) اس مختصر پر عثمان بن عبد الملک الکردی المصری (المتوفی ۷۳۸ھ) اور محمد بن احمد الاسنوی (المتوفی ۷۶۳ھ) نے شرح بھی لکھی ہے۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۵ منذری کی یہ مختصر صحیح مسلم حال ہی میں المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ کویت سے شائع ہو چکی ہے۔

سے لکھی ہے[1]

(۵) المعجم۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔

(۶) الترغیب والترہیب۔ اس کا تعارف آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

(۷) کتاب الخلافیات ومذاہب السلف[2]۔ حافظ ذہبی نے جو لکھا ہے کہ وصنّف فی المذہب[3]۔ یعنی مذہب کے متعلق بھی ایک کتاب لکھی ہے بظاہر اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔

(۸) التکملۃ لوفیات النقلۃ۔ یہ حافظ ابو سلیمان محمد بن عبداللہ کی کتاب وفیات النقلۃ کا تکملہ یا ضمیمہ ہے صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ میں نے اس کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا ہے جو تین جلدوں میں تھا۔[4]

سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ کے مقدمہ میں اپنے مآخذ کی فہرست میں اس کا نام بھی لیا ہے لکھتے ہیں — "وتاریخ من دخل مصر المسمی بالتکملۃ لوفیات النقلۃ للمنذری"[5] سیوطی نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر اس کا کئی ناموں سے حوالہ دیا ہے مثلاً صفحہ ۱۳ پر محمد بن احمد بن عبداللہ الحنفی کے حالات میں لکھا ہے۔ "ذکرہ الحافظ المنذری فی تاریخ من دخل مصر" اور صفحہ ۴۲ پر محمد بن برکات السعیدی کے حالات میں ہے "المنذری" فی تاریخہ" اور صفحہ ۸۰ پر ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد السلمی الدمشقی کے حالات کے تحت اس کا نام "تاریخ مصر" ذکر کیا ہے۔

ہم نے یہاں پر یہ تنبیہ اس لئے ضروری سمجھی کہ منذری کی تصانیف میں اگر کہیں "تاریخ مصر" یا

---

[1] مقدمہ السراج الوہاج صفحہ ۳، اتحاف النبلاء صفحہ ۱۶۶

[2] مقدمہ الترغیب از مصنف کتاب

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۲۲۱

[4] کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۹۴۰ بسلسلہ تعارف وفیات النقلۃ

[5] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲

"تاریخ من دخل مصر" نظر آئے تو اس سے ان کی کوئی اور کتاب نہ سمجھی جائے۔

(۹) ایک رسالہ حدیث "الطہور شطر الایمان" الخ کے طرق، احکام اور فوائد وغیرہ پر لکھا ہے جس کا خود حافظ منذری نے الترغیب والترہیب میں حدیث مذکور کے تحت ذکر کیا ہے[1]

(۱۰) ایک رسالہ (جزء) حدیث ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ الخ کے طرق پر لکھا ہے جس کا الترغیب میں اسی حدیث کے تحت تذکرہ ہے[2]

(۱۱) ایک رسالہ میں مصنف نے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے جن میں مختلف اعمال پر غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر۔ (اس کے کرنے والے کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے) کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اس رسالہ کا ذکر کشف الظنون[3] میں جزء المنذری کے نام سے ہے اور علامہ عزیزی نے السراج المنیر شرح الجامع الصغیر میں علقمی کے حوالہ سے حدیث من قرأ اذا سلم الامام یوم الجمعۃ قبل ان یثنی رجلیہ فاتحۃ الکتاب۔ الخ۔ کے تحت بھی منذری کے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔[4]

(۱۲) ایک رسالہ میں حدیث من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امر دینہا الخ کے طرق اور اس کی صحت وسقم کے متعلق اہل علم کی رائیں وغیرہ جمع کی ہیں۔ اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں کیا ہے[5]

(۱۳) "عمل الیوم واللیلۃ" اس کتاب میں رات دن کے معمولات، عبادات اور اذکار و دعوات

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ صفحہ ۱۵۷

[2] الترغیب ج ۱ صفحہ ۴۹۱

[3] کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۳۹۳

[4] السراج المنیر ج ۳ صفحہ ۳۵۵، (مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ)

[5] مقدمہ لامع الدراری علی جامع البخاری صفحہ ۱۵۵، (الطبعۃ الثالثہ لکھنؤ ۱۳۹۱ھ)

جمع کی ہیں اس کتاب میں حافظ منذری نے کہا ہے کہ اس موضوع پر اہل علم نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے بہترین کتاب امام ابوعبد الرحمن النسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) کی ہے اور اس سے بھی بہتر کتاب ان کے شاگرد حافظ احمد بن محمد المعروف بابن السنی (المتوفی ۳۶۴ھ) کی ہے۔ نیز حافظ منذری لکھتے ہیں:۔

وھو اجمع الکتب فی ھذا الفن لکنھا مطولۃ ۔قال۔ فحذفت الاسانید لضعف ھمم الطالبین۔ (کشف الظنون)	یہ کتاب اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع ہے لیکن طویل بہت ہے اس لئے میں نے اس کی سندیں حذف کردیں کیونکہ پڑھنے والے اب اتنی طویل کتاب پڑھنے کی ہمت نہیں کرتے۔

اس طرح گویا منذری کی یہ کتاب ان کی الترغیب کی طرح صرف متون حدیث پر مشتمل ہے جس میں نسائی اور ابن السنی کی کتابوں کا نچوڑ آگیا ہے۔ اس کتاب کا تذکرہ اور مصنف کے بیان سے کتاب کا یہ تعارف صاحب کشف الظنون نے نقل کیا ہے۔[۲]

(۱۴) ایک رسالہ میں وہ تمام روایات جمع کی ہیں جن میں دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر ہے۔ اس رسالہ کا تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری کتاب الدعوات کے باب رفع الایدی فی الدعاء کے تحت کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

فان فیھا احادیث کثیرۃ افردھا المنذری فی جزء[۳]	اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ حافظ منذری نے ان سب کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کردیا ہے۔

(۱۵) جزء الفوائد الشفریۃ۔ مؤرخ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں محی السنۃ حسین بن مسعود

---

[۱] ابن السنی کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ حیدرآباد دکن سے پہلے ۱۳۱۵ھ اور پھر ۱۳۵۸ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ مصنف نے اس میں ہر حدیث اپنی سند سے ذکر کی ہے۔

[۲] کشف الظنون۔ حرف العین۔ ج ۲ صفحہ ۱۳۶۱، [۳] فتح الباری ج ۱۱ صفحہ ۱۲۰

الفراء البغوی کے حالات میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے اور انھوں نے خود مصنف کا لکھا ہوا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ بغوی کا سن وفات سنہ ۵۱۰ھ لکھنے کے بعد ابن خلکان نے لکھا ہے:۔

ورأیت فی کتاب الفوائد الشفریۃ التی جمعھا الشیخ الحافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری انہ توفی فی سنۃ ست عشرۃ وخمسمائۃ ومن خطہ نقلت ھذا واللہ اعلم۔[1]

اور میں نے الفوائد الشفریۃ جو حافظ زکی الدین منذری کی تالیف ہے اس میں دیکھا ہے کہ (بغوی کی) وفات سن ۵۱۶ھ میں ہوئی اور یہ میں نے خود مصنف کے قلم کے لکھے ہوئے سے نقل کیا ہے۔

(۱۶) "کفایۃ التعبد وتحفۃ التزھد"[2]: یہ رسالہ اعمال صالحہ کے اجر و ثواب کے موضوع

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۱۴۶، راقم سطور کی تحقیق میں بھی صحیح سن وفات ۵۱۶ھ ہی ہے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۵۲، شذرات الذہب ج ۴ صفحہ ۴۸، کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۴۴ وغیرہ میں ہے۔

[2] یوں تو بندوں پر ان کے مولائے کریم کے احسانات ہر آن لا محدود و بے پایاں ہیں لیکن بعض اوقات خلاق کریم کچھ ایسے عجیب انداز میں اور غیر متوقع طور پر دستگیری فرماتا ہے کہ انسان کے زبان و قلم اس کے قلبی جذبات تشکر و امتنان کے بحر مواج کو ضبط کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں اور بے اختیار کلمات شکر ظاہر ہونے لگتے ہیں آج ۱۱ر فروری ۱۹۶۱ء کو دوپہر کے گیارہ بجے ہیں۔ میں ندوۃ المصنفین میں محترم جناب مفتی عتیق الرحمن صاحب کے کمرے میں "الموافقات" کی ایک جلد تلاش کرنے میں لگا ہوا ہوں کہ اچانک "الرسائل المنیریہ" نامی متعدد و مختلف رسائل کا ایک مشہور مجموعہ سامنے آیا خیال ہوا کہ اس میں مختلف موضوعات پر بہت سے رسائل ہیں ایک نظر ان کی فہرست پر ڈال کر دیکھوں شاید ہمارے زیر بحث موضوع "حجیت حدیث" (برائے مقدمہ ہذا باب دوم) پر کوئی چیز مل جائے کھولتا ہوں تو دو ایک ہی اوراق کی الٹ پلٹ کے بعد حافظ منذری کا یہ رسالہ سامنے آگیا اور حقیقت یہ ہے کہ تصانیف منذری کا اکثر حصہ خدا کی اسی طرح غیر متوقع دستگیریوں نے تیار کرایا ہے فالحمد للہ عدد خلقہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ اور ایسے تجربات دو چار دس پانچ نہیں بلکہ الحمد للہ سیکڑوں بار ہوئے ہیں۔ رب انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر۔

پر ہے اس کے شروع میں مصنف لکھتے ہیں:۔

وبعد فان اخی ابا احمد عبد الکریم سألنی ان اجمع لہ کتابا فی ثواب الاعمال وفضائلھا محذوف الاسانید لیسھل علیہ حفظہ۔	میرے بھائی ابو احمد عبد الکریم نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اس کے لئے ایک رسالہ اعمال کے فضائل کے موضوع پر لکھ دوں جس میں حدیثوں کی سندیں حذف کردی جائیں تاکہ اسے آسانی سے حفظ کیا جا سکے۔

یہ رسالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول نماز کے بیان میں باب دوم روزے کے بیان میں باب سوم صدقہ کے بیان میں اور باب چہارم ذکر دعا اور درود شریف کے بیان میں۔ یہ رسالہ ۱۳۴۳ھ میں رسائل منیریہ کے مجموعے میں شامل ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر سے شائع ہو چکا ہے[۱]۔ (۱۸) الاعلام باخبار شیخ البخاری محمد بن سلام[۲]

شعر و ادب عام قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص کی دلچسپی اور انہماک کسی مخصوص فن میں بڑھ جاتا ہے تو دیگر فنون خواہ ان میں وہ کتنی ہی مہارت رکھتا ہو مغلوب ہو کر رہ جاتے ہیں، حافظ منذری کے فن ادب اور دیگر علوم و فنون کا بھی یہی حال ہے، ان کے فن حدیث میں انہماک نے ادب، فقہ[۳]، تاریخ اور قرآۃ وغیرہ پر پردہ ڈال دیا۔ حافظ ذہبی اور دوسرے سوانح نگاروں نے ان کے ادب اور علوم عربیہ کی مہارت کا بھی ذکر کیا ہے، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرۃ میں لکھا ہے:۔

کان اماما حجۃ بارعا فی الفقہ والعربیۃ والقرآت[۴]	آپ فقہ اور عربیت اور قرآۃ کے فنون میں بھی امام کامل اور سند تھے۔

ابن شہبہ نے لکھا ہے:۔

---

[۱] الرسائل المنیریہ ج ۲ صفحہ ۶۶ تا صفحہ ۸۳ [۲] کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۵

[۳] علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ میں جہاں مصر کے فقہاء شافعیہ کا ذکر کیا ہے ان میں حافظ زکی الدین المنذری کا نام بھی ذکر کیا ہے (حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۸۴)

[۴] حسن المحاضرۃ للسیوطی ج ۱ صفحہ ۱۴۹

برع فی العربیۃ والفقہ [۱]	آپ کو فقہ اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ الامام الفقیہ الصوفی حسن بن عبد الرحیم القنائی سے منذری نے ان کے بہت سے اشعار بھی نقل کئے ہیں اور ان کی دعاؤں کے برکات بھی حاصل کئے ہیں [۲]

علامہ تاج الدین سبکی نے حافظ منذری کے اشعار میں سے صرف یہ دو شعر بطور نمونہ لکھے ہیں:۔

اعمل لنفسك صالحا لا تحتفل	بظهور قيل في الانام وقال
فالخلق لا يرجى اجتماع قلوبهم	لا بد من مثن عليك وقال

ترجمہ:۔ (۱) اپنی ذات کے لئے نیکیاں کرتے رہو اور لوگوں کی قیل وقال کی کچھ پرواہ نہ کرو۔

(۲) اس لئے کہ لوگوں سے اسبات کی تو کوئی امید نہیں ہے کہ ان کے دل کسی ایک بات پر مجتمع ہوجائیں گے (اور جب یہ نہیں ہوسکتا تو) ضروری ہے کہ کچھ تمہاری تعریف کریں اور کچھ نکتہ چیناں کریں۔

غالب نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

غالب برا نہ مانئے گر برا کوئی کہے !

ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے ؟

---

[۱] شذرات الذہب ج ۵ صفحہ ۲۷۷

[۲] سیوطی نے مصر کے صوفیا کے حالات لکھتے ہوئے عبدالرحیم بن احمد بن حجون القنائی کے حالات کے ضمن میں یہ بیان کیا ہے۔ (حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۲۲۰)

تقویٰ و پرہیزگاری

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کو خدائے تعالیٰ نے ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطن کی روشنی سے بھی بھرپور حصہ عطا فرمایا تھا تمام تذکرہ نویسوں نے ان کے زہد و تقویٰ کا اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کان ذا نسك وتزهد[1] یعنی عبادت گذار اور زاہد آدمی تھے۔

تاج الدین سبکی نے ان الفاظ سے ان کے احوال شروع کئے ہیں:۔

الحافظ الکبیر الورع الزاهد[2]	بڑے حافظ، پرہیزگار اور زاہد تھے۔

آگے لکھتے ہیں:۔

ترتجی الرحمة بذکرہ ویستنزل رضی الرحمٰن بدعائه کان رحمه الله قد اوتی بالمکیال الاوفی من الورع والتقوی[3]	ان کے تذکرے سے رحمت خداوندی کی امید کی جاتی ہے اور ان کی دعا کے ذریعہ خدا کی رضا حاصل کی جاتی ہے، آپ کو تقویٰ و پرہیزگاری سے بھرپور حصہ ملا تھا۔

علامہ سبکی ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں واما ورعه فاشهر من ان یحکی یعنی ان کی پرہیزگاری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں کہ مجدد عصر حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ان کی دیانت و تقویٰ کے معترف تھے ——— حافظ دمیاطی نے حافظ منذری کی پرہیزگاری اور احتیاط کا ایک چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار وہ حمام سے نکلے اس کی گرمی کی شدت سے چل نہ سکے اور بےبس ہو کر راستہ کے کنارے ایک دوکان کے قریب لیٹ گئے۔ حافظ دمیاطی کہتے ہیں کہ دوکان بند تھی میں نے عرض کیا کہ محترم المقام میں آپ کو اس دکان کے چبوترے پر بٹھا دیتا ہوں تو حافظ منذری نے اسی شدت کی غشی اور کمزوری کے عالم میں جواب دیا کہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۲۲۱

[2]، [3] طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۵ صفحہ ۱۰۸

[4] ایضاً ج ۵ صفحہ ۱۰۹

بغیر اذن صاحبہ کیف یکون	مالک کی اجازت کے بغیر یہ کیسے
(طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۱۰۹)	ہو سکتا ہے۔؟

حافظ دمیاطی کہتے ہیں کہ آخر شیخ منذری دکان کے چبوترے پر بیٹھنے کے لئے راضی نہیں ہوئے۔

جو شخص علوم شریعت میں شغف کے ساتھ ساتھ معرفتِ خداوندی اور عشقِ نبوی کا بھی محرم راز ہو تو دنیا میں پھر اس سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ حافظ منذری کو خدا نے دونوں نعمتوں سے خوب نوازا تھا اور اس ظاہری اشتغال بالحدیث کے ساتھ باطنی تعلق سے منذری کو احادیث کے پرکھنے میں بھی مدد ملی۔ انھوں نے حدیثوں کے متعلق فیصلہ تو انہی اصول کے تحت کیا جو علماء حدیث کے یہاں طے شدہ ہیں لیکن اپنے نورِ بصیرت سے کہیں کہیں اس راہ میں انھوں نے کام ضرور لیا چنانچہ اپنی اسی کتاب الترغیب والترہیب میں ایک جگہ حدیث[1]۔

اِزهد فی الدنیا یحبك الله و اِزهد فیما فی ایدی الناس یحبك الناس۔	دنیا میں زہد کی زندگی اختیار کرلو خدا کے محبوب بن جاؤ گے، اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے بے رغبت ہو جاؤ۔
(رواہ ابن ماجۃ عن سہل بن سعد الساعدی)	لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے۔

[1] یہ حدیث مندرجہ ذیل محدثین نے روایت کی ہے:۔ ابن ماجہ، طبرانی، حاکم، بیہقی فی شعب الایمان، عقیلی، ابن عدی، ابن ابی حاتم، خطیب، ابن حبان فی الثقات وفی الضعفاء، ابو عبید القاسم بن سلام فی کتاب المواعظ، ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الدنیا۔

نووی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر حافظ ابن رجب حنبلی نے اس سے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کی حمایت میں حسن لغیرہ کے الفاظ کہے جا سکتے ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح اربعین میں کہے ہیں۔۔۔ مزید تحقیق کے لئے دیکھئے الترغیب ج ۴ صفحہ ۱۵۱، مشکاۃ بغیر المرقاۃ ج ۵ صفحہ ۲۳: جامع صغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۱ صفحہ ۱۸۹، شرح اربعین النوویہ للقاری صفحہ ۱۶۹، جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۰۸

(نوٹ) صاحب مشکوۃ نے اس حدیث میں ترمذی کا حوالہ بھی دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ میرک شاہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔

پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے ایک راوی خالد بن عمرو القرشی الاموی السعیدی کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ متروک و متہم ہے اور میں نے کوئی اس کی توثیق کرنے والا نہیں پایا۔" اور جن بعض مشائخ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فیہ بعد" یعنی یہ بات بعید ہے لیکن اس کے باوجود ان کا نور بصیرت انھیں کچھ اور ہی کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

لکن علی ھذا الحدیث لامعة من انوار النبوة ولا یمنع کون راویہ ضعیفا ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہ[1]

لیکن اس حدیث پر انوار نبوت کی شعاعیں محسوس ہو رہی ہیں اور راوی کے کمزور ہونے سے یہ بات ضروری نہیں ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہی نہ ہو اس لئے کہ راوی کے کمزور ہونے سے تو صرف اتنا معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے ہم تک پہنچنے کا واسطہ کمزور ہے لیکن یہ بات کہ زبان نبوت سے یہ الفاظ نکلے تھے یا نہیں؟ بالکل الگ چیز ہے۔

اس کے بعد مصنف نے ایک دوسری سند[2] سے اس کی متابعت و تائید کی ہے لیکن ہمیں تو اس جگہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس حدیث کی تائید و توثیق کا اصل محرک وہی سخن شناس نور باطن ہے جس نے اس میں ان کو نبوت کی جھلک دکھائی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

حافظ منذری کے اسی زاہدانہ مزاج کا اثر ہے کہ انھوں نے الترغیب والترہیب کے اندر باب الترغیب فی الزھد فی الدنیا والاکتفاء منہا بالقلیل کے تحت ایک سو سترہ روایتیں جمع کی ہیں جب کہ اس کے علاوہ پوری کتاب کے اندر کسی باب میں بھی اتنی روایات نہیں ہیں، ان روایات میں آپ نے مرفوع احادیث بھی لکھی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و معمولات بھی نقل کئے ہیں۔ اور

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۴ صفحہ ۱۵۷، الترغیب فی الزہد فی الدنیا کی حدیث اول

[2] اس حدیث کے طرق اور دیگر متعلقات کے لئے جامع العلوم والحکم کا مطالعہ کرنا چاہیئے صفحہ ۳۰۸

اس کے بعد بھی سیری نہیں ہوئی بلکہ لکھا ہے :-

ولو بسطنا الكلام على سيرة الخلف وزهدهم لكان من ذلك مجلدات لكنه ليس من شرط كتابنا وانما املينا هذه النبذة استطرادا تبركا بذكرهم[1]	اور اگر ہم اسلاف کی سیرت تفصیل سے بیان کریں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں لیکن یہ ہماری کتاب کی شرائط کے موافق نہیں ہے، ہم نے تو یہ کچھ تھوڑا سا محض ضمنی طور پر بغرض تبرک لکھوا دیا ہے۔

وفات حافظ منذری نے فتنۂ تاتار کے سال چار ذیقعدہ سن چھ سو چھپن ہجری (۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۹ء) میں وفات پائی اور مصر میں کوہ مقطم کے دامن میں دفن کئے گئے[2] رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

---

[1] الترغیب ج ۴ صفحہ ۲۲۶، صفحہ ۲۲۷

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۲۲۰، صفحہ ۲۲۱، طبقات الشافعیہ ج ۵ صفحہ ۱۰۸، صفحہ ۱۰۹، مقدمۃ الترغیب للمصنف حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۴۹، شذرات الذہب ج ۵ صفحہ ۲۷۷، صفحہ ۲۷۸، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ صفحہ ۲۱۲، حافظ منذری کے حالات میں جہاں کہیں ہم نے حوالہ نہیں دیا ہے وہاں انہی کتابوں سے ماخوذ سمجھئے اور ان کے علاوہ ہم نے مصنف کے حالات معلوم کرنے کے لئے براہ راست ان کی کتاب الترغیب سے بھی مدد لی ہے۔

الترغیب والترہیب
کا
تعارف

یہ کتاب جس کا اس وقت آپ مقدمہ دیکھ رہے ہیں الترغیب والترہیب مؤلفہ حافظ زکی الدین المنذری کا ترجمہ و تشریح ہے۔ جسے اصل کتاب میں کچھ ترمیم اور کچھ حذف و اضافہ کر کے نئی ترتیب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے جس کے متعلق آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں۔

حافظ منذری نے کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ میرے ایک نیک بخت شاگرد نے مجھ سے یہ تمنا ظاہر کی کہ میں ترغیب و ترہیب کے موضوع پر ایک جامع کتاب املاء کرا دوں جو اسناد و علل کی بحثوں سے خالی ہو اور اپنے موضوع پر حاوی ہو، ان کی درخواست پر مصنف نے استخارہ کیا اور اس کے بعد یہ کتاب املاء کرا دی جس میں صرف وہی حدیثیں جمع کیں جن میں صراحت کے ساتھ ترغیب اور ترہیب —— یعنی نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر سزا و عذاب —— کا مضمون تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بالکل نہیں لئے اور اقوال میں بھی صرف امر یا صرف نہی کی احادیث نہیں لی گئیں بلکہ بہت سی موضوع کے مناسب حدیثوں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ یہ آپ کا صرف فعل ہے قول نہیں[1] یا یہ کہ یہ محض امر یا نہی ہے۔ ترغیب و ترہیب کا مضمون اس میں صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔

مصنف نے احادیث کی سندوں کو حذف کر دیا ہے اور اس کی بجائے کتب حدیث کے

---

[1] مصنف نے اپنا یہ اصول الترغیب فی صلاۃ العشاء میں ج ۱ صفحہ ۲۴۶، اور الترغیب فی کلمات یقولہن حین یاوی الی فراشہ میں ج ۱ صفحہ ۴۲۰، اور اس سے ایک صفحہ بعد صفحہ ۴۲۱، اور اس کے بعد بھی متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔

حوالے دیدیئے ہیں اور سند کا مقصد چونکہ یہی ہوتا ہے کہ اس کے رجال کو دیکھ کر حدیث کی صحت و سقم کا اندازہ ہوجائے اور یہ کام صرف ماہرین فن ہی کرسکتے ہیں اس لئے مصنف نے اس کا نعم البدل یہ اختیار کیا کہ اپنی کتاب کی کل احادیث کی باعتبار درجۂ استناد تین قسمیں کردیں اور تینوں میں سے ہر ایک کی الگ کچھ علامتیں مقرر کردیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

(۱) وہ حدیثیں جن کی سند صحیح یا حسن یا اس کے قریب قریب ہو، ایسی روایات کو وہ لفظ "عن" سے شروع کرتے ہیں اور آخر میں اس پر کچھ کلام نہیں کرتے۔

(۲) وہ حدیثیں جو مرسل یا منقطع یا معضل ہوں یا اس کا کوئی راوی مبہم ہو یا ضعیف ہو مگر بعض ناقدین نے اسے ثقہ کہا ہو یا ثقہ ہو مگر بعض علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہو اور باقی رجال اس کے یا تو ثقات ہوں یا اگر ان پر کلام ہو تو ایسا ہو جو ثبوت میں کچھ مضر نہ ہو، یا وہ حدیثیں ایسی ہوں جو مرفوعاً نقل ہوئی ہوں مگر صحیح ان کا موقوف ہونا ہو، یا متصل نقل ہوئی ہوں مگر حقیقت میں وہ مرسل ہوں یا یہ کہ اس کی سند ہو تو ضعیف لیکن اس کے بعض مخرجین نے اس کو صحیح یا حسن کہا ہو ——— ایسی تمام روایات کو لفظ عن سے شروع کیا ہے اور حدیث کے اخیر میں اس کی سند کا حال اس کا ارسال و انقطاع وغیرہ بیان کردیا ہے۔

(۳) وہ حدیثیں جن کی سندوں میں کوئی راوی ایسا ہو جس کے متعلق کذاب، وضاع، متہم، مجمع علی ترکہ، مجمع علی ضعفہ، ذاہب الحدیث، ہالک، ساقط وغیرہ الفاظ کہے گئے ہوں یا جن احادیث کی سندوں میں تحسین کا کوئی احتمال ہی نہ ہو ——— ایسی تمام روایات کو لفظ "رُوِیَ" سے شروع کرتے ہیں اور ان کی سندوں پر کچھ کلام نہیں کرتے، گویا ضعیف[1] احادیث کی پہچان یہ ہوئی کہ وہ لفظ "روی" سے

---

[1] مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں اس مقام پر لفظ ضعیف ہی اختیار کیا ہے اس لئے ہم نے بھی اسے باقی رکھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیثیں جو مصنف نے لفظ روی سے ذکر کی ہیں ان میں سے بعض تو حد درجہ ضعیف ہیں جو منکر و موضوع کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ایسی تمام روایات کو ایک سرے سے حذف نہ کرتے۔

شروع ہو اور اخیر میں اس کی سند پر کچھ کلام نہ ہو۔

مصنف نے بیان کیا ہے کہ جو روایات متعدد صحابہ کرام سے نقل ہوئی ہیں۔ ان میں کسی ایک دو کا نام ذکر کردیا ہے اسی طرح حوالہ جات میں عموماً چند مآخذ کا ذکر کرکے بقیہ کا تذکرہ قصداً چھوڑ دیا ہے بالخصوص جو روایت بخاری اور مسلم یا ان میں سے کسی ایک سے لی ہے تو اس کے ساتھ کسی اور کتاب کے حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔

جوامع وسنن اور معاجم ومسانید میں اس موضوع کی کوئی حدیث حتی الوسع نہیں چھوڑی ہے سوائے ان روایات کے جن کی سند بہت ضعیف یا موضوع ہو، اس موضوع پر اپنے سے پہلے قلم اٹھانے والوں میں سے خاص طور پر مصنفؒ نے ابو القاسم اصبہانی کی کتاب الترغیب والترہیب کا ذکر کیا ہے کہ میں نے اس کی کوئی حدیث نہیں چھوڑی ہے سوائے ان حدیثوں کے جن کا موضوع ہونا محقق تھا۔

کتاب کے مآخذ

مصنف نے زیادہ تر روایات اپنے بیان کے مطابق ان کتابوں سے لی ہیں :-

(۱) الموطا للامام مالک

(۲) مسند الامام احمد

(۳) صحیح البخاری

(۴) صحیح مسلم

(۵) سنن ابی داؤد

(۶) کتاب المراسیل لابی داؤد

(۷) جامع الترمذی

(۸) السنن الکبری للنسائی

(۹) کتاب الیوم واللیلۃ للنسائی

(۱۰) سنن ابن ماجۃ۔

(۱۱) المعجم الکبیر للطبرانی

(۱۲) المعجم الاوسط للطبرانی

(۱۳) المعجم الصغیر للطبرانی

(۱۴) مسند ابی یعلی الموصلی

(۱۵) مسند ابی بکر البزار

(۱۶) صحیح ابن حبان

(۱۷) المستدرک علی الصحیحین للحاکم

ان کے علاوہ کچھ حدیثیں کہیں کہیں ان مآخذ سے بھی لی گئی ہیں :-

(۱۸) صحیح ابن خزیمہ

(۱۹) ابن ابی الدنیا کی کتابیں۔ جن سے ان کی یہ کتابیں مراد ہیں۔ مکاید الشیطان، کتاب الصمت، کتاب العزلۃ، کتاب الجوع، ذم الغیبۃ، کتاب الاولیاء، اصطناع المعروف، کتاب المرض والکفارات وغیرہ۔

(۲۰) شعب الایمان للبیہقی

(۲۱) کتاب الزہد الکبیر للبیہقی

(۲۲) کتاب الترغیب والترہیب لابی القاسم الاصبہانی

مزید مآخذ

یہ تو وہ مآخذ تھے جن کا ذکر خود مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے لیکن بہت سے مآخذ اور بھی ہیں جن کا مصنف نے ذکر نہیں کیا ہے اور کتاب میں جابجا ان کا حوالہ ہے ہم نے پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی مندرجہ ذیل فہرست[1] مرتب کی ہے :-

---

[1] ابتداء میں اولاً ہم نے اس کا بھی اہتمام کیا تھا کہ ہر مآخذ کی یہ نشاندہی بھی کریں کہ اس کتاب کا حوالہ ترغیب میں کس جگہ ہے اور ہر کتاب کے نام کیساتھ تین تین حدیثیں ان کے باب اور جلد وصفحہ کے ساتھ جمع بھی کر لی تھیں لیکن طوالت کے خوف سے اسے حذف کرتے ہیں اور صرف اسمائے کتب نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۲۳) جامع الاصول — لرزین بن معاویۃ العبدری

(۲۴) الکامل — (لابن عدی)

(۲۵) کتاب الزہد — لعبداللہ بن المبارک

(۲۶) زوائد کتاب الزہد لعبداللہ بن المبارک — مصنفہ حسین بن حسین المروزی

(۲۷) کتاب البر — لعبداللہ بن المبارک

(۲۸) کتاب الصلوٰۃ — لمحمد بن نصر المروزی

(۲۹) کتاب الصلوٰۃ — لابن حبان صاحب الصحیح

(۳۰) کتاب الصلوٰۃ — لابن ابی عاصم

(۳۱) التاریخ — للامام البخاری

(۳۲) تاریخ مصر — لابن یونس

(۳۳) کتاب الضعفاء — للامام البخاری

(۳۴) کتاب الضعفاء — لابن حبان صاحب الصحیح

(۳۵) عمل الیوم واللیلۃ — لابن السنی

(۳۶) مسند الفردوس — لابی منصور الدیلمی

(۳۷) زوائد المسند[1] — لعبداللہ بن الامام احمد

(۳۸) کتاب السنۃ — لابن ابی عاصم

(۳۹) کتاب العلم — لابی عمرو ابن عبد البر النمری

(۴۰) حلیۃ الاولیاء — لابی نعیم الاصبہانی

---

[1] یہ زوائد بھی اگرچہ مسند احمد ہی کا جزء ہے اور عموماً ایک ہی سمجھی جاتی ہے لیکن مصنف نے اس کے حوالے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے دیے ہیں اس لئے ہم نے بھی اسے ایک الگ ماخذ قرار دیا ہے۔

(۴۱) کتاب الثواب	لابی الشیخ ابن حیان[1]
(۴۲) المصنف	لابی بکر بن ابی شیبۃ
(۴۳) المصنف[2]	لعبد الرزاق
(۴۴) السنن	للدارقطنی
(۴۵) السنن	للدارمی
(۴۶) کتاب الاربعین[3] (فی التصوف)	لابی عبد الرحمن السلمی
(۴۷) معرفۃ الصحابہ[4]	لابی نعیم الاصبہانی
(۴۸) کتاب السواک[5]	لابی نعیم الاصبہانی
(۴۹) کتاب القاسم بن اصبغ[6]	

[1] ترغیب کے متعدد نسخوں میں یہ نام غلطی سے ابن حبان آیا ہے اور اس کثرت سے یہ غلطی آئی ہے کہ حیرت ہوتی ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے تذکرہ محدثین میں مذکور ہوگی۔

[2] خوشی کی بات ہے کہ یہ کتاب استاد محترم مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی تحقیق و تعلیقات کے ساتھ عنقریب بیروت سے شائع ہونے والی ہے۔

[3] اس سے صرف ایک حدیث لی گئی ہے، الترغیب فی العلم حدیث ۲۲ عن ابی ہریرۃ ج ۱ صفحہ ۱۰۳

[4] اس سے بھی ایک ہی روایت لی ہے، الترغیب فی صلوٰۃ العشاء والصبح حدیث ۱۳ عن میثم ج ۱ صفحہ ۲۷۱

[5] اس سے بھی الترغیب فی السواک کے اخیر میں صرف دو حدیثیں عن ابن عباس، عن جابر نقل کی گئی ہیں ج ۱ صفحہ ۱۶۸ اس کے علاوہ اور کہیں اس کا حوالہ نہیں ہے۔

[6] اس کا حوالہ بھی صرف ایک ہی جگہ ہے الترہیب من ترک حضور الجماعۃ لغیر عذر کی پہلی حدیث عن ابن عباس ج ۱ صفحہ ۲۸۲

(۵۰) التمہید[1]	لابن عبد البر النمری ؒ
(۵۱) ابن جریر الطبری ؒ	(کتاب کا نام مذکور نہیں ہے)
(۵۲) ابو حفص عمر بن شاہین ؒ[2]	(کتاب کا نام مذکور نہیں ہے)
(۵۳) ہبۃ اللہ الطبری ؒ[3]	(کتاب کا نام مذکور نہیں ہے)
(۵۴) کتاب الایمان[4]	لابی بکر بن ابی شیبہ ؒ
(۵۵) مکارم الاخلاق[5]	للخرائطی ؒ
(۵۶) تفسیر القرآن[6]	لابی بکر بن مردویہ ؒ

[1] اس سے کبھی الترہیب من المرور بین یدی المصلی ج ۱ صفحہ ۲۷۸ کی صرف آخری ایک حدیث عن عبد اللہ بن عمرو موقوفاً نقل کی ہے۔

[2] کتاب کا نام اگرچہ نہیں لکھا ہے لیکن بظاہر ان کی ترغیب و ترہیب سے لی ہوں گی جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، ان سے صرف دو جگہ استفادہ کیا ہے۔ ایک الترغیب فی الاذان کی پندرہویں حدیث عن ابن ابی اوفی میں حوالہ ہے ج ۱ صفحہ ۱۷۸، اور الترغیب فی اکثار الصلوٰۃ علی النبی کی حدیث ۲۲ عن انس ؓ اسی سے لی ہے۔

[3] ان سے الترہیب من ترک الصلوٰۃ تعمداً کی صرف پانچویں حدیث عن ثوبان ج ۱ صفحہ ۳۷۹ لی ہے۔

[4] اس کا بھی ہماری معلومات میں صرف ایک جگہ حوالہ دیا ہے۔ الترہیب من ترک الصلوٰۃ تعمداً کی بیسویں حدیث عن علی ؓ ج ۱ صفحہ ۳۸۵

[5] منذری نے اپنی کتاب میں خرائطی کا حوالہ پانچ جگہ دیا ہے لیکن کتاب کا نام صرف آخری جگہ الترہیب من اذی الجار کی بیسویں حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ج ۳ صفحہ ۳۵۷ پر ذکر کیا ہے۔

[6] الترغیب فی قراۃ سورۃ الکہف کی ــــ دوسری حدیث عن ابن عمر ؓ ج ۱ صفحہ ۵۱۳ اس سے لی گئی ہے اور غالباً کہیں اور اس کا حوالہ نہیں ہے۔

(۵۷) تفسیر القرآن[1]	لآدم بن ابی ایاس
(۵۸) تفسیر القرآن[2]	لاسحٰق بن راہویہ
(۵۹) شرح السنۃ[3]	للبغوی
(۶۰) کتاب التوبیخ	لابی الشیخ ابن حیان
(۶۱) السنن[4]	لابی داؤد الطیالسی

[1] ہماری تلاش کی رو سے اس سے صرف دو حدیثیں ماخوذ ہیں۔

(۱) الترغیب فی قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی آخری حدیث عن محمد بن اسحٰق ج ۲ صفحہ ۴۴۵ و صفحہ ۴۴۶ پر

(۲) الترہیب من النار کی حدیث ۲۷ عن ابن عباس ج ۴ صفحہ ۴۶۳ و صفحہ ۴۶۴۔

[2] اس کا بھی ہماری نظر میں صرف دو جگہ حوالہ ہے:۔

(۱) الترغیب فی کفالۃ الیتیم کی اٹھارویں حدیث عن انس ج ۳ صفحہ ۳۵۰

(۲) الترغیب فی الفقر کی حدیث ۲۷ عن انس ج ۴ صفحہ ۱۴۴ و صفحہ ۱۴۵۔

[3] اس کا حوالہ صرف تین جگہ ہے۔

(۱) الترغیب فی التیسیر علی المعسر کی سولہویں حدیث عن ابی قتادہ ج ۲ صفحہ ۴۶ ——— اسی سے ماخوذ ہے۔

(۲) الترغیب فی غسل الید قبل الطعام کی چوتھی حدیث عن ابی ہریرۃ میں ج ۳ صفحہ ۱۵۱ تا صفحہ ۱۵۲ پر اس کا حوالہ ہے۔

(۳) الترہیب من الربا کی بارہویں حدیث عن عبداللہ بن سلام میں ج ۳ صفحہ ۶ پر اگرچہ شرح السنۃ کا نام نہیں ہے لیکن بغوی کا حوالہ ہے جس سے بظاہر ان کی یہی کتاب مراد ہے۔

[4] اس کا حوالہ صرف دو جگہ ملا۔

(۱) ترہیب الصائم من الغیبۃ والفحش کی آخری حدیث عن عبید میں ج ۲ صفحہ ۱۴۰ و صفحہ ۱۴۱ پر

(۲) الترہیب من الغیبۃ کی پندرہویں حدیث عن انس میں ج ۳ صفحہ ۵۰۷ پر

(۶۲) فضائل رمضان[1]	لابی حفص ابن شاہین
(۶۳) کتاب الضحایا[2]	لابی الشیخ ابن حیان
(۶۴) کتاب الشمائل[3]	للامام الترمذی
(۶۵) کتاب البعث والنشور[4]	للبیہقی
(۶۶) الفریابی[5]	(صرف مصنف کا نام ہے کتاب کا نام درج نہیں)
(۶۷) الصحیح[6]	لابی عوانۃ
(۶۸) المستخرج[7]	للبرقانی

[1] اس سے صرف ایک حدیث لی گئی ہے۔ الترغیب فی صدقۃ الفطر کی تیسری حدیث عن جریر ج ۲ صفحہ ۱۵۱ اور ۱۵۲ پر

[2] اس کا حوالہ صرف ایک جگہ الترغیب فی الاضحیۃ کی تیسری حدیث عن ابی سعید الخدری میں ج ۲ صفحہ ۱۵۴ پر ہے۔

[3] اس سے بھی صرف ایک ہی حدیث لی گئی ہے۔ الترغیب فی التواضع فی الحج کی پہلی حدیث عن انس ج ۲ صفحہ ۱۸۳

[4] اس کتاب سے جلد دوم میں ایک اور جلد سوئم میں دو حدیثیں ہیں اور اس کے بعد الترہیب من النار کی فصل فی شدۃ حرہا وغیر ذلک کی اکثر روایات اسی سے ماخوذ ہیں۔

[5] اس کا حوالہ صرف ایک جگہ الترغیب فی التسبیح والتکبیر الخ کی آٹھویں حدیث عن ابی امامۃ میں ج ۲ صفحہ ۲۲۴ پر ہے۔

[6] اس کا حوالہ دو جگہ ہے:-

(۱) الترغیب فی الاقتصاد فی طلب الرزق کی حدیث ۱۲ عن سعد بن ابی وقاص میں ج ۲ صفحہ ۵۲۴ پر

(۲) الترغیب فی الزہد فی الدنیا کی دسویں حدیث عن سعد بن ابی وقاص میں ج ۴ صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۶۱ پر۔

[7] اس کا حوالہ صرف ایک جگہ الترغیب فی التواضع کی تیرہویں حدیث عن ابی سعید و ابی ہریرۃ میں ج ۳ صفحہ ۵۶۲ پر ہے۔

(۶۹) کتاب العلل[1]	للدارقطنی
(۷۰) الادب المفرد[2]	للامام البخاری
(۷۱) صفۃ الجنۃ[3]	لابی نعیم الاصبہانی
(۷۲) کتاب الرؤیۃ[4]	للبیہقی

یہ تمام نام ان کتابوں کے ہیں جن کا ذکر لبطور ماٰخذِ حدیث آیا ہے۔ اس فہرست ماٰخذ میں وہ کتابیں شامل نہیں ہیں جن کا ذکر مصنف نے کسی حدیث پر کلام کرنے کے دوران یا کسی مسئلہ فقہیہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کیا ہے۔

[1] اس کا حوالہ بھی صرف ایک ہی جگہ ہے۔ الترغیب فی الصدق کی بائیسویں حدیث عن سعد بن ابی وقاص ج ۳ صفحہ ۵۹۵

[2] اس کا حوالہ صرف ایک جگہ الترغیب فی اماطۃ الاذی عن الطریق کی نویں حدیث عن المستنیر بن اخضر بن معاویہ عن ابیہ میں ج ۳ صفحہ ۶۱۸ پر دیا گیا ہے۔

[3] اس کے حوالے سے صرف چوتھی جلد میں الترغیب فی الجنۃ ونعیمہا میں تین حدیثیں لی ہیں۔

(۱) حدیث ۲۲ عن ابی ہریرۃ ج ۴ صفحہ ۵۲۳ پر اور

(۲) حدیث ۷۰ عن ابن ابی اوفیٰ ج ۴ صفحہ ۵۳۸ پر اور

(۳) حدیث ۱۲۱ عن علی ج ۴ صفحہ ۵۴۵ وصفحہ ۵۴۶ پر

[4] اس کا حوالہ صرف ایک جگہ الترغیب فی الجنۃ ونعیمہا کی حدیث ۱۲۸ عن جابر میں ج ۴ صفحہ ۵۵۲ وصفحہ ۵۵۳ پر ہے۔

اہل علم کی طرف سے کتاب کی خدمات

اب سے چند صدی پہلے تک کسی کتاب کی مقبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ اس پر زیادہ سے زیادہ شروح وحواشی اور تلخیصات ہوں ـــــ درسی اور غیر درسی تمام کتابوں میں آپ دیکھیں گے جو کتابیں ہمیشہ علماء وطلباء کی توجہ کا مرکز رہی ہیں. عموماً سب سے زیادہ شروح انھیں پر لکھی گئی ہیں جس کی عمدہ مثال شیخ جمال الدین ابن حاجب کی کتاب کافیہ اور شیخ شرف الدین البوصیری کا قصیدہ بردہ وغیرہ ہیں، کشف الظنون میں کئی کئی صفحات میں ان کی شروح وحواشی کی فہرست دی گئی ہے[1]۔

الترغیب والترہیب اگرچہ کوئی دقیق فنی کتاب نہ تھی جس کے سمجھنے کے لئے شروح وحواشی ناگزیر ہوں لیکن اس کے باوجود بہت سے حضرات نے اس پر کام کیا اور اس کے بھی متعدد شروح وحواشی لکھے گئے. ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس پر کئے ہوئے کاموں کا تعارف کراتے ہیں۔

(۱) تلخیصات

۱۔ اس کتاب کی ایک تلخیص شیخ الاسلام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے کی ہے جو اصل کے مقابلہ میں تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اس تلخیص میں حافظ العسقلانی نے ضعیف احادیث حذف کردی ہیں اور صحیح احادیث میں بھی جو ایک ہی مفہوم کی یا قریب قریب مضمون کی متعدد روایات تھیں ان میں سے صرف ایک دو روایتیں لے کر باقی حذف کردی ہیں اور سند کے رجال پر مصنف نے جو کلام کیا تھا صرف ایک دو جملوں میں اس کو ذکر کیا ہے، اس طرح اس تلخیص میں اصل کتاب کی پانچ ہزار سات سو

---

[1] کافیہ کے لئے دیکھئے کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۴۹ تا صفحہ ۲۵۴، اور قصیدہ بردہ کے لئے دیکھئے ج ۲ صفحہ ۲۲۵ تا صفحہ ۲۲۸

بچا نوے احادیث میں سے کل آٹھ سو پچپن[1] حدیثیں رہ گئیں۔

یہ کتاب منتظمین ادارہ احیاء المعارف (مالیگاؤں) اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور ان کے رفقاء کی کاوشوں کی بدولت بفضل اللہ تعالیٰ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں بنام انتقاء الترغیب والترھیب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، مولانا موصوف نے اس کے متعدد قلمی نسخوں[2] کی مدد سے اور اصل الترغیب للمنذری سے مراجعت کر کے اس کا مکمل نسخہ تیار کیا اور مختصر تعلیقات کے ساتھ شائع کر کے اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ فجزاھم اللہ خیرا۔

صاحب کشف الظنون نے حافظ منذری کی الترغیب کا تعارف کراتے ہوئے اس تلخیص کا ذکر کیا ہے[3]۔

۲- اس کا دوسرا انتخاب شیخ مصطفیٰ بن محمد عمارہ نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ خاص توجہ کے ساتھ ۱۳۴۹ھ سے شروع کیا۔

---

[1] ادارہ احیاء المعارف کے شائع کردہ نسخے میں اس تلخیص کی آخری حدیث کا نمبر ۸۵۵ ہے یہاں اس تلخیص کی کل حدیثوں کی تعداد اسی پر اعتماد کرتے ہوئے لکھی گئی ہے۔

[2] اس کی طباعت کے وقت حضرت مولانا اعظمی کے علم میں اس کتاب کے صرف تین نسخے تھے ایک بہرائچ کا دوسرا ندوۃ العلماء لکھنؤ کا اور تیسرا دار العلوم دیوبند کا۔ لیکن اس کا ایک اور چوتھا نسخہ جس کا بہت کم لوگوں کو علم ہے، کاندھلہ (ضلع مظفر نگر یوپی) میں محترم مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب کے یہاں بھی ہے جو شوال ۱۲۳۶ھ میں لکھا گیا ہے اس کا اکثر حصہ میاں محمد بخش کے قلم سے ہے اور چند اوراق محمد حسین، محمد خورشید اور عبد الحق کے قلم سے ہیں تعداد صفحات ۱۰۵

[3] کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۸۱، محترم مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی استاد حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) نے ۱۳۸۰ھ میں اس تلخیص کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ حامل متن ہے۔ ترجمہ کے ساتھ مختصر تشریح بھی ہے۔ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

واخرجت مختارات تزيد عن الفين[1]	العدمیں نے اس میں سے کچھ حدیثیں منتخب کیں جن کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔

شیخ مصطفیٰ بن محمد عمارہ نے حاشیۂ ترغیب کا مقدمہ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق مارچ ۱۹۳۴ء میں لکھا ہے اور اس مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں کہ "لما تطبع" یعنی ابھی تک اس انتخاب کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ حدیثوں کی تعداد کے پیش نظر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انتخاب حافظ ابن حجر کے مذکورہ بالا انتخاب کے مقابلہ میں بہت ضخیم ہوگا۔

(۲) ضمیمے

علامہ شہاب الدین احمد بن ابی بکر بن اسماعیل بن سلیم بن قایماز بن عثمان بن عمر الکنانی البوصیری[2] القاہری الشافعی نے پہلے مندرجہ ذیل دس کتابوں کی وہ تمام روایتیں ایک کتاب میں جمع کیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں اور اس کا نام رکھا "اتحاف الخیرۃ بزوائد المسانید العشرۃ علی الکتب الستۃ"[3]

وہ دس کتابیں جو اتحاف الخیرۃ میں جمع کی گئی ہیں یہ ہیں :-

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسی ؒ	(۲) مسند مسدد ؒ
(۳) مسند الحمیدی ؒ	(۴) مسند العدنی ؒ
(۵) مسند اسحٰق بن راہویہ ؒ	(۶) مسند احمد بن منیع ؒ

---

[1] مقدمہ حاشیۃ الترغیب ج ۱ صفحہ م از شیخ مصطفیٰ بن محمد عمارہ

[2] یہ "بوصیری" صاحب قصیدہ بردہ کے علاوہ ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ کا نام ہے۔ محمد بن سعید بن حماد شرف الدین ابو عبداللہ الدلاصی البوصیری المتوفی ۶۹۵ھ ــــ کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۲۵ میں متوفی ۶۹۴ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

[3] الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۳۹ وصفحہ ۱۴۰ میں اس کا نام ذرا فرق سے "اتحاف السادۃ المهرۃ الخیرۃ بزوائد المسانید العشرۃ" بتایا گیا ہے۔

(۷) مسند ابن ابی شیبہؒ　　　(۸) مسند عبد بن حمیدؒ

(۹) مسند الحارث بن محمد بن ابی اسامۃؒ　　　(۱۰) مسند ابی یعلی الموصلیؒ

یہ کتاب اتحاف الخیرۃ مصابیح کے طرز پر لکھی گئی ہے اور سو عنوانات پر مشتمل ہے کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے :۔ الحمد للہ الذی لاتنفد خزائنہ الخ پھر مصنف نے اتحاف الخیرۃ اور مسند الفردوس للدیلمی سے انتخاب کر کے ایک اور مجموعہ تیار کیا۔ تحفۃ الحبیب للحبیب بالزوائد فی الترغیب والترہیب لیکن عمر نے وفا نہ کی اور اس کی تبییض و تہذیب کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے نے اسے صاف کیا اور اس میں بہت کچھ کمی بیشی کر ڈالی اور بہت سی بے اصل حدیثیں بھی اس میں شامل کر دیں۔

شہاب الدین البوصیری محرم کے دوسرے عشرے میں سن سات سو باسٹھ ہجری (۷۶۲ھ) میں بوصیر میں پیدا ہوئے وہیں قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید کی مشق کی پھر اپنے والد کے ساتھ قاہرہ منتقل ہو گئے، اور النور الادمی سے فقہ اور البدر القدسی الحنفی سے علم نحو حاصل کیا۔ شیخ عز الدین بن جماعۃ کی مجالسِ درس میں شریک ہوئے اور علوم منقولہ و معقولہ میں خوب استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ التقی بن حاکم، التنوخی، البلقینی، العراقی اور الہیثمی سے بھی استفادہ کیا۔ حافظ عراقی کے صاحبزادے ولی عراقی کی صحبت بھی پائی اور بہت سے مشائخ حدیث سے استفادہ کیا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی طویل صحبت پائی اور اخیر تک ان کے ساتھ رہے۔ آپ کی چند اور کتابیں یہ ہیں۔

(۱) "مصباح الزجاجۃ فی زوائد سنن ابن ماجۃ علی باقی الکتب الخمسۃ[1]" اس میں احادیث کی سندوں پر بھی کلام کیا ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے۔

(۲) "فوائد المنتقی بزوائد البیہقی فی سننہ الکبری علی الکتب الستۃ" یہ کتاب دو یا

---

[1] شذرات الذہب میں اس جگہ بجائے "الکتب الخمسۃ" کے "الکتب الستۃ" ہے لیکن الخمسۃ ہی صحیح ہے۔ کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۸ پر اس کتاب کے نام میں الخمسۃ ہی ہے۔

تین جلدوں میں ہے۔[1]

(۳) "خصال تمہل قبل الفوت فیمن یجری علیہ بعد الموت" یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔

(۴) ایک رسالہ میں وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن میں پچھنا لگوانے کے متعلق ہدایات ہیں ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے فضلاء ہیں جن میں سے سخاوی نے صرف ابن فضلا کا نام لکھا ہے۔ زندگی بھر فن حدیث میں انہماک و اشتغال رہا۔ آپ نے بروز اتوار دوپہر بوقت زوال ستائیس محرم سن آٹھ سو چالیس ہجری (۸۴۰ھ) کو قاہرہ میں وفات پائی۔[2]

(۳) شروح

۱۔ اس کی ایک شرح الامام العلامہ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن محمود بن بدر الحلبی الدمشقی القبیباتی الشافعی المعروف بالناجی نے لکھی ہے۔ یہ ربیع الاول یا ربیع الثانی سن آٹھ سو دس ہجری (۸۱۰ھ) میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن ناصر الدین، الفخر عثمان بن الصلف وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے بہت مختصر اور اہل قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جضیری نے ان کے لئے شیخ، عالم، فاضل، محدث، محرر، متقن، معتمد کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کی زبان وقلم نے دین وعلم کی بہت خدمت کی ہے۔ علامہ سخاوی اور صاحب کشف الظنون نے ان کی شرح الترغیب کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] الضوء اللامع میں تردد کے ساتھ ہی بیان کیا ہے۔

[2] الضوء اللامع ج ۱ صفحہ ۲۵۱ وصفحہ ۲۵۲، شذرات الذہب ج ۷ صفحہ ۲۲۳ وصفحہ ۲۲۴ ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی صفحہ ۲۷۹ وصفحہ ۳۸۰، کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۴۷، ج ۲ صفحہ ۸ حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۵۲، الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۳۹

[3] کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۸۱، الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۴۸، شذرات الذہب ج ۷، صفحہ ۳۶۵۔ الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۶۶

برہان ناجی کی وفات سن نو سو ہجری (۹۰۰ ھ) میں دمشق میں ہوئی۔ مؤرخ ابن العماد کے قول کے مطابق انھوں نے نوے سال سے زیادہ عمر پائی لیکن حافظ سخاوی نے جو ان کا سن ولادت بیان کیا ہے اس کی رو سے ان کی عمر پوری نوے سال ہوتی ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ ابن العماد کو ان کا سن ولادت نہیں معلوم ہو سکا ہے اور یا پھر یوں کہیئے کہ نوے سال سے چند ماہ[1] زائد مراد لئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ شیخ برہان الدین الناجی حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ اور حافظ شمس الدین سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ کے ہم عصر ہیں۔ علامہ سیوطی سے ان کی مراسلت بھی ہوئی ہے، سیوطی کا ایک ایک رسالہ "الدرۃ التاجیۃ علی الأسئلۃ الناجیۃ"[2] انہی کے ایک طویل سوالنامے کا مفصل جواب ہے جس کا نام بھی سیوطی نے انہی کے نام پر رکھا ہے، ہم نے برہان الناجی کے اس سوال اور سیوطی کے اس رسالہ کا مطالعہ کیا ہے، جواب کے دوران سیوطی نے برہان ناجی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہیں کہیں ان پر تنقید بھی کی ہے۔ جیسا کہ رسالۂ مذکور کی اکیسویں حدیث کے تحت ہے اور رسالہ کا نام ہی خود الیسا ہے کہ تنقید کی سمتی ــ اس سے صاف جھلک رہی ہے۔

حافظ شمس الدین السخاوی اور یہ آپس میں ایک دوسرے سے متعارف تو تھے لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے :۔

وھو الآن من الأحیاء[3]۔ یہ اس وقت تک بقید حیات ہیں۔

---

[1] ہمیں ان کی وفات کا مہینہ معلوم نہیں ہو سکا ورنہ ا س کا تعین ہو جاتا۔

[2] اس رسالہ کا ذکر کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۷۴۸ میں بھی ہے ۔ حافظ سیوطی کے فتاوی "الحاوی" میں شامل ہو کر یہ رسالہ مصر سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ الحاوی جلد دوم صفحہ ۲۰۰ تا صفحہ ۲۰۸

[3] الضوء اللامع ج ۱ صفحہ ۱٦٦

۲۔ ایک شرح فاضل فیومی کی بھی الرسالۃ المستطرفۃ میں بتائی گئی ہے۔ اس شرح کا قلمی نسخہ جامع قرویین (فاس) میں موجود ہے۔[1]

۳۔ اس کی ایک شرح شیخ محمد حیات بن ابراہیم سندھی نے بھی لکھی ہے۔ آپ قوم "جاچڑ" سے تعلق رکھتے تھے۔ عادل پور ضلع سکھر (سندھ) کے باشندے تھے۔ پیدائش اپنے آبائی وطن میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت ہوئی بعد میں حجاز مقدس تشریف لے گئے وہاں شیخ ابوالحسن کبیر سندھی، شیخ عبداللہ بن سالم بصری، شیخ ابوطاہر کورانی اور شیخ حسین عجمی جیسے فضلاء سے علم حاصل کیا۔ شیخ ابوالحسن سندھی کی وفات کے بعد چوبیس سال[2] تک ان کی مسند پر حدیث شریف کا درس دیا۔

آپ کے تلامذہ میں شیخ عبدالقادر کوکبانی، شیخ محمد سویدی، شیخ ابوالحسن بن محمد صادق صغیر سندھی[3]،

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۴۸، ہمیں اس شرح کے متعلق اس سے زائد معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ (مرتب)

[2] ایک فاضل مضمون نگار نے شیخ محمد حیات سندھی کے حالات میں یہاں بجائے چوبیس کے چونتیس لکھا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ شیخ ابوالحسن (کبیر) سندھی کی وفات ۱۱۳۸ھ میں ہوئی ہے اور شیخ محمد حیات کی وفات صفر ۱۱۶۳ھ میں ہے اس لحاظ سے شیخ محمد حیات کو شیخ ابوالحسن کے بعد کل چوبیس سال درس ملے لہٰذا نزہۃ الخواطر وغیرہ کا یہ بیان ہی درست ہے کہ جلس مجلس شیخہ محمد بن عبد الهادی السندی بعد وفاتہ اربعا وعشرین سنۃ (نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۰۱)

[3] یاد رکھنا چاہیئے کہ "ابوالحسن سندھی" نام کے دو بزرگ ہیں اور دونوں ہی جلیل القدر محدث اور صاحب تصانیف ہیں اول شیخ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبد الہادی السندی المتوفی ۱۱۳۸ھ صحاح ستہ اور مسند احمد پر جو حواشی ہیں وہ انہی کے ہیں اور یہ شیخ محمد حیات کے استاد ہیں۔ دوسرے شیخ ابوالحسن بن محمد صادق السندی المتوفی ۱۱۸۷ھ انھوں نے جامع الاصول کی شرح لکھی ہے اور یہ ابوالحسن صغیر کے نام سے مشہور تھے تاکہ مذکورہ بالا ابوالحسن کبیر سے امتیاز ہو جائے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۶ صفحہ ۳۰۱ و ج ۶ صفحہ ۵، مقدمۃ لامع الدراری صفحہ ۴۴۶ و صفحہ ۴۴ (طبع ثالث ٹائپ) ماتمس الیہ الحاجۃ صفحہ ۵۳۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی اور مولانا محمد فاخر الہ آبادی جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔

آپ کی تصانیف میں (۱) الترغیب والترہیب کی شرح دو ضخیم جلدوں میں (۲،۳) علامہ نووی اور ملا علی قاری کی کتاب الاربعین کی شرحیں (۴) الایقاف علی اسباب الاختلاف (۵) ایک رسالہ قبروں سے متعلق غلط رسم ورواج کی تردید میں (۶) ایک رسالہ احادیث نبویہ پر عمل کرنے کی اہمیت اور طریق مسنون کی حفاظت کے سلسلہ میں لکھا جس کا نام ہے تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام — اور ان کے علاوہ متعدد رسائل لکھے ہیں۔

شیخ عبد القادر کوکبانی لکھتے ہیں کہ میں ایک طویل مدت آپ کی خدمت میں رہا ہوں لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے خلافِ سنت کوئی کام کیا ہو۔

آپ نے بدھ کے دن چھبیس صفر سن گیارہ سو ترسٹھ ہجری (۱۱۶۳ھ) میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن کئے گئے۔[۱]

۴۔ اس کی ایک شرح "فتح القریب شرح الترغیب والترہیب" کا تذکرہ مشہور مفسر وواعظ شیخ اسماعیل حقی المتوفی ۱۱۳۷ھ نے اپنی تفسیر روح البیان میں سورہ توبہ کے آخر میں بطور حوالہ کیا ہے۔[۲] لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مذکورہ شروح ہی میں سے کسی شرح کا نام ہے یا کوئی اور شرح ہے۔ واللہ اعلم —

(۴) حواشی

اس کتاب پر ہماری معلومات میں صرف ایک حاشیہ شیخ مصطفیٰ بن محمد عمارہ نے لکھا ہے جو بنام "الفتح الجدید فی شرح جواہر احادیث الترغیب والترہیب" مصر سے کتاب کے ساتھ ایک سے زائد بار

---

[۱] فہرس الفہارس ج ۱ صفحہ ۳۶۴ سبحۃ المرجان صفحہ ۹۵ و ۹۶ ، ابجد العلوم صفحہ ۸۴۹ ، الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۴۸ ونزہۃ الخواطر ج ۶ صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲

[۲] تفسیر روح البیان ج ۳ صفحہ ۵۴۸ (طبعۃ العثمانیۃ المطبوعۃ فی استنبول سنہ ۱۳۳۰ھ)

شائع ہو چکا ہے۔ یہ حاشیہ بہت مبسوط ہے کہیں کہیں تو کئی کئی صفحات صرف حاشیہ کے ہیں۔ اس میں محشی نے اکثر بابوں میں آیاتِ قرآنی بھی جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور باب کے آخر میں عموماً فقہ ابابؒ کے عنوان سے پورے باب کا خلاصہ بیان کرتے ہیں، علماء کی رائیں بھی موقع بموقع لکھتے ہیں صوفیاء کے اقوال اور شعراء کے کلام سے بھی مدد لیتے ہیں کہیں کہیں جدید مسائل پر بھی اظہار خیال کیا ہے حل لغات کا خاص اہتمام کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اس حاشیہ کا انداز وعظ و تذکیر کا ہے اور کتاب کے موضوع کے لحاظ سے یہی مناسب بھی ہے، لیکن حدیثی تحقیقات کے لحاظ سے اس کا دامن بالکل خالی ہے۔ اس حاشیہ کی ضخامت تقریباً اصل کتاب کے برابر ہے، اس حاشیہ کی تکمیل بروز دوشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ کو ہوئی ہے۔

(۵) ترجمے

اس کتاب کے ترجمے کے سلسلے میں متعدد کوششیں ہوئی ہیں جن میں سے اکثر ادھوری رہیں لیکن بعض پوری بھی ہوئی ہیں۔ پھر ان میں سے بعض تراجم تو کتابی شکل میں شائع ہوئے اور بعض صرف ماہانہ رسائل ہی میں بالاقساط شائع ہوئے اور نایاب ہو گئے ہم اختصار کے ساتھ ان کا تعارف کراتے ہیں۔

۱۔ الترغیب والترہیب کا ایک ترجمہ "تبشیر و تنذیر" ہے جو مولوی مرزا محمد بیگ صاحب کے قلم سے ہے یہ ترجمہ مترجم کے بھائی محمد یعقوب بیگ صاحب مدیر رسالہ کاشف العلوم نے مطبع النوری

دہلی سے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں شائع کیا۔ یہ ترجمہ بامحاورہ ہے تشریحی فوائد بالکل نہیں ہیں، ایک کالم میں اصل کتاب کا بعینہٖ متن ہے اور دوسرے کالم میں ترجمہ ہے، سائز بڑا (۲۰×۳۰/۸)۔ ہماری نظر سے اس کے ابتدائی تین حصے گذرے ہیں جن میں کتاب الصلوٰۃ کے کچھ حصے تک کا ترجمہ آیا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے اور بعض صاحب مطالعہ احباب نے اس کی تائید بھی کی کہ یہ ترجمہ کتاب کے کچھ ہی حصہ کا ہے۔ پورا نہیں ہے۔

۲۔ "الترغیب والترہیب" کا دوسرا ترجمہ ماہنامہ الہادی میں بالاقساط کئی سال تک شائع ہوا ہے، یہ ماہنامہ دہلی سے محمد عثمان خاں صاحب مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی کے زیر ادارت تقسیم ہند سے پہلے نکلتا تھا جس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو عام کرنا بھی تھا اور مدیر صاحب بھی حضرت تھانوی کے متسبین میں سے تھے۔

یہ ترجمہ متعدد حضرات کا کیا ہوا ہے، الہادی کی جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ سے محرم ۱۳۵۰ھ تک کے وسائل ہماری نظر سے گذرے ہیں اس میں آغاز کتاب سے کتاب النکاح کے ختم تک کا ترجمہ آگیا ہے۔

مترجم اول :- کتاب کے شروع سے کتاب الصدقات کے ختم تک کا ترجمہ مولانا محمد اسحاق بن عبداللہ میرٹھی نے کیا ہے جو الہادی کے جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ سے صفر ۱۳۴۵ھ تک کے شماروں میں شائع ہوا اور اتنے حصے کا نام ہے "التادیب والتہذیب" مترجم نے اس ترجمہ کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں بعض روایات جو زیادہ ضعیف تھیں حذف بھی کر دی گئی ہیں"[1] مترجم نے اس میں تشریحی نوٹ بھی کہیں کہیں دیئے ہیں اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے توسین میں چند الفاظ کا اضافہ کر کے عبارت کی وضاحت کر دی ہے۔

مترجم دوم :- پھر یہاں سے آگے اس ترجمہ کا نام الانوار المحمدیۃ رکھا گیا ہے اور ہر بڑا عنوان الگ الگ ناموں سے کتابی شکل کے ٹائیٹل کے ساتھ "الہادی" میں شائع ہوا مثلاً انوار العلوم،

---

[1] خلاصہ عبارت۔ ماہنامہ الہادی بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ء صفحہ ۴

الزواجر، انوار الجہاد وغیرہ۔ کتاب الصوم سے یہ ترجمہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی[سلہ] نے شروع کیا ہے جو الہادی کے ماہ رمضان ۱۳۴۹ھ سے شعبان ۱۳۵۰ھ تک کے شماروں میں بالاقساط شائع ہوا۔ مولانا موصوف نے یہ ترجمہ انوار الدعاء کے اخیر تک کیا ہے ترجمہ بامحاورہ ہے اور سابقہ ترجمہ کی بہ نسبت اس میں تشریحات بھی زیادہ ہیں۔

مترجم سوئم :۔ اس کے بعد کتاب البیوع سے بنام "انوار البیوع" ـــــ مولانا محمد صابر صاحب امروہوی کے قلم سے ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ہیں۔ ان کا ترجمہ جو ہماری نظر سے گذرا ہے وہ کتاب البیوع اور کتاب النکاح کا ہے جو الہادی بابت شعبان ۱۳۵۰ھ سے محرم ۱۳۶۰ھ تک کے شماروں میں شائع ہوا ہے ـــ یہ ترجمہ بھی تقریباً بامحاورہ ہی ہے تشریحی نوٹ بھی ہیں اور بعض بعض جگہ خاصے طویل نوٹ ہیں۔ مولانا محمد صابر صاحب آج کل کراچی (پاکستان) میں مقیم ہیں۔

۳۔ "بشیر و نذیر" یہ ترجمہ حامل متن نہیں اور نہ پوری کتاب کا ترجمہ ہے بلکہ کتاب کا اختصار کر کے ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کی زبان جنوبی ہند کی اردو زبان ہے، اس لئے کہ مترجم نے دراصل یہ ترجمہ جنوبی ہند کی مسلم طالبات کے لئے کیا ہے اس میں صرف صحیح اور حسن احادیث لی گئی ہیں، مترجم لکھتے ہیں :۔

"اور ان احادیث کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے جن کے ضعیف ہونے کا بیان، حافظ منذری نے کر دیا ہے" صہ

اس کے مترجم مولانا محمد عبد المجید صاحب بنگنوری ہیں۔ آپ قصبہ بنگنور (آندھرا) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اپنے قریبی مقام نیلم نیر میں پڑھا ابتدائی تعلیم جنوبی ہند کے مشہور مدرسہ "باقیات الصالحات" (ویلور) میں پائی۔ تقریباً دو سال یہاں پڑھنے کے بعد شہر بلہاری کے مدرسہ میں ملا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں، علوم ظاہری کی تکمیل کرنے

---

[1] مقیم حال ٹنڈو اللہ یار۔ سندھ (پاکستان)

کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور اکتساب فیض کیا حتیٰ کہ اس میں کمال پیدا کیا اور بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق شیخ سے خرقۂ خلافت[1] حاصل کیا اور اپنے وطن لوٹ کر دینی وعلمی خدمات میں معروف ہو گئے، کئی دینی مدارس میں اہم خدمات انجام دیں۔ تعلیم نسواں کی طرف خاص توجہ کی اور یہ ترجمہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مدرسہ نسواں وانباڑی (ضلع نارتھ آرکاٹ صوبہ مدراس) جو اس وقت پورے ہندوستان میں اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ ہے ـــــ (خدا اس کی حفاظت فرمائے) ـــــ یہ شروع میں بچیوں کا ایک چھوٹا سا مکتب تھا مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم اور ان کے رفقاء ومعاونین ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں ترقی کرکے اس قابل ہو گیا کہ اس میں عربی وفارسی اور ترجمہ قرآن مجید تک لڑکیوں کو پڑھایا جانے لگا، مدرسہ نسواں کی نگرانی آپ نے تیس سال تک کی اور بہت سی فاضلات تیار کیں۔

تقریباً چونسٹھ سال کی عمر میں سن انیس سو سینتیس عیسوی (۱۹۳۷ء) میں وفات پائی۔[2]

یہ کتاب چھوٹے سائز ($\frac{20 \times 30}{16}$) پر کل ۲۰۰ صفحات پر مکتبہ زہرۂ ملت وانباڑی سے شعبان ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ اس کے بنگلہ زبان میں ترجمہ کی ایک کوشش ہمارے فاضل دوست مولانا عزیز الحق مدناپوری (مغربی بنگال) نے کی ہے اور شروع کے کچھ حصہ کا ترجمہ ہوا بھی ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ ترجمہ شدہ اوراق کہیں گم ہو گئے ہیں اس لئے فی الحال سلسلہ بند ہے تاہم ان کا ارادہ تکمیل کرنے کا ہے۔[3]

---

[1] جنوبی ہند کے بعض اہل علم حضرات سے مراسلات کی گئی تو انھوں نے یہ بتایا کہ ان کا فضل وتقویٰ تو سب کے نزدیک مسلم ہے لیکن خلافت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی اور تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۵۳ تا ۱۶۰ میں خلفاء کی فہرست میں بھی مولانا کا نام نہیں ہے اور حضرت گنگوہیؒ کے بعض اہل علم اعزہ نے بھی اس کو تسلیم نہ کیا اگرچہ یہ تسلیم نہ کرنا بھی اسی تذکرۃ الرشید کی فہرست خلفاء کی بنیاد پر ہے اور وہ فہرست خود مصنف کے نزدیک نامکمل ہے۔ واللہ اعلم

[2] یہ حالات محترم مولوی عبدالجمیل خطیب کے اس طویل مضمون سے لئے ہیں جو کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے۔

[3] مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۲ء میں تعلیم سے فراغت پائی اور یہ ترجمہ ۱۹۶۵ء میں شروع کیا تھا۔



روایات فضائل میں محدثین کی نرمی

اور اس کے متعلق چند ضروری تنبیہات

فن حدیث کے متعلق خواص و عوام سب لوگوں — میں یہ بات مشہور ہے کہ ترغیب و ترہیب اور عذاب و ثواب کے موضوع پر حدیثوں کے معیار میں محدثین کے یہاں نرمی ہے، ہماری اس کتاب کا موضوع چونکہ یہی ترغیب و ترہیب اور ثواب و عذاب کا بیان کرنا ہے اس لئے اس اصول کے متعلق چند ضروری قیود و شرائط کا بیان کر دینا اور اس سلسلہ میں لوگوں کی افراط و تفریط پر تنبیہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علماء اسلام نے شریعت کے اصول و قوانین مرتب کرنے اور حلال و حرام کا فیصلہ صادر کرنے کے لئے جس بلند معیار کی حدیثیں لی ہیں اور ان حدیثوں کی اسانید پر جتنی سخت نگرانی کی ہے ایسی سخت نگرانی ترغیب و ترہیب کی حدیثوں پر نہیں کی بلکہ اس قسم کی روایات میں ایک حد تک نرمی سے کام لیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل تساھلنا[1]	جب ہم حلال و حرام کے سلسلہ میں کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو اس میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل کے متعلق روایت کرتے ہیں تو نرمی برتتے ہیں۔

ملا علی قاری نے الحظ الاوفر فی الحج الاکبر میں کہا ہے:-

ان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال ما لم ... فضائل کے سلسلہ میں

---

[1] الاجوبۃ الفاضلہ صفحہ ۳۶ (طبعۃ السوریۃ)

الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال[1]	حدیث ضعیف تمام علماء کاملین کے نزدیک معتبر ہے۔

اور الموضوعات الکبیر میں حدیث مسح الرقبة امان من الغسل کے تحت لکھتے ہیں:

الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقاً[2]	فضائل اعمال کے بارے میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے۔

اور علامہ محی الدین یحییٰ بن شرف النووی نے کتاب الاذکار میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیٔ من ذالک کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھة بعض البیوع او الانکحة فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن.	تمام فقہاء و محدثین وغیرہم نے کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے تا وقتیکہ وہ موضوع کے حکم میں شامل نہ ہو۔ البتہ احکام کے سلسلہ میں مثلاً حلال و حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ میں صرف حدیث صحیح یا حدیث حسن ہی لی جائے گی، ہاں بطور احتیاط اگر کہیں ضرورت پڑ جائے تو حدیث ضعیف پر بھی عمل کر سکتے ہیں مثلاً بیع و شراء یا نکاح کے بارے میں حدیث ضعیف میں کوئی ممانعت ہو تو اس ممنوع شئی سے پرہیز کرنا بطور احتیاط مستحب ہوگا لیکن اس کا

---

[1] الاجوبة الفاضلة صفحہ ۳۷

[2] الموضوعات الکبیر صفحہ ٦٣ (مجتبائی ۱۳۴٦ھ)

لا یجب[1] | ماننا واجب نہیں ہو سکتا۔

حافظ عراقی نے یہ اصول تقریباً انہی الفاظ میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے

ومِمّن نص علی ذالك من الائمة عبد الرحمن بن مهدی واحمد بن حنبل وعبد الله بن مبارك وغيرهم[2]

اور جن علماء نے یہ اصول بیان کیا ہے ان میں سے عبد الرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ ہیں۔

اس ڈھیل کی وجہ

علماء اسلام نے جو اس سلسلہ میں نرمی برتی ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لانه ان كان صحيحا فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل والا لم يترتب علی العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير[3]

اس لئے کہ اگر وہ حدیث واقعتاً صحیح ہوگی تو اس پر عمل کرکے اس کا حق ادا کر دیا گیا اور اگر بالفرض حقیقت کے لحاظ سے وہ صحیح نہ تھی تب بھی کوئی حلال یا حرام کا نقصان نہیں ہوا اور نہ کسی کا حق ہی مارا گیا۔

یعنی بہت سے بہت یہی اندیشہ ہو سکتا ہے کہ واقعتاً وہ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوا کہ ایک کام کو جتنا بہتر سمجھ کر کیا گیا وہ اتنا بہتر نہ تھا اور اس سے دین وشریعت میں کوئی خرابی نہیں آتی اور اس کے برخلاف اگر واقعہ کے لحاظ سے وہ فرمانِ رسول تھا تو اجر وثواب یقینی ہے۔ اس سلسلہ میں محقق جلال الدین دوانی نے "انموذج العلوم" میں بڑی اچھی بحث کی ہے، فرماتے ہیں۔

---

[1] کتاب الاذکار صفحہ ۷ (مطبعہ حجازی قاہرہ)

[2] الاجوبۃ الفاضلۃ صفحہ ۳۹

[3] ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی صفحہ ۹۸ للعلامۃ عبد الحی اللکنوی رح

اذا وجد حدیث ضعیف فی فضیلۃ عمل من الاعمال ولم یکن ھذا العمل مما یحتمل الحرمۃ اوالکراھۃ فانہ یجوز العمل بہ ویستحب لانہ مامون من الخطر ومرجو النفع اذھو دائر بین الاباحۃ والاستحباب فالاحتیاط العمل بہ رجاء للثواب[1]

اعمالِ صالحہ میں سے جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث مل جائے اور یہ عمل ایسا نہ ہو جس میں حرمت یا کراہت کا احتمال ہو تو ایسی صورت میں اس حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے اس لئے کہ اس میں خطرہ تو کچھ ہے نہیں اور نفع کی امید پوری ہے کیوں کہ معاملہ (حلال یا حرام کا ـــ نہیں بلکہ) جائز اور مستحب کا ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ثواب کی نیت سے اس پر عمل کر لیا جائے۔

اس لئے کہ بالفرض حقیقت کے لحاظ سے یہ حدیث قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی ہوئی تو ایک جائز کام تھا اور اگر اس کے برخلاف فرمانِ رسول ہونا اس کا صحیح ہو تو اس کا حق ادا ہو ہی گیا یعنی اس کے مطابق عمل کر لیا گیا۔

اسی اصول کو اگر ہم از روئے عقل و مشاہدہ جانچ کر دیکھیں تو اس کی معقولیت بالکل واضح ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں کہیں تو ایک بچہ کا اطلاع دینا بھی کافی سمجھا جاتا ہے اور کہیں یقین کرنے کے لیے کسی بڑے اور سمجھ دار آدمی کا ہونا ہی ضروری قرار دیا جاتا ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے عدالتی معاملات کو دیکھئے تو وہاں صرف ایک سمجھدار آدمی کا ہونا بھی کافی نہیں بلکہ وہاں گواہی دینے کے لئے کئی سمجھدار اور معقول آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے، اب اگر ایک شخص اپنے شب و روز کے معمولی کاموں میں بھی وہی عدالتی معیارِ شہادت کو ضروری قرار دینے لگے تو نہ صرف یہ کہ اہلِ عقل کے نزدیک وہ دیوانہ قرار پائے گا بلکہ خود اس کی اپنی زندگی دشوار ہو جائے گی۔

[1] الاجوبۃ الفاضلۃ صفحہ ۵۷، ظفر الامانی صفحہ ۱۰۱،

ٹھیک اسی طرح شرعی معاملات میں بھی مختلف درجات ہیں اور اسی لحاظ سے ہر درجہ کے لئے ایک مخصوص معیار کی نصوص درکار ہیں پس جس درجہ کا حکم شرعی ثابت کرنا ہوگا اسی درجہ کی نص تلاش کی جائے گی۔ اگر کوئی متشدد و غالی ہر معاملہ میں حکم قرآنی یا حدیث متواتر یا حدیث صحیح ہی تلاش کریگا اور حدیث ضعیف کو بالکل ناقابل عمل قرار دے گا تو علماء اسلام کے یہاں ایسا آدمی خارق اجماع ہے۔

——— پس یہی وجہ ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے حدیث ضعیف کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے متعلق تین مذہب نقل کئے ہیں اور سوائے مذکورہ مذہب کے باقی دو کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:۔

(۱) فمنهم من منع العمل بالضعيف مطلقا وهو مذهب ضعيف۔	(۱) کچھ لوگ تو وہ ہیں جو ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔ یہ مذہب ضعیف ہے۔
(۲) ومنهم من جوّزه مطلقا وهو توسع سخيف۔	(۲) اور کچھ لوگ اس کی عام اجازت دیتے ہیں اور یہ غیر دانشمندانہ توسع اور ڈھیل ہے۔
(۳) ومنهم من فصّل وقيّد وهو المسلك المسدد۔[1]	(۳) اور ایک مسلک یہ ہے کہ اس میں کچھ فرق کیا جائے اور حدود متعین کی جائیں یہ رائے سب سے صحیح اور حق ہے

اس تیسرے مسلک میں جو حدود متعین کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا کہ حلال و حرام اور معاملات وغیرہ میں حدیث ضعیف ناکافی اور فضائل اعمال میں مقبول ہے۔

حدیث ضعیف کے قبول کرنے کی چند ضروری شرطیں

حدیث ضعیف کے رد و قبول پر جب بحث کی جائے تو سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اہل علم نے جہاں حدیث ضعیف کو قبول کیا ہے وہاں کن شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، ورنہ اس کے بغیر اہل علم کی طرف سے یہ قول نقل کرنا ان کے مسلک کی ادھوری اور ناقص ترجمانی ہوگی۔

---

[1] الاجوبۃ الفاضلۃ صفحہ ۵۲

علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں اور علامہ سخاوی نے القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ:۔

(۱) احدھا فقدان دلیل آخر اقوی منہ معارضا لہ فان دل حدیث صحیح او حسن علی کراھۃ عمل او حرمتہ والضعیف علی استحبابہ وجوازہ فالعمل یکون بالاقوی والقول بمفادہ احری۔

(۲) وثانیھا ان لا یکون الحدیث شدید الضعف بان تفرد بروایتہ شدید الضعف کالکذاب او فاحش الغلط والمغفل وغیر ذلک او کثرت طرقہ لکن لم یخل طریق من طرقہ عن شدۃ الضعف وذلک لان کون السند شدید الضعف مع عدم ما یجبر بہ نقصانہ یجعلہ فی حکم العدم ویقربہ الی الموضوع والمخترع الذی لا یجوز العمل بہ بحال۔

(۱) اس کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوی کوئی دلیل موجود نہ ہو کیونکہ اگر کسی حدیث صحیح یا حدیث حسن سے ایک عمل کی کراہت ثابت ہوتی ہو اور حدیث ضعیف اسے مستحب قرار دے تو ایسی صورت میں عمل قوی دلیل پر ہی کیا جائے گا اور اسی کے مقتضیٰ کو مقدم رکھا جائے گا۔

(۲) اس حدیث کا ضعف زیادہ شدید نہ ہو جیسے مثال کے طور پر کوئی حدیث ایک ہی سند سے منقول ہے اور اس میں کوئی راوی ایسا ہے جو بہت ضعیف ہے جیسے کذاب ہونا یا فاحش الغلط ہونا یا مغفل ہونا وغیرہ یا یہ کہ حدیث کی سندیں تو کئی ہیں لیکن کوئی بھی سند شدید ضعف سے محفوظ نہیں ہے (ایسی حالت میں اس حدیث کے غیر معتبر ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ کسی سند کا شدید ضعیف ہونا جبکہ اس کی اس کمی کی تلافی بھی کسی اور ذریعہ سے نہ ہو رہی ہو اس کو کالعدم بنا دیتا ہے اور موضوع و من گھڑت حدیث کے قریب پہنچا دیتا ہے جس پر کسی بھی طرح عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(٣) وثالثها ان يكون ما ثبت به داخلا تحت اصل كلي من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية لئلا يلزم اثبات ما لم يثبت شرعاً به فانه اذا كان ما دل عليه داخلا في الاصول الشرعية غير مناقض لها فنفس جوازه ثابت بها والحديث الضعيف الدال عليه يكون موكدا له۔

(٣) حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ جو مضمون اس سے ثابت ہوتا ہے وہ شریعت کے عام قواعد کلیہ کے مخالف نہ ہو بلکہ ان کے تحت آتا ہو تاکہ جو چیز شرعاً غیر ثابت ہے اس کا اثبات لازم نہ آئے پس جب اس حدیث کا مضمون عام قواعد شرعیہ کے منافی نہ ہو بلکہ انہی کے تحت آتا ہو تو (گویا) نفس جواز تو اس کا پہلے سے ثابت ہے ہی۔ حدیث ضعیف نے صرف اتنا کیا کہ اس کے جواز ہی میں ذرا تاکد و اہتمام پیدا کر دیا۔

(٤) ورابعها ان لا يعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين فانه ان . . . .

(٤) اور چوتھی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے والا اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے بلکہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر ایک یقینی کیفیت پر پہنچنے کی نیت ہو، یعنی یہ کہ اگر حقیقت[1] میں اس حدیث

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے نفس الامر اور حقیقت کے لحاظ سے تو وہ تمام کا تمام برابر درجہ کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں صحیح اور ضعیف کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن جن واسطوں سے وہ نفس الامری اور حقیقی ارشادات ہم تک پہنچے ہیں ان میں چونکہ فرق ہے اس لئے ان ارشادات میں بھی درجات کا فرق ہو گیا ہے ہمارے پاس چونکہ سوائے سند کے اور کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ جان سکیں کہ یہ بات آپؐ نے فرمائی ہے یا نہیں اس لئے ہم اسی بات کے مکلف اور اسی کے لئے مجبور ہیں کہ جس درجہ کی سند سے کوئی بات ہم تک پہنچے اس بات کا وہی درجہ قرار دیں خواہ نفس الامر کے لحاظ سے اس میں اور ایک حدیث متواتر میں کوئی فرق نہ ہو ——— یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام اپنے نور باطن سے بعض دفعہ کسی ضعیف حدیث (باقی صفحہ آئندہ پر)

كان صحيحا في نفس الامر فذاك والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي۔	کا مضمون صحیح ہوا تو عمل کر ہی لیا گیا ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو کوئی شرعی برائی پیش نہیں آئی (اور اس کے برخلاف عمل ذکر نے کی صورت میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہو تو ہم ایک حکم شرعی کے تارک ہوں گے)

ان مفصل شرائط سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حدیث ضعیف میں جب تک یہ تمام باتیں ملحوظ نہ ہوں۔ اس وقت تک اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مطلق یہ کہہ دینا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے، صحیح نہیں تاوقتیکہ اس میں یہ شرطیں نہ دیکھ لی جائیں۔

حافظ منذری پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

رہا یہ اعتراض کہ پھر حافظ منذری نے اپنی کتاب میں ایسی روایات شامل ہی کیوں کر لیں جو ان شرائط پر پوری نہیں اترتیں؟ تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ وہ خود اس کو مقدمہ میں واضح طور پر بیان کر چکے ہیں کہ جو حدیثیں میں نے لفظ "رُوِیَ" سے شروع کی ہیں وہ تمام ایسی روایات ہیں جن کے کسی نہ کسی راوی کے متعلق محدثین نے کذاب یا وضاع وغیرہ الفاظ کہے ہیں۔ اور گزشتہ سطور میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ جس حدیث کے کسی راوی کے متعلق ایسے الفاظ کہے جائیں وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے اور مصنف نے ایسی روایات کو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کی صحت اور واقعیت کا حکم صادر کر دیتے ہیں مگر محدثین اس کو اپنے قواعد کے تحت ضعیف ہی قرار دیتے ہیں، مثال کے طور پر حافظ زکی الدین منذری نے اپنی اسی کتاب الترغیب والترہیب میں حدیث ازهد في الدنيا يحبك الله الخ کے متعلق لکھا ہے کہ لكن على هذا الحديث لامعة من انوار النبوة (ج ۴ صفحہ ۱۵۷) یعنی اگرچہ اس کا فلاں راوی شدید ضعیف ہے لیکن اس پر انوار نبوت کی جھلک محسوس ہو رہی ہے ـــــ لیکن یاد رہے کہ حکم شرعی اسانید کے باضابطہ قواعد ہی کے تحت ثابت ہو سکتا ہے اور بس احکام شرعیہ کے لئے حدیثوں کی پرکھ کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ معتبر نہیں۔

عام حدیثوں سے الگ ایک امتیازی نشان کے ساتھ بیان کیا ہے لہٰذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے[1]، اب کسی شخص کا کوئی حدیث الترغیب سے اس امتیاز کو ملحوظ رکھے بغیر نقل کرنا ہرگز جائز نہیں اور وہ الترغیب والترہیب کا حوالہ دے کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ حال کے بہت سے مؤلفین و واعظین کا طریقہ ہے، فاضل محترم الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ حلبی نے ایسے ہی لوگوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ومن المؤسف جدًا ان اغلب الوعاظ والخطباء والمذکرین والمدرسین اذ یقرؤون کتاب الترغیب والترهیب هذا او ینقلون عنه ینسون او یغفلون عن اصطلاح مؤلفه فیه فیوردون الحدیث الذی فی سنده کذاب او وضاع او متهم بکل جزم وارتیاح واطمینان کجزمهم بالحدیث الذی یقول الامام المنذری فیه " رواه البخاری ومسلم " سواء بسواء[2]	سخت افسوس ہے کہ اکثر واعظین، خطباء اور مدرسین جب اس کتاب الترغیب والترہیب کو پڑھتے ہیں یا اس سے نقل کرتے ہیں تو اس کے مصنف کی اصطلاح کو یا تو بھول جاتے ہیں یا غفلت برتتے ہیں اور جن احادیث میں کوئی راوی کذاب یا وضاع یا متہم ہے ان کو بھی بالکل اسی طرح پورے یقین و اعتماد اور کامل اطمینان کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس طرح ان روایات کو نقل کرتے ہیں جن کے متعلق منذری نے " رواہ البخاری ومسلم " کہا ہے۔

اور فاضل موصوف نے بھی مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے وہی کہا ہے جو ابھی ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

والامام المنذری رحمه الله تعالیٰ	امام منذری رحمۃ اللہ علیہ اس ذمہ داری سے

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۷

[2] التعلیقات الحافلة علی الاجوبة الفاضلة۔ صفحہ ۱۲۱

سالم من التبعة اذ صرح باصطلاحه في فاتحة كتابه ليكون القاري منه على بصيرة ولكن اولئك الذين اشرت اليهم لم تفد هم تصريحات المنذري وتفرقته بين الحديث الصحيح والضعيف فساقوا جميع مافيه مساقا واحداً[1]	بالکل بری ہیں کیوں کہ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنی اصطلاح صفائی سے بیان کر چکے ہیں، جس کا مقصد یہی ہے کہ پڑھنے والا اسے بالبصیرۃ دیکھے لیکن میں نے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ان کے حق میں منذری کا بیان اور ان کا صحیح و ضعیف حدیثوں میں امتیاز کرنا سب بے نتیجہ رہا اور انھوں نے کتاب کی تمام روایات کو ایک ہی درجہ دے ڈالا

دوسرے اس طرح کی (بہت ضعیف) روایات کو محض ذکر کر دینے کی تو اور بھی بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ:-

(۱) حدیث کا مشہور قاعدہ ہے الضعیف یشد بعضہ بعضا (ایک ضعیف حدیث سے دوسری ضعیف حدیث کو قوت ملتی ہے) اس غرض سے بہت ضعیف حدیث (اس کے شدتِ ضعف کی تصریح کر کے) بیان کر دی جاتی ہے تاکہ اس کے ہم معنی اور بھی چند حدیثیں خواہ کمزور درجہ کی ہی ہی اگر مل جائیں تو ان کو تقویت حاصل ہو جائے گی اور اس وقت میں اس کا ہونا بھی مفید ہوگا۔

(۲) امام ابو عبداللہ الحاکم نے المدخل فی اصول الحدیث میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ جرح و تعدیل میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ممکن ہے کہ ایک امام ایک راوی کو مجروح سمجھے اور دوسرا امام اسی راوی کو عادل قرار دے۔ اسی طرح "ارسال" مختلف فیہ ہے (ایک کے نزدیک حدیثِ مرسل حجت ہے دوسرے کے نزدیک ضعیف و ناقابل اعتبار)[2]

---

[1] التعلیقات الحافلہ صفحہ ۱۲۱

[2] ماخوذ از مضمون محترم مولانا عبدالرشید نعمانی ماہنامہ برہان فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۹۴ گویا لکھنے والے اس نے لکھ دیتے ہیں کہ جس کا جو مسلک ہو اس کے مطابق عمل کرے۔

(۳) ایک عام طبعی اصول ہے کہ "الاشیاء تعرف باضدادھا" یعنی ہر چیز اپنے مقابل چیز ہی کے ذریعہ صحیح طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے محدثین صحیح حدیثوں کی جانچ پڑتال میں مدد لینے کی غرض سے بھی ضعیف اور شدید ضعیف بلکہ منکر و موضوع روایات تک نقل کر لیتے تھے چنانچہ مشہور امام حدیث حافظ یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ :-

لو لم نکتب الحدیث من ثلاثین وجھا ماعقلنا۔	اگر ہم حدیث کو تیس طریقے سے نہ لکھیں تو ہم اس کو جان نہ سکیں۔

امام احمد بن حنبل نے یحیی بن معین کو صحیفۂ معمر کی نقل میں مشغول دیکھا تو پوچھا کہ اس امر کے جاننے کے باوجود کہ یہ صحیفۂ معمر عن ابان عن انس سراسر جعلی ہے پھر بھی آپ اس کی نقل میں معروف ہیں؟ جب کہ آپ ابان پر کلام بھی کرتے ہیں؟ جواب دیا "اس لئے کہ اول میں اس تمام کو از اول تا آخر حفظ کروں گا اور جب کوئی شخص آکر "ابان" کو بدل کر "ثابت" کا نام لے دے گا اور روایت کرنے لگے گا کہ "... عن معمر عن ثابت عن انس" اس وقت میں اس سے کہوں گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اس روایت کا سلسلۂ سند "معمر عن ابان عن انس" ہے نہ کہ "معمر عن ثابت عن انس"۔

انہی امام ابن معین کا یہ بھی مقولہ ہے کہ

کتبنا عن الکذابین وسجرنا بہ التنور واخرجنا بہ خبزا نضیجا۔[1]	ہم نے جھوٹوں سے روایتیں لکھیں اور اس سے تنور کو گرم کیا اور پکی پکائی روٹی نکالی

(۴) بعض علماء تفسیر نے اپنی کتابوں میں جو اسرائیلی روایات لکھ دی ہیں ان کے سلسلہ میں حافظ ابن کثیر ان کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ایک جگہ ایک مفید وجہ بیان کرتے ہیں :-

وقد روی فی ھذا آثار کثیرۃ عن السلف وغالبھا من الاسرائیلیات	اس کے متعلق سلف سے بہت سی روایات منقول ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلیات ہیں جو صرف اس غرض سے نقل

---

[1] ماہنامہ برہان فروری ۱۹۴۲ء ص ۲۵ و ۲۶

التی تنتقل لینظر فیھا[1] | کی جاتی ہیں تاکہ ان میں غور و خوض کر لیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام ایک محدث کی محض فنی مصالح ہیں جن کے تحت وہ شدید ضعیف روایات کو بھی اپنے سینے اور سفینے میں جگہ دے دیتا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس کے لئے وہ تمام شرائط ملحوظ رکھنا پڑیں گی جو اہل علم کے یہاں مسلّم ہیں جن میں کسی بھی محدث کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ایک اور خطرناک غلطی پر تنبیہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ایک اور خطرناک غلطی پر تنبیہ کر دی جائے جس کا اسی موضوع سے تعلق ہے۔ جن لوگوں نے فضائل کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تصریحات کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ضعیف حدیثوں سے بڑھ کر بہت زیادہ کمزور اور منکر روایات تک سے استدلال کیا وہ تو پھر بھی نادانستہ ایک غلطی کا شکار ہوئے لیکن سخت افسوس و حیرت تو ان لوگوں پر ہے جنھوں نے دیدہ و دانستہ منکر و موضوع روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اور مزید برآں یہ کہ اپنے اس فعل کو انھوں نے جائز و مستحسن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[2] اس سلسلہ میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے علماء اہل سنت میں سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ جس نے لکھا ہے وہ مشہور واعظ و مفسر شیخ اسماعیل حقی (المتوفی ۱۱۲۷ھ) ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر روح البیان میں سورۃ التوبۃ کے اخیر میں لکھا ہے کہ "صاحب کشاف اور ان کے اتباع میں قاضی بیضاوی اور شیخ ابو السعود اور دیگر مفسرین نے جو حدیثیں اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں ان کے متعلق امام صغانی اور دوسرے بہت سے علماء نے گفت و شنید کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۸۹، تفسیر سورۃ الکہف تحت قولہ تعالیٰ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا۔ الآیۃ۔

[2] یہ مسلک جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کرامیہ اور بعض صوفیہ کا بھی رہا ہے لیکن ہم نے شیخ اسماعیل حقی کے کلام پر اہمیت کے ساتھ تبصرہ کرنے کی ضرورت اس لئے سمجھی کہ علماء اہل سنت میں ہماری معلومات میں ان کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر مصنف اس باطل مسلک کا حامی نہیں ہے اور ان کی تفسیر چونکہ واعظوں کی دلچسپی کا خاص مرکز ہے اس لئے اس کے نتائج بھی دور رس ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر وہ روایات ضعیف ہیں تو علماء حدیث نے فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث کو قبول کیا ہے اور اگر وہ موضوع ہوں تب بھی ان سے شریعت کے بنیادی احکام کا ضیاع وفساد تو ہے نہیں بلکہ:-

اذ: للحث علی اتباع شریعتہ واقتفاء اثرہ فی طریقتہ

وہ تو شریعت ہی کے اتباع پر آمادہ کرنے اور آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے کا شوق دلانے کے لئے ہیں۔

اس کے بعد شیخ اسماعیل حقی نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا قول نقل کیا ہے کہ

الکلام[1] وسیلۃ الی المقاصد فکل مقصود محمود یمکن التوصل الیہ بالصدق والکذب جمیعاً فالکذب فیہ حرام فان امکن التوصل الیہ بالکذب دون الصدق فالکذب فیہ مباح ان کان تحصیل ذلک المقصود مباحاً وواجب ان کان ذلک المقصود واجباً فہذہ ضابطۃ۔

(تفسیر روح البیان آخر سورۃ التوبہ[2])

کلام اور گفتگو کی حیثیت صرف ایک ذریعہ اور واسطے کی ہے اور اصل چیز مقصد ہے پس جس اچھے مقصود تک رسائی سچ اور جھوٹ دونوں کے ذریعہ ہو سکتی ہو وہاں تو جھوٹ کا اختیار کرنا حرام ہے اور جس مقصود تک رسائی صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس مقصود کا حاصل کرنا مباح ہے تو اس میں جھوٹ بولنا مباح اور اگر اس مقصود کا حاصل کرنا واجب ہے تو اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ بس یہ عام قاعدہ ہے۔

راقم سطور کہتا ہے کہ علماء اسلام نے باتفاق رائے سب سے بڑا کبیرہ گناہ اس کو قرار دیا ہے کہ کوئی شخص صادق ومصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قصداً کوئی ایسی بات نقل

---

[1] اور بالکل یہی الفاظ ان سے پہلے امام غزالی لکھ چکے ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۱۹) عزالدین بن عبدالسلام نے یہ مضمون غزالی ہی سے لیا ہے۔

[2] روح البیان ج ۳ صفحہ ۵۰۸ (استنبول ۱۳۳۰ھ)

کرے جو آپ نے نہیں فرمائی[1]۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبائر میں سے کوئی کبیرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے مرتکب کو کسی نے کافر کہا ہو مگر اس کبیرہ کے مرتکب کو بعض علماء اسلام نے کافر تک کہا ہے[2]۔ امام غزالی لکھتے ہیں الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر التی لا یقاومھا شئی[3] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ دوسرا کوئی گناہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

اب آپ غور کیجئے کہ کیا اس تصور سے زیادہ خطرناک اور گمراہ کن کوئی اور تصور ہو سکتا ہے جس کی رو سے یہ اتنا بڑا کبیرہ جائز بلکہ مستحسن اور واجب تک پہنچ جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔ تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم۔

خدائے غنی و کریم کا دین اور نبی امین کی لائی ہوئی شریعت اس بات سے بالکل بے نیاز اور اس سے بہت بلند ہے کہ دجل و فریب کے ذریعہ اس کی خوبیاں دلوں میں بٹھائی جائیں۔ مشک اپنی خوبی کے تسلیم کرانے میں کسی عطار کی جھوٹی تعریفوں کا محتاج نہیں ہے ؎

ز عشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنی ست

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را (حافظ شیرازی)

اور وضع حدیث کے لئے یہ تقسیم کہ اتباع شریعت پر ابھارنے کے لئے ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔ یہ بھی عقلاً و نقلاً ہر طرح بے بنیاد، غلط اور علماء اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔ یہ دراصل دورِ قدیم کے فرقہ کرامیہ کے مسلک کی صدائے بازگشت ہے اور یہی خیال بعض بے علم صوفیا بھی ظاہر کر چکے ہیں[4]۔ ان

---

[1] قالہ النووی فی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۸ [2] الموضوعات الکبیر للملا علی قاری صفحہ ۸ [3] احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۲۱ [4] علامہ نووی لکھتے ہیں:۔ وتابعھم علی ھذا الکثیرون من الجھلۃ الذین ینسبون انفسھم الی الزھد (شرح مسلم للنووی ج ۱ صفحہ ۸) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں۔ وقد ینسب الیٰ بعض المتصوفۃ ایضاً لمعات ج ۱ صفحہ ۲۵۲ طبع اول لاہور سنہ ۱۳۹۰ھ مطابق سنہ ۱۹۷۰ء

لوگوں کے نزدیک ترغیب و ترہیب کے لئے حدیثیں گھڑنا جائز تھا۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ بڑی سخت تنقید کی ہے۔

نووی نے کرامیہ کی ایک دلیل کے متعلق (جو شیخ اسماعیل حقی نے بھی بعض واعظوں کے حوالہ سے نقل کی ہے)، لکھا ہے :۔

ومن اعجب الاشیاء قولهم "هذا کذب له" وهذا جهل منهم بلسان العرب وخطاب الشرع فان کل ذالك عندهم کذب علیه[1]

اور عجائبات میں سے ان کا یہ قول بھی ہے کہ یہ تو کذب للرسول (آپ کے حق میں کذب) ہے نہ کہ کذب علی الرسول (آپ پر کذب) حالانکہ یہ کلام عرب اور شریعت کے انداز تخاطب سے ناواقفیت کی دلیل ہے اس لئے کہ یہ سب کا سب محاورۂ عرب اور اصطلاح شرع میں کذب علی الرسول ہی ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شیخ زکریا کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

لیس للفظ (علی) مفهوم لانه لا یتصور ان یکذب له اذ هو منهی عنه مطلقا۔ ونقل الابهری عن الکرمانی ه کذب علیه ینسب الکلام الیه کاذبا سواء کان علیه اوله۔ (لمعات ج ۱ ص ۲۵۳)

یہاں لفظ (علی) کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لئے کہ کذب للرسول کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کذب تو علی الاطلاق ممنوع ہے اور ابہری نے علامہ کرمانی سے نقل کیا ہے کہ لفظ کذب علیہ کا مطلب ہوتا ہے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی خواہ وہ کذب علیہ ہو یا کذب لہٗ

ان لوگوں نے اپنے اس استدلال کی بنیاد لفظ علی پر رکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ استدلال محاورہ عرب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا اور یہ استدلال محض زبردستی کی کھینچ تان ہے تاہم اب دو روایتیں ایسی نقل کی جاتی ہیں جن میں سرے سے لفظ علی کا وجود ہی نہیں ہے بلکہ مطلق کذب کی

---

[1] شرح مسلم للنووی ج ۱ صفحہ ۸

ممانعت کی گئی ہے۔

(۱) من حدث عنی حدیثا یری انہ کذب فھو احد الکاذبین۔ (رواہ مسلم والترمذی وصحح عن المغیرۃ بن شعبۃ[1])	جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :-

(۲) والذی نفس ابی القاسم بیدہ لا یروی عنی احد مالم اقلہ الا تبوأ مقعدہ من النار۔ (رواہ الدار قطنی فی الافراد عن انس رضی اللہ عنہ[2])	اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالقاسم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جو بھی شخص میری طرف سے کوئی ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

ان حدیثوں کے الفاظ بالکل عام ہیں ان کی رو سے جس مقصد کے لئے بھی وضع حدیث کا ارتکاب کیا جائے گا وہی ناجائز اور حرام قرار پائے گا اس لئے کہ کذب وہ بہرحال ہے اس کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو، اور علامہ نووی نے شرح مسلم میں واضح طور پر لکھا ہے کہ موضوع روایات کا جان بوجھ کر نقل کرنا حرام ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :-

لا فرق فی تحریم الکذب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بین ماکان فی الاحکام ومالا حکم فیہ کالترغیب والترھیب والوعظ وغیر ذلک من انواع الکلام فکلہ حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بھم فی الاجماع۔	حدیث شریف میں کذب مطلقاً حرام ہے بغیر اس فرق کے کہ وہ احکام کا معاملہ ہے یا ترغیب و ترہیب یا وعظ و نصیحت کا موضوع ہے۔ حدیث میں جھوٹ بولنا حرام اور سخت درجہ کا کبیرہ گناہ اور نہایت قبیح قسم کی بدعملی ہے، اور یہ ان تمام اہل اسلام کا اجماعی فیصلہ ہے جن کا اجماع معتبر ہے۔

---

[1] الموضوعات الکبیر صفحہ ۸ / [2] ایضاً

اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں:۔

وقد اجمع اهل الحل والعقد علی تحریم الکذب علی آحاد الناس فکیف بمن قوله شرع وکلامه وحی والکذب علیه کذب علیه تعالیٰ۔	اور ارباب حل وعقد کا اجماعی حکم ہے کہ جھوٹ بولنا عام لوگوں کے بارے میں بھی حرام ہے چہ جائیکہ اس ذات گرامی کے بارے میں جس کا کلام شریعت و وحی ہے اور جس کے متعلق جھوٹ بولنا دراصل خدائے تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے۔

علماء اسلام کا یہ صاف و صریح فیصلہ ہے جس پر ہمیشہ سے اہلِ علم کا عمل رہا ہے اب جو کوئی اس کے خلاف کوئی رائے پیش کرے وہ ہرگز قابلِ التفات نہیں اور اگر اس طرح کی تھوڑی سی بھی گنجائش اہلِ علم نے دی ہوتی تو آج پورے ذخیرۂ حدیث سے اطمینان اٹھ چکا ہوتا اس لئے کہ ہر حدیث کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ بھی اسی قسم کی ہوگی اور بقولِ امام غزالی پوری شریعت مشکوک ہو کر رہ جاتی۔[۱]

اور یہاں شیخ عزالدین بن عبد السلام کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اس موقع کے لئے قطعاً نہیں ہے بلکہ جھوٹ بولنے کی یہ گنجائش علماء محققین نے ایسے موقع پر دی ہے جب کہ کسی کا کوئی حق مارا جا رہا ہو یا دو بھائیوں میں جھگڑا ہو یا میاں بیوی میں نا اتفاقی ہو اور جھوٹ بولے بغیر حق کی ادائیگی اور باہمی صلح و صفائی نہ ہو سکتی ہو۔

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

مثل ان یاخذه ظالم ویسأله عن ماله لیاخذه فله ان ینکره	اس کی مثال یہ ہے کہ کسی ظالم نے ایک شخص سے پوچھا کہ بتا تیرے پاس کتنا مال ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جبراً

---

[۱] شرح مسلم للنووی ج ۱ صفحہ ۸ وعنه علی القاری فی الموضوعات الکبیر صفحہ ۹

[۲] احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۲۱

او یسأله السلطان عن فاحشة بينه وبين الله تعالىٰ ارتكبها فله ان ينكرها يقول ما زنيت او ما شربت مثلاً . او ان يسئل عن سراخيه فينكره ونحو ذلك [1]	اس سے چھین لے تو اس وقت اس شخص کو یہ کہدینے کی گنجائش ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے یا یہ کہ حاکم وقت نے ایک شخص کی کسی ایسی بدعملی کے متعلق سوال کیا جو اس کے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے اور کسی شخص کو اس کا پتہ نہیں تو یہ شخص انکار کر سکتا ہے مثلاً یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے زنا نہیں کیا یا میں نے شراب نہیں پی ۔ یا اس سے اس کے مسلمان بھائی کا کوئی راز پوچھا جاتا ہے تب بھی یہ انکار کر سکتا ہے ۔

اور ایسے موقع پر بھی علامہ نووی نے لکھا ہے کہ :-

والاحتياط في هذه الكلمة ان يورّي ومعنى التورية ان يقصد بعبارته مقصودا صحيحا ليس هو كاذبًا بالنسبة اليه وان كان كاذبا في ظاهر اللفظ وبالنسبة الى ما يفهمه المخاطب [2]	احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کیا جائے اور توریہ اس کو کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ میں گفتگو کی جائے کہ بولنے والے کے اپنے خیال کے لحاظ سے وہ صحیح ہو اگرچہ ظاہر میں اور سننے والے کے خیال کی رو سے وہ صحیح نہ ہو

یعنی مثال کے طور پر آپ مدراس روانہ ہو رہے ہیں اور اپنے وہاں جانے کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور آپ کہدیں کہ " ذرا بھوپال کی طرف جا رہا ہوں " تو یہ آپ کے اپنے خیال کے لحاظ سے تو صحیح ہے لیکن سمجھنے والے نے جو اس سے

---

[1] احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۱۰ ونقل عنہ النووی فی الاذکار صفحہ ۳۷۸

[2] ریاض الصالحین صفحہ ۵۶۶ (مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی مصر) وکتاب الاذکار صفحہ ۳۷۷ (مطبعۃ حجازی قاہرہ)

یہ سمجھا کہ آپ بھوپال جارہے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی کا نام "توریہ" ہے۔

تو اہل علم نے جہاں جھوٹ کی گنجایش دی ہے وہاں بھی بہتر یہی بتایا ہے کہ صریح جھوٹ کے بجائے توریہ اختیار کیا جائے ــــــــــ اور جس حدیث کے پیش نظر بعض مخصوص حالات میں یہ گنجائش سمجھی گئی ہے۔ اس سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت اتنی عام نہیں بلکہ یہ مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ مشروط ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:۔

انها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليس الكذاب الذى يصلح بين الناس فينمى خيرا ويقول خيرا۔	انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں میں باہمی صلح و صفائی کی خاطر ایک سے دوسرے کے متعلق کوئی اچھی بات پہنچادے یا کوئی اچھی بات کہدے تو وہ جھوٹا نہیں ہے (یعنی یہ جھوٹ معاف ہے)

اور صحیح مسلم کی روایت میں مزید یہ بھی ہے:۔

قالت ام كلثوم ولم اسمعه يرخص فى شئ مما يقول الناس الا فى ثلاث يعنى الحرب والاصلاح بين الناس وحديث الرجل امراته والمرأة زوجها۔	حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات میں بھی جھوٹ کی اجازت دیتے نہیں سنا سوائے تین معاملات کے، ایک جنگی معاملات میں، دوسرے لوگوں کے معاملات کی اصلاح اور باہمی صلح کے لئے اور تیسرے میاں بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی خاطر جھوٹ بول دینا۔

اس حدیث سے اور گذشتہ معروضات سے واضح ہوگیا کہ اسلام میں وضعِ حدیث کسی بھی مقصد کے لئے اور کسی بھی طرح جائز نہیں ہے حتی کہ اگر کسی کے متعلق ایک بار یہ بات ثابت ہوجائے کہ

لے کتاب الاذکار صفحہ ۳۷۶ ، ریاض الصالحین صفحہ ۵۶۶

اس نے زندگی میں ایک دفعہ بھی اس کا ارتکاب کیا ہے تو علامہ نووی نے لکھا ہے :۔

فسق وردت روایاته کلها	اسے فاسق قرار دے دیا جائے گا اور اس کی تمام
ویبطل الاحتجاج بجمیعها فلو تاب	روایات مردود ہوں گی ان سے استدلال باطل ہوگا
وحسنت توبته فقد قال جماعة	اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلے اور بہت اچھی توبہ
من العلماء منهم احمد بن حنبل	کرلے تب بھی اہل علم کی ایک جماعت کی رائے جن
وابوبکر الحمیدی شیخ البخاری	میں امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے استاد حمیدی
وصاحب الشافعی وابوبکر الصیرفی	اور ابوبکر صیرفی اور شوافع میں سے تمام اصحاب وجوہ
من فقهاء اصحابنا الشافعیین واصحاب الوجوه	اور جملہ متقدمین شامل ہیں یہ ہے کہ اس کی توبہ اس
منهم ومتقدمیهم فی الاصول والفروع لا	معاملہ میں کچھ اثر انداز نہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے
تؤثر توبته فی ذلك ولا تقبل روایته ابداً[1]	اس کی روایت ناقابل قبول ہوگی۔

علامہ نووی نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر علماء کی رائے یہی ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں :۔

الاکثر علی انه لا یقبل[2]	اکثر علما کی رائے یہی ہے کہ اس کی حدیث کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تدریب الراوی میں اسی کو ترجیح دی ہے[3]

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی عبارت جو شیخ اسماعیل حقی نے نقل کی ہے اس کا کیا مطلب ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہرگز اس کے بارے میں نہیں

---

[1] شرح مسلم لکھنوی ج اول صفحہ ۸

[2] لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۵۲

[3] فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۲۳

ہے ان کی مراد کسی کی جان بچانے یا کسی کا حق دلانے سے ہے ـــــ چنانچہ اس قول کے قائل اول امام غزالیؒ یہ بحث تفصیل سے لکھنے کے بعد خود لکھتے ہیں کہ:-

وقد ظن ظانون انه یجوز وضع الاحادیث فی فضائل الاعمال وفی التشدید فی المعاصی وزعموا ان القصد منه صحیح وهو خطاء محض[1]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعمال کی فضیلت اور بد عملیوں کی وعید کے سلسلے میں حدیثیں وضع کرنا جائز ہے اور ان کا خیال ہے کہ ان کا مقصد چونکہ صحیح ہے اس لئے جائز ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔

---

[1] احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۲۱

بابِ دوم

متعلقاتِ فنِ حدیث کے بیان میں

حدیث شریف کے مختلف علوم و فنون اور مختلف پہلوؤں سے اس کے مباحث کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اگر اس کے صرف منتخب مضامین کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو جلدوں کی جلدیں تیار ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ ایک کتاب کے مختصر سے مقدمہ[1] میں اس کی گنجائش کہاں؟ تاہم اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ چند ضروری باتیں پیش کر دی جائیں۔

واللہ الموفق وعلیہ التکلان

دین میں سنّت کا مقام

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست — (اقبالؔ)

"علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح و تعیین، اجمال کی تفصیل، عموم

---

[1] اگرچہ یہ "مختصر" بھی بے ارادہ بہت "مطوّل" بن گیا ہے لیکن انشاء اللہ افادیت سے خالی نہیں ہے۔ اور دانستہ یہ ہے کہ یہ اب بھی مختصر ہی ہے۔ مزید اختصار بہت دشوار تھا ع

کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ دراز ست

کی تخصیص، مبہم کی تعیین سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے، اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ، اور اخلاق و عادات مبارکہ، اور آپ کے اقوال و افعال اور آپ کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و مستنبطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کے بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود و قائم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا۔[1]

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے آج تک اس چودہ سو سال کی تاریخ میں قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس علم کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور اپنی تمام صلاحیتوں اور پوری عقیدت و اخلاص کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی روایات کی حفاظت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی اور ہر دور میں مسلمانوں نے یہی سمجھا کہ ع کلام خدا ہے کلام محمد ـــــ اور یہ کہ شریعت اسلامی کے دو ہی سرچشمے ہیں۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ مطہرہ، قرآن کریم کی حیثیت اصل اور متن کی ہے اور سنت مطہرہ اس کی شارح و مبین ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:-

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل ۴۴)	اور اتارا ہم نے تیرے اوپر یہ ذکر (قرآن مجید) تاکہ بیان کر دے تو لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کے واسطے اتری ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

اور یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں بھی اور اس کے بعد بھی ہر دور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو اسی طرح واجب الاطاعت سمجھا گیا جس طرح قرآن کریم کو اور دونوں کو وحی

[1] شروع عنوان سے یہاں تک یہ چند سطریں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تعارف سے ماخوذ ہیں۔ جو علامہ مناظر احسن گیلانی کی کتاب "تدوین حدیث" کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

الہی مانا گیا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى۔	اور نہیں بولتا وہ خواہش نفس سے وہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔
(سورۃ النجم آیت ۳-۴)	
مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔ (سورۃ النساء۔ ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماضی میں بلا شبہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام کی گاڑی کے ان دونوں پہیوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ انھوں نے قرآن کریم کو اپنی باطل تاویلات کے ساتھ تسلیم کیا اور احادیث سے اعراض کیا۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ پوری دنیائے اسلام نے ہر طرف سے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا علم الکلام اور مختلف فرقوں کی تاریخ شاہد ہے کہ زبان و قلم سے پوری امت نے ایسے فرقوں کو گمراہ قرار دیا اور ان کی ایک ایک دلیل کا عقلی و نقلی جواب دے کر بالکل بے اثر کر دیا چنانچہ اسلام کے سمندر کی سطح کا یہ گرد و غبار اور جھاڑ جھنکاڑ خود اسی کی موجوں کے ہاتھوں باہر نکال پھینکا گیا اور شریعت مطہرہ آج صاف و شفاف اپنی اصلی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور تاریخ کے اس طویل سفر میں پیدا ہونے والے مختلف چھوٹے موٹے فرقوں کا آج ایک فرد بھی موجود نہیں ہے۔ ہم اور آپ جو ان فرقوں کے ناموں سے واقف ہیں وہ بھی اسلامی تاریخ کی بدولت ورنہ ان کی "داستان تک بھی نہ ملتی داستانوں میں" اور بقول مولانا گیلانی رح "معمولی چھوٹے ناپرسان حال فرقوں ہی کا یہ انجام نہیں ہوا بلکہ بعض بڑے منہ زور، صاحب السیف والقلم فرقے مثلاً معتزلہ تک کا یہ حال ہے کہ اس وقت اس فرقے کے کسی آدمی کا ملنا تو دور کی بات ہے، کتب خانوں میں اس مذہب کے عقائد و خیالات کی کوئی خالص کتاب بھی نہیں پائی جاتی لغت یا تفسیر وغیرہ کے سلسلے میں گنتی کی چند کتابیں ہیں ان میں کچھ ان کے خیالات ملتے ہیں یا اہل سنت نے تردید کے لئے ان کے مسلمات کا اپنی کتابوں میں جو ذکر کیا ہے ان سے کچھ ان کے خصوصیات

کا علم حاصل ہوتا ہے[1]۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان فرقوں کا اس طرح صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جانا اور کتاب و سنت کے باہمی ربط کا مسلمانوں میں مسلسل چلا آنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اب تک ہر دور میں جمہور اہلِ اسلام ان دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتے رہے ہیں۔

افسوس کہ اب مغربی تعلیم و تہذیب کے زیرِ اثر یہ وساوس پھر سر اٹھا رہے ہیں اور غیروں میں نہیں بلکہ خود اپنوں[2] میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو مستشرقین یورپ کی طرف کان لگائے رہتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں طوطے کی طرح وہی یہ بھی کہنے لگتے ہیں اور ان کے سفیہانہ اعتراضات کو جو فنِ حدیث پر انھوں نے کئے ہیں ۔۔۔۔ مرعوبانہ ذہنیت کی وجہ سے ۔۔۔۔ اپنا کر فنِ حدیث کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں لیکن دورِ قدیم کے تارکینِ حدیث اور دورِ حاضر کے منکرینِ حدیث میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ وہ فلسفہ اور عقلیت کے اثر سے ۔۔ ایک اصولی غلطی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا لیکن اس دور کا فتنۂ انکارِ حدیث علم و فہم پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ

---

[1] حاشیہ تدوین حدیث صفحہ ۲۰۶۔ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

[2] ع "ظاہر میں تو ہیں اپنے اندر سے خدا جانے" انگریزوں نے جو منصوبہ بنایا تھا افسوس کہ وہ اپنے اس منصوبے میں پوری طرح کامیاب رہا اور جیسا انھوں نے چاہا تھا ویسا ہی ہو کر رہا۔ لارڈ میکالے نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی" (اخبار مدینہ بجنور ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء) آپ غور کر کے دیکھئے کہ کیا یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہو گیا؟ کیا آج ہمارے درمیان ایسے لوگ نہیں ہیں جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہیں لیکن طرزِ فکر ان کا بالکل فرنگی ہے؟ ۔۔۔۔ ع "یہ مدعی اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے" اور یہ کوئی صرف ہمارا ہی دعویٰ نہیں بلکہ خود یہ بھی اس کا اعتراف بلکہ فخریہ اعلان کرتے ہیں کہ ۔۔۔۔

ہم میکدۂ فرنگ کے خرابا تیوں میں سے ہیں۔"

(دو اسلام صفحہ ۳۱ از غلام جیلانی برق)

جنھوں نے ان کی کتابیں اور مضامین دیکھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ فتنہ جہل وعناد اور فرار عن الدین پر مبنی ہے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوجائے اور اسے ایسی صورت میں پیش کیا جائے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہوجائے۔ اسی لئے اب انکارِ حدیث کے لئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کرکے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کردیا جاتا ہے اس لئے ماضی کے تارکینِ حدیث سے حال کے منکرین حدیث کو کوئی نسبت ہی نہیں ؎

ستم کیشی کو تیری کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا
اگرچہ ہوچکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

یہ لوگ اپنے خدایانِ مغرب سے سن کر کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ حدیثیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی سو برس بعد قلم بند ہوئی ہیں اس لئے ان کا کیا اعتبار، کبھی فن اسماء رجال پر بے اعتمادی کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی عقلی حیثیت سے ان پر وار کئے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دین کے بہت سے بنیادی اعمال تک میں ترمیمیں کرنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ بعض ان میں سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر عقائد تک میں کتر بیونت کرنے لگتے ہیں۔

لیکن جس طرح ماضی میں خدا نے ہر باطل فرقے کے مقابلے اور دین وشریعت کی حمایت کے لئے ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا جنھوں نے ان کے ہر تیر کا کامیابی سے مقابلہ کرکے انھیں بے اثر کردیا اسی طرح اس دور میں بھی خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و معمولات کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور بہت سے اہلِ علم نے زبان وقلم سے منکرین حدیث کی ہر بات کا جواب دیا اور ان کی تمام تزویرات وتلبیسات کی قلعی کھول کر رکھ دی ــــــ یہ تو ہوئیں دفاعی خدمات اور اسی کے ساتھ خدائے کارساز نے اپنے مخصوص بندوں کو توفیق دی کہ فنِ حدیث کی مختلف حیثیتوں سے خدمت کریں چنانچہ بفضلہ تعالیٰ آج قدیم سے قدیم تر ذخیرۂ حدیث دنیا بھر سے تلاش کرکے اس پر ریسرچ کی جارہی ہے اور اس کی اشاعت کی جس قدر کوششیں کی جارہی ہیں شاید اس سے قبل اتنے وسیع پیمانہ پر اشاعتِ حدیث کا انتظام نہیں ہوا تھا۔

حجیت حدیث کے چند قرآنی دلائل

منکرین حدیث جس "قرآن" کے متعلق شور مچاتے پھرتے ہیں اور ہر معاملہ میں صرف قرآن ہی کو کافی خیال کرتے ہیں خود وہ قرآن کریم اپنے ماننے والوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو وہ عین دین سمجھیں اور آپ ہی کے طرز زندگی کو خدا کا پسندیدہ طریقۂ حیات تسلیم کریں ارشاد ربانی ہے :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔
(آل عمران آیت ۳۱ - ع ۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (احزاب ۲۱)

تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول کے طرزِ زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ اس کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور آخرت کے دن کی اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

ایک جگہ ارشاداتِ نبوت کو صرف تسلیم کر لینے اور مان لینے کو ناکافی قرار دے کر خدائے تعالیٰ مسلمانوں سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کو کوئی چھوٹا موٹا حکم قرار نہیں دیتا بلکہ مدار ایمان قرار دیتا ہے اور خدائے رب العالمین قسم کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝
(النساء ۶۵)

تیرے رب کی قسم وہ لوگ ہرگز اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھ کو منصف نہ مانیں ان جھگڑوں میں جو ان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں۔ پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی آپ کے فیصلہ کی وجہ

سے اور سر بسر تسلیم کر لیں۔

ایک آیت میں صفائی سے اعلان فرما دیا گیا کہ بندوں کے جس کسی معاملہ میں خدا اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو بندوں کو پھر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (الاحزاب ۳۶)	جب خدا اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو پھر اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

ہم یہاں منکرین حدیث سے سوال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فیصلے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے وہ کہاں محفوظ ہیں؟ اگر وہ محفوظ نہیں ہیں تو ایسے فیصلے جن کے قبول کرنے میں ذرا سی ہچکچاہٹ سے ایمان تک پر حرف آ جائے۔ کیا صحابہ کرام نے یک لخت بھلا دئے؟ لوگ غالب و میر کے اشعار کو حرز جاں بنا کر رکھتے ہیں اور ان کی شرحیں لکھتے تضمین و تخمیس کرتے ہیں ان کے الفاظ کے رد و بدل کے متعلق سیکڑوں بحثیں کر ڈالتے ہیں تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام نے ان کے دنیا سے جاتے ہی ان کی باتوں کو بالکل نا قابل التفات ٹھہرا لیا ہوگا۔ جن باتوں پر وہ ان کی زندگی میں اپنا تن من دھن سب کچھ لٹانا فخر سمجھتے تھے۔ ان باتوں کو انھوں نے اور ان کے شاگردوں نے (نعوذ باللہ) ایک فضول چیز سمجھ کر گنوا دیا ہوگا؟ جس ذات گرامی کو سجدے[1] تک کرنے کی تمنائیں وہ سینوں میں دبائے بیٹھے تھے اس کے پردہ کرتے ہی اس کے فیصلے ان لوگوں کے نزدیک ردی کی ٹوکری کے قابل ہو گئے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟

---

[1] حضرت قیس بن سعدؓ نے آپ کے سامنے اس تمنا کا اظہار کیا تھا (ابوداؤد عن قیس بن سعدؓ احمد عن معاذ اور ایک موقع پر انصار و مہاجرین کی ایک جماعت نے بھی اس تمنا کا اظہار کیا تھا (احمد عن عائشہؓ) یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲ و ۲۸۳ میں یہ روایات دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایک جگہ حصر کے ساتھ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ (النساء ۶۴)	ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت ان کی اطاعت وفرماں برداری کی جائے۔[1]

اور رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کہا گیا ہے ۔

---

[1] اور اس کے بالکل مدمقابل منکرین حدیث کا وہ نعرہ سنیئے جو حمایت قرآن کے خوشنما نام سے لگایا جا رہا ہے لکھتے ہیں۔ "قرآن یہ کہنے آیا تھا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ وہ خود بھی احکام خداوندی کی اطاعت کرتا ہے " (مقام حدیث صفحہ ۲۷)
اس قول کا قائل ہی جانے کہ یہ بات کون سے قرآن میں ہے کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہمیشہ سے ہے اس کا حکم تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اب آپ اس کی حقیقت سنئے کہ یہ بات ایک دوسری آیت کا حلیہ بگاڑ کر تیار کی گئی ہے قرآن مجید کی آیت ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (آل عمران آیت ۸۰)	کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

یہاں صاف طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ کسی انسان کو (خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی) یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی اور عبادت کی دعوت دے اور عبادت و بندگی بھی کونسی ؟ وہ عبادت جو خدا کے لئے ہونی چاہئیے گویا یہ کہا گیا کہ کسی بشر کو خدا بننے کا حق نہیں ــــــ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جو شخص "عبادت" اور "اطاعت" کا فرق بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اسکو قرآن کریم میں موشگافیوں کا حق کیونکر دیا جا سکتا ہے ایسے شخص کا شمار تو قرآن کریم کی تحریف کرنیوالوں میں ہونا چاہئیے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔

اور رسول کی اطاعت کا یہ مقام اس لئے ہے کہ :۔

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۔ (النجم ۳-۴)	وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی[1] ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔

---

[1] خدا کی شان ہے کہ یہی بات ـــــ قرآنی ارشاد ـــــ جو "اہلِ قرآن ہونے کے دعویداروں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے ایک غیر مسلم مصنف اسی بات کو صاف لفظوں میں تسلیم کر لیتا ہے۔

مسٹر طامس کارلائل اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں لکھتے ہیں کہ :۔

" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سرگرم اور پرجوش ریفارمر تھے جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسے شخص کا کلام خود خدائی آواز ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتھک کوشش کے ساتھ حقانیت کی اشاعت کی اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی " (عصرِ جدید ـ ۱۸ اگست ۱۹۲۹ء)

افسوس کہ ہمارے منکرینِ حدیث اپنے "اساتذہ" کی صرف ٹیڑھی ہی باتوں کو لیتے ہیں۔ ایسی باتیں ان کے دل کو نہیں بھاتیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس کی طبیعت ہی میں کجی ہو اس کی سمجھ میں کوئی سیدھی بات آ ہی نہیں سکتی۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے ؎

اذا کان الطباع طباع سوء
فلا ادب یفید ولا ادیب

(جب کسی کی طبیعت ہی فاسد ہو تو نہ کسی ادب (وتمیز کی بات) سے اسے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ کسی معلم ادب (کی ہدایات ہی مفید ثابت ہوتی ہیں۔)

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں کسی طرح کی تقسیم نہیں بلکہ:۔

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر ۷)

رسول نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے پکڑے رہو اور جس سے اس نے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔

اور جو لوگ رسول کی اطاعت سے روگردانی کریں انھیں ان الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (سورۃ النور آیت ۶۳)

پس ڈرنا چاہیئے ان لوگوں کو جو پیغبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس بات سے کہ وہ کسی آزمائش اور فتنہ میں نہ مبتلا ہوجائیں یا ان کو دردناک عذاب آ پکڑے۔

اور یہ اہمیت رسول کے صرف فیصلوں یا اقوال ہی کو نہیں یا جس بات کو وہ امر الٰہی کہہ کر بیان کریں اطاعت صرف اسی کی ضروری نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کا اسوہ پورا کا پورا اہل ایمان کے لئے نمونہ زندگی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (سورۃ الاحزاب ۲۱)

تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول کے طرز زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو امید رکھتا ہو اللہ کی اور آخرت کے دن کی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

یہ اور ان جیسی دوسری آیات صاف بتارہی ہیں کہ رسول کا مقام (معاذ اللہ) صرف ایک پوسٹ مین کا نہیں ہوتا کہ خط پہنچانے کے بعد اس کا اور خط پانے والے کا کوئی واسطہ نہیں رہتا بلکہ وہ ہر طرح مقتدا اور نمونہ اور ایمانی زندگی کا اعلیٰ معیار ہوتا ہے اور جس طرح ہر نظریہ (تھیوری) کے ساتھ عملی نمونہ ضروری ہوتا ہے اور وہ نمونہ بھی اس تھیوری ہی کے مقاصد کی تکمیل سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآنی ہدایات کے ساتھ رسول ایک نمونہ اور مثال بن کر آتا ہے اور جس طرح انجنیرنگ کی کتاب

کسی کے ہاتھ میں دے کر اسے انجنیر بننے کا حق نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ ماہر انجنیر استاد کی نگرانی میں اسکو پوری طرح نہ سمجھ لے اور استاد کی ہر ہر بات کو بے چون وچرا اور بے حیل وحجت تسلیم نہ کرلے۔

اسی طرح کتاب ہدایت بھی کسی کے ہاتھ میں دے کر بغیر شاگردیٔ معلم ہدایت کے اسے ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکتے اور جبتک وہ معلم ہدایت کی تعلیمات وہدایت کو پوری طرح سمجھ کر تسلیم نہ کرلے اسکو کتاب ہدایت کا عالم اور ہدایت یافتہ قرار نہیں دیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ نبی کی ہر ہر بات امت کے لئے واجب الاطاعت ہوتی ہے۔ اس کی خوشی خدا کی خوشی اور اس کی ناراضی خدا کی خفگی ہوتی ہے جو اس کا خدا اس کا اور جو اسے نہ مانے وہ چاہے کتنے ہی بلند بانگ دعوے خدا اور کلام خدا کو ماننے کے کرے ایک منٹ کے لئے اس کا یہ اقرار معتبر نہیں اور سچ یہ ہے کہ آدمی اپنی مصالح کی بنا پر اور مسلم معاشرہ سے کٹی انقطاع برداشت نہ کرسکنے کی مجبوری میں خواہ زبانی صفر آن کو مانتا رہے لیکن حقیقتاً قرآن کا ماننا بغیر اقرار حدیث کے ایسا ہی ہے جیسے کسی کلام کو تسلیم کرکے اس کے مفہوم سے انکار کرنے کی حماقت ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفےٰ بر جاں مسلّم داشتن

حدیث قرآن ہی کی شرح ہے

قرآن کریم باوجود اپنی جامعیت اور جملہ علوم ضروریہ پر حاوی ہونے کے چونکہ زیادہ تر ایمان وعقائد اور اصول دین بیان کرتا ہے اس لیے اس کی حیثیت ایک بنیادی قانون اور دستور اساسی کی ہے اب اسے تفصیلی شکل دینا اور اسکی دفعات کی وضاحت کرنا یہ دراصل حدیث کا کام ہے۔ اور یہ کام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں آپ انہیں وہ مضامین خوب سمجھادیں۔	وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (سورۃ النحل ۴۴)

ہم منکرین حدیث سے سوال کرتے ہیں کہ آخر قرآن کریم کا وہ "بیان و تفسیر کیا ہے اور کہاں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مستقل پر کیا تھا؟ غور کرنے کی بات ہے کہ جب خود قرآن کریم نبی سے اپنی تشریح و بیان کا خواہاں ہے تو ضرور وہ محتاج تشریح و بیان ہے اور بڑے سے بڑا منکر حدیث بھی یہ مانتا ہے کہ قرآن مجید خدائی وعدے کے مطابق پوری طرح محفوظ ہے تو اب سوال یہ ہے کہ ایک "محتاج تشریح کتاب" اگر دنیا میں محفوظ بھی رہی اور اس کی شرح (العیاذ باللہ!) ضائع ہوگئی تو بتائیے کہ اس کتاب کے محفوظ رہنے سے کیا فائدہ؟

جو متن خود اپنے بیان کے مطابق محتاج شرح ہو اگر اس کی شرح ضائع ہوجائے تو بلا شبہ وہ متن بھی باوجودیکہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہے —— ضائع ہونے ہی کے برابر ہے ——

یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے کبھی بھی قرآن مجید کو حدیث سے آزاد ہو کر نہیں دیکھا بلکہ امام اوزاعی نے مکحول سے نقل کیا ہے کہ :۔

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب۔ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر[1])	کتاب اللہ سنت کی اس سے کہیں زیادہ محتاج ہے جتنی کہ سنت کتاب اللہ کی محتاج ہے۔

امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے اس قول کی مراد یہ نقل کی ہے کہ

کان الوحی ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویحضرہ جبرئیل بالسنة التی تفسر ذلک[2]	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس وہ سنت لے کر آتے تھے جو اس (وحی) کی تفسیر کر دیتی تھی۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹ [2] الموافقات ج ۴ ص ۲۶۔ واخرج الدارمی عن محمد بن کثیر عن الاوزاعی عن حسان قال کان جبرئیل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنة کما ینزل علیہ بالقرآن (سنن دارمی ص ۷۷)

نوٹ:۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۵ میں اس روایت کے نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے محمد بن کثیر کے بجائے یحیی بن کثیر لکھا ہے اور یہ قول بجائے حسان کے یحیی بن کثیر کا قرار دیا ہے۔

علامہ شاطبی اس تفسیر کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لان الکتاب یکون محتملا لامرین فاکثر فتاتی السنۃ بتعیین احدھما فیرجع الی السنۃ ویترک مقتضی الکتاب (الموافقات ج ۴ ص ۸)

اس لئے کہ قرآن میں (کبھی) دو باتوں کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا احتمال ہوتا ہے (اور مراد خداوندی متعین نہیں ہوتی) پس حدیث آکر ان میں سے ایک احتمال متعین کر دیتی ہے۔ پس ایسی صورت میں حدیث کے بیان ہی کو خدائی مراد سمجھا جائے گا اور قرآن کے دوسرے احتمالات کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ کوئی عامی سے عامی مسلمان بھی حدیث کو قرآن سے زیادہ درجہ نہیں دے گا لیکن یہاں گفتگو صرف مراد سمجھنے میں ہو رہی ہے اسی کو علامہ شاطبی نے لکھا ہے کہ

فمعنی کون السنۃ قاضیۃ علی الکتاب انھا مبینۃ لہ فلا یوقف علی اجمالہ واحتمالہ وقد بینت المقصود منہ لا انھا مقدمۃ علیہ۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ سنت قرآن کی فیصل ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ قرآن سے مقدم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب سنت کتاب اللہ کی مراد کو بیان کر دے تو اب کتاب اللہ کے اجمال یا اس کے لفظی احتمالات پر عمل نہ کیا جائے گا۔

اس کے بعد علامہ شاطبی نے اسے ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ قرآن نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے لیکن یہ سزا کتنے مال کی چوری پر دی جائے؟ ہاتھ کتنا کاٹا جائے؟ کس قسم کے اور کتنی حفاظت میں سے چرا لینے پر کاٹا جائے؟ اس کا بیان قرآن میں کہیں نہیں سنت نے ان سب سوالات کا جواب دے دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ احکام حدیث سے ثابت کئے گئے ہیں بلکہ —— یہ احکام خود قرآن مجید سے ثابت شدہ ہیں۔ حدیث نے صرف یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہاں یہ تھی —— آخر میں لکھتے ہیں

فکان السنۃ بمنزلۃ التفسیر والشرح لمعانی | پس گویا سنت کتاب اللہ کے

احکام الکتاب۔ (الموافقات ج ۴ ص ۱۰)	احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے۔

حدیث کی یہی حیثیت امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے نقل کی ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمران بن حصین صحابیؓ سے منقول ہے[1]

مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر سے کسی نے کہا کہ "آپ لوگ ہمارے سامنے سوائے قرآن مجید کے کچھ نہ بیان کیا کریں"۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم قرآن مجید کے بدلے میں کوئی چیز نہیں پیش کرتے۔ البتہ ہم اس ذات گرامی (کی تشریحات) کو پیش کرتے ہیں جو ہم سب سے زیادہ قرآن داں تھی[2] (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حافظ ابن کثیر نے فضائل القرآن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ

انما ترک مابین الدفتین یعنی القرآن والسنۃ مفسرۃ ومبینۃ وموضحۃ اے تابعۃ والمقصود الاعظم کتاب اللہ تعالیٰ[3]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کتاب (قرآن مجید) ہمارے لئے چھوڑی ہے جو (جلد کے) دو گتوں میں موجود ہے اور سنت تو صرف اس کے بیان و توضیح کرنے کے لئے ہے اصل مقصود قرآن مجید ہی ہے۔

علامہ ابن سعد نے طبقات میں بطریق عکرمہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کو "خوارج" کے پاس بھیجا تو فرمایا "تم ان کے پاس جاؤ اور مباحثہ کرو مگر دیکھو قرآن کو درمیان میں نہ لانا کیونکہ وہ معانی مختلفہ کو محتمل ہوتا ہے، البتہ سنت سے احتجاج کرنا"۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا "میں تو ان کی بہ نسبت قرآن کو زیادہ جانتا ہوں کیونکہ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ صفحہ ۱۹۱، الموافقات ج ۴ صفحہ ۲۶

[2] الموافقات ج ۴ صفحہ ۲۶

[3] فضائل القرآن لابن کثیر صفحہ ۳۱

وہ ہمارے گھر میں ہی نازل ہوا ہے"۔ حضرت علیؓ بولے" ہاں تم سچ کہتے ہو لیکن القرآن حمال ذو وجوہ یا قرآن میں (اجمال کی وجہ سے) مختلف معانی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ تم بھی کہتے رہو گے اور وہ بھی کہتے رہیں گے فیصلہ کچھ نہ ہو گا اس لئے سنن سے استدلال کرنا وہ اس سے بچ کر کہیں نہیں جاسکیں گے"۔ چنانچہ حضرت ابن عباس نے خوارج سے سنت کی روشنی میں مناظرہ کیا تو وہ لاجواب ہو گئے۔[1]

ملا علی قاری نے لکھا ہے:-

سعادۃ الدارین منوطۃ بمتابعۃ کتاب اللہ ومتابعۃ موقوفۃ علی معرفۃ سنۃ رسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومتابعتہما متلازمان شرعا لاینفک احدہما عن الاخر[2]

دنیا وعقبیٰ کی کامیابی کا راز کتاب اللہ کی تابعداری میں مضمر ہے اور کتاب اللہ کی تابعداری موقوف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آپ کے طرز زندگی کو پہچاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر بس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ازروئے شریعت آپس میں لازم و ملزوم ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

قرآن کے ایک بہت بڑے حصے کا سمجھنا احادیث پر موقوف ہے

غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی بہت بلند شخصیت کا جو پیغام براہ راست عوام کے نام جاری ہوتا ہے اور تخاطب براہ راست عام لوگوں سے ——— ہوتا ہے۔ اس کے مضامین اور اس کی عبارت میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اسے ہر شخص سمجھ سکے اور کسی بات کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہ محسوس ہو لیکن جو پیغام اس بلند شخصیت کے کسی قریبی تعلق والے اور اس کے واقف اسرار و محرم راز انسان کے واسطے سے لوگوں کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ اس کے مضمون اور عبارت میں اس بات کا زیادہ لحاظ نہیں ہوتا بلکہ مضمون اس مخاطب اولیں کی سطح

---

[1] فہم قرآن از محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی صفحہ ۹۵

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۱۲

ذہن کے لحاظ سے سمجھا جاتا ہے اور یہ اس اعتماد پر کیا جاتا ہے کہ لوگ اگر کسی بات کے سمجھنے میں دقت محسوس کریں گے تو اس مخاطب اول سے سمجھ لیں گے۔

اب یہ سمجھیئے کہ "قرآن مجید" خدا تعالیٰ کا انسانوں کے نام ایک پیغام ہے۔ لیکن کیا پہلی طرح کا ہے؟ — نہیں۔ بلکہ یہ پیغام دوسری قسم کا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے :۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ۴۴)	اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں آپ انھیں وہ مضامین خوب سمجھادیں اور تاکہ وہ (خود بھی) ان میں غور و فکر کیا کریں۔

یہاں الفاظ میں غور کیجئے کہ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں) سے پہلے ارشاد ہے اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ (ہم نے آپ پر اتارا ہے) یعنی یہ مضامین بھیجے انسانوں ہی کے پاس ہیں۔ لیکن براہ راست نہیں بلکہ آپ کے ذریعہ اور یہ ذریعہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ آپ لوگوں کو سمجھا دیں۔

قرآن مجید کو اگر ہر شخص سمجھ سکتا اور کسی کے سمجھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو ان چیزوں کی کوئی حاجت نہ تھی۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ کے ذریعہ خود انسانوں کو بھی غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے لیکن گفتگو تو اس میں ہے کہ اس سے قبل نمبر اول پر جو کچھ بیان ہوا ہے اسے کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ہم یہاں چند مثالیں ایسی پیش کرتے ہیں کہ بغیر حدیث کی مدد کے بہت سی آیات قرآنی کا مفہوم و مطلب مبہم اور بڑی حد تک تشنہ رہ جائے گا مثلاً :۔

(۱) فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ (البقرہ، آیت ۵۹)	جنھوں نے ظلم کیا تھا انھوں نے بدل ڈالے کچھ کلمات جو خلاف تھے ان کلمات کے جو انھیں بتائے گئے تھے۔

قرآن نے وہ کلمات تو ذکر کئے ہیں جن کے کہنے کا انھیں حکم ہوا تھا وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی

جب دروازے میں داخل ہو تو حِطَّةٌ (اے اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) کہنا۔ لیکن ان احمقوں اور گستاخوں نے انھیں بدل کر کیا بنا ڈالا تھا؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ حدیث نے بتایا کہ انھوں نے بجائے "حِطَّةٌ" کے "حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ" کے مہمل کلمات بکنا شروع کر دئے تھے۔[1]

(۲) وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر ۸۷)	ہم نے آپ کو "سبع مثانی" عطا کیں اور قرآن عظیم دیا۔

یہ "سبع مثانی" کیا چیز ہے؟ حدیث نے بتایا کہ "سبع مثانی" سورۂ فاتحہ ہے۔[2]

(۳) وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ (التوبہ ۱۱۸)	اور ان تین شخصوں پر (بھی اللہ کی مہربانی ہوئی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا۔

یہاں یہ تفصیل درکار ہے کہ یہ تین شخص کون تھے؟ ان کا کیا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا؟ کیوں رکھا گیا تھا؟ مہربانی ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ تمام تفصیلات اگر حدیث نہ بیان کرے تو کیا محض قرآنی الفاظ سے یہ سب سوالات حل ہو سکتے ہیں؟

(۴) وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ (انفال آیت ۷)	اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے قبضے میں آجائے گی۔

صرف قرآنی آیات سے یہ بات کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی کہ یہ دو جماعتیں کونسی تھیں؟ دوسرے اس آیت میں جو "وعدہ" کا لفظ ہے یہ خود کوئی وعدہ نہیں ہے بلکہ ایک وعدے کی یاد دہانی ہے۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اگر کہیں نہیں ہے ـــــ اور یقیناً نہیں

---

[1] بخاری و مسلم والترمذی عن ابی ہریرۃؓ ـــــ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۹۹)

[2] اخرجہ البخاری والترمذی عن ابی ہریرۃؓ ـــــ (الاتقان للسیوطی ج ۲ صفحہ ۱۹۷)

ہے ـــــ تو ماننا پڑے گا کہ کسی اور قسم کی وحی کے ذریعہ آپؐ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا ـــــ ہم اسی وحی کو "وحی خفی" یا "حدیث نبیؐ" کہتے ہیں۔

(۵) إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ۔ (الانفال ۴۲)

اور جب تم میدان کے قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ میدان کے دور والے کنارے پر تھے۔ اور وہ قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) تھا۔

کیا حدیث کی مدد کے بغیر اس واقعہ کی تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں؟ اور دور و نزدیک کے کناروں کا جغرافیہ سمجھا جا سکتا ہے؟

(۶) إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ (التوبہ ۴۰)

اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کہ کافروں نے آپ کو جلاوطن کر دیا تھا۔ جبکہ آپؐ دو آدمیوں میں سے ایک تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ کچھ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کیا اقرار سنت سے محروم انسان بتا سکتا ہے کہ یہ کہاں سے نکالے جانے کا ذکر ہے؟ اور یہ ساتھی کون تھا؟ کہاں کے غار میں چھپے ہوئے یہ گفت و شنید ہو رہی تھی؟ جس کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول اللہ ہے وہ فوراً بتا دے گا کہ جلاوطنی مکہ معظمہ سے ہوئی تھی اور یہ غار "غار ثور" تھا اور یہ خوش نصیب انسان آپ کے رفیق سفر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

(۷) لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ

جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے

فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا (توبہ آیت ۱۰۸)	جوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔

یہ کس مسجد کا ذکر ہے؟ اور جن لوگوں کی تعریف کی جا رہی ہے یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی طہارت پسندی کا کیا امتیاز تھا جس کی وجہ سے یہاں اسے سراہا گیا ہے؟ کیا "صرف قرآن کافی ہے" کی رٹ لگانے والے اس کا جواب صرف قرآن سے دے سکتے ہیں۔؟

مُبَیِّنِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ان سب کے جوابات موجود ہیں۔

(۸) وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا۔ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا (احزاب ۲۶-۲۷)	اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا۔ تم بعض کو قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔ اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر کبھی تمہارے قدم نہیں پڑے تھے۔

اس آیت میں کئی باتیں توضیح طلب ہیں جن کی وضاحت کا کوئی ذریعہ روایات حدیث کے علاوہ نہیں ہے۔

(۹) فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (احزاب ۳۷)	پھر جب زید کا اس عورت سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔

کیا روایات سے قطع نظر کر لینے کے بعد واقعہ کی پوری تفصیل معلوم کرنے کا کوئی اور راستہ ہے؟ یہ زید کون ہیں؟ کون ان کی بیوی تھیں؟ آپ سے نکاح کر دینے کی کیا صورت پیش آئی تھی؟ یہ سب باتیں جانے بغیر آیت کا مطلب پوری طرح واضح

نہیں ہوتا۔

(۱۰) عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (سورۃ عبس آیت ۱-۲)	(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بجبیں ہو گئے اور منہ موڑ لیا اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا شخص آیا۔

کیا صرف آیات قرآنی کے سیاق وسباق سے یہ پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ یہ نابینا شخص کون تھے؟ اور جن لوگوں کی طرف آپ متوجہ تھے جس کا اگلی آیات میں تذکرہ ہے یہ کون لوگ تھے؟ روایات سے اس کی تفصیل معلوم ہوئی کہ آپ سرداران قریش سے گفتگو میں مصروف تھے اور امید بندھ رہی تھی کہ شاید اسلام کی بات ان کے دل میں اتر جائے۔ اتنے میں نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتومؓ آئے اور کچھ پوچھنے لگے۔[1]

(۱۱) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ۔ (البقرہ آیت ۲۵۸)	کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے بارے میں۔

قرآن مجید میں "اس شخص" کا کہیں تذکرہ نہیں۔ روایات سے معلوم ہوا کہ یہ شخص نمرود بادشاہ تھا۔[2]

(۱۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ (البقرہ ۲۰۴)	لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے پسند آتی ہے اور وہ اپنے ما فی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے۔ حالانکہ وہ آپ کی مخالفت کرنے میں بہت سخت ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۴۷۰

[2] الاتقان ج ۲ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶، و عام کتب تفسیر۔

کیا روایات کو یکسر نظر انداز کردینے کے بعد محض قرآن کی مدد سے اس مبہم شخص کا پتہ چل سکتا ہے؟ قرآن مجید کے مخاطبوں نے روایات ہی کی مدد سے جانا کہ یہ شخص اخنس بن شریق ہیں جو بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ یاب ہوئے اور بڑی اچھی اسلامی زندگی گذاری۔[1]

(۱۳) اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (البقرہ ۲۵۹)	یا اس کی طرح جو گذرا ایک بستی سے ایسی حالت میں کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گرے پڑے تھے۔

یہ محض تمثیل ہے یا کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ اگر یہ کوئی واقعہ ہے تو کس شخص کا ہے؟ اس کی تفصیل کیا روایات سے قطع نظر کرکے جانی جاسکتی ہے؟

(۱۴) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ ۲۰۷)	اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں۔

یہ آیت مشہور صحابی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی[2] لیکن یہ بات روایات سے اعتماد اٹھا لینے کے بعد بھی کہیں سے جانی جاسکتی ہے؟

(۱۵) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّىْ وَلَا تَفْتِنِّىْ۔ (التوبہ ۴۹)	اور ان میں وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیدیجئے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے۔
(۱۶) وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِىَّ۔ (الاحزاب ۱۳)	اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے۔

[1] الاتقان ج ۲ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶

[2] الاتقان ج ۲ صفحہ ۱۴۶

(۱۷) وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ (التوبہ ۵۸)	اور ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔
(۱۸) إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ (النمل ۲۳)	میں نے پایا ایک عورت کو کہ بادشاہی کرتی ہے ان پر۔
(۱۹) وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ (الاحقاف ۱۰)	اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا۔
(۲۰) قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ۔ (المجادلۃ-۱-)	بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی۔
(۲۱) وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا۔ (التحریم ۳)	اور جب کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ایک بیوی سے چپکے سے ایک بات فرمائی۔
(۲۲) حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (البقرہ ۲۳۸)	پابندی کرو تم نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)
(۲۳) إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ (الکوثر)	بے شک تیرا دشمن ہی بے نام ونشان رہ گیا۔

ان آیات میں سے آیت ۱۵ و ۱۶ میں یہ اجازت مانگنے والے کون ہیں؟ ۱۷ میں یہ پیغمبر علیہ السلام پر طعن کرنے والے کون گستاخ تھے؟ یہ ملکہ کون تھی؟ بنی اسرائیل میں کے گواہی دینے والے یہ کون صاحب ہیں؟ یہ غریب دکھیاری خاتون کون تھی اور کس کی بیوی تھی؟ وہ معاملہ کیا تھا جس میں وہ جھگڑ رہی تھی؟ نبی علیہ السلام کی یہ کونسی بیوی تھیں اور چپکے سے ان سے کیا بات فرمائی گئی تھی؟ صلوٰۃ وسطیٰ سے کونسی نماز مراد ہے؟ یہ قہر الٰہی کا نشانہ دشمن حبیب خدا

کون بدبخت ہے؟

یہ اور ان جیسے بہت سے سوالات جن میں سے بعض نہایت اہم بھی ہیں کیا روایاتِ حدیث سے بے نیاز ہو کر محض قرآن مجید کی مدد سے حل کئے جا سکتے ہیں؟ اگر پورے قرآن مجید پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو نہ معلوم کتنے مقامات اور ایسے ملیں گے جن کے سمجھنے کے لئے حدیث کی رہنمائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں بلکہ یوں کہئے کہ شاید ہی کوئی ایسا مقام ملے جسے حدیث کی مدد کے بغیر پوری طرح سمجھا جا سکے۔

حدیث کے شرحِ قرآن ہونے کی ایک اور صورت

اور یہ تو آیات کی مرادیں سمجھنے کی بات تھی اب آپ قرآنی احکام پر نظر ڈالئے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے بنیادی احکام تک کی تفصیلات قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ حلال و حرام کے متعلق قرآن نے ایک ضابطہ یہ بیان فرما دیا کہ طیبات تمام حلال ہیں اور خبائث حرام ہیں لیکن طیبات و خبائث کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے کہ کیا کیا چیزیں طیبات میں شمار ہوں گی اور خبائث کا مصداق کون کون سی چیزیں ہیں۔ پینے کی چیزوں میں قرآن نے وہ تمام چیزیں حلال قرار دی ہیں جو نشہ آور نہ ہوں اور مضر صحت نہ ہوں لیکن بعض چیزیں جو ایسی ہیں کہ اگر تھوڑی مقدار میں پی جائیں تو نشہ پیدا نہیں کرتیں اور زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ پیدا کرتی ہیں انھیں کونسی قسم میں شمار کیا جائے؟ حدیث نے بتا دیا کہ ایسی چیزیں بھی اسی دوسری قسم میں شامل ہیں:-

مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن جابرؓ)[1]

جن چیزوں کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہیں۔

ان کے علاوہ تمام عبادات و معاملات کے بہت سے پہلو[2] ایسے ہیں جن کی تفصیلات

---

[1] مشکوٰۃ باب بیان الخمر صفحہ ۳۱۷ والجامع الصغیر۔

[2] علامہ سیوطی نے الاتقان میں کئی ایسے احکام بیان کئے ہیں جو قرآن میں عام ہیں اور حدیث نے ان میں تخصیص کی ہے اور وہ تخصیص ناگزیر تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۶ تا صفحہ ۱۸ (مصطفیٰ البابی الحلبی مصر سنہ ۱۳۷۰ھ)

معلوم کرنے کے لئے سوائے سنت کے دوسرا راستہ نہیں ہے ایسی حالت میں سنت کا انکار درحقیقت ان تمام عبادات و معاملات اور جملہ توضیح طلب اصول و ضوابط کا انکار ہے۔ بلکہ ملا علی قاری نے تو لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ المعترض عنہ معترض عن القرآن یعنی حدیث سے اعراض کرنے والا درحقیقت قرآن ہی سے منہ موڑتا ہے۔[1] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

من بلغہ عنی حدیث فکذب بہ فقد کذب ثلاثۃ اللہ ورسولہ والذی حدث بہ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن جابر)[2]	جسے میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اسے (جھٹلایا) تو اس نے تین کو جھٹلایا اللہ کو اس کے رسول کو اور اس حدیث بیان کرنے والے کو۔

درحقیقت "منکرین حدیث" حدیث کا انکار کر کے ایک نہایت خطرناک دلدل میں پھنس گئے ہیں اور انھیں اس کا اندازہ نہیں ہے کہ انکارِ حدیث درحقیقت انکارِ قرآن کے مترادف ہے۔ سہ

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

صحابہ کرام باوجود اہلِ زبان ہونے کے بہت سی آیات کا مطلب بغیر آپ کی رہنمائی کے نہیں سمجھ سکے۔	کیا حیرت و تعجب کا مقام نہیں ہے کہ ایک خالص عجمی شخص قرآن فہمی کے لیے چند عربی الفاظ کے ترجمے جان لینے اور عربی عبارتوں کا الٹا سیدھا

مفہوم سمجھ لینے کی صلاحیت کو بالکل کافی سمجھے جبکہ خالص عربی النسل، اور ان میں بھی عرب کے اونچے قبائل سے تعلق رکھنے والے، ہدایات وحی، اسوۂ رسول کے زیر تربیت رہنے اور نزولِ قرآن کی فضا اور ماحول میں پلنے والے اپنی زبان، اپنے محاورات کے مطابق اور اپنے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۱۹۵

[2] مجمع الزوائد ج اول صفحہ ۱۴۸

ہی شب و روز کے حالات کے متعلق نازل شدہ قرآن کا مطلب سمجھنے کیلئے نبی علیہ السلام کی رہنمائی کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہوں؟

ہم یہاں مثال کے طور پر صرف چند ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ کسی آیت کا مطلب صحابہ کرام رضؓ نے غلط سمجھ لیا تھا اور آپؐ نے اس کی تصحیح کی یا کسی آیت کا مطلب سمجھ ہی نہ سکے اور آپؐ نے اس کا مطلب سمجھایا یا کسی آیت سے کوئی شبہ پیدا ہوا اور آپؐ نے وہ دور فرما دیا۔

(۱) جب روزے کے احکام میں یہ آیت نازل ہوئی :-

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (البقرہ ۱۸۷)	اور کھاتے پیتے رہو (سحر میں) یہاں تک کہ تمہارے سامنے صبح کا سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے ممتاز ہو جائے۔

یہاں کالے ڈورے سے رات کی تاریکی اور سفید ڈورے سے صبح صادق کا نور مراد تھا لیکن عدی بن حاتم صحابیؓ کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے دو دھاگے ایک سیاہ دوسرا سفید لئے اور رات کو تکیہ کے نیچے رکھ کر سو گیا اور سحر کے وقت ان دونوں کو دیکھتا رہا جب اتنی روشنی پھیل گئی کہ دونوں دھاگوں کا رنگ الگ الگ محسوس ہونے لگا تو میں کھانے پینے سے رک گیا۔ صبح دن چڑھے میں سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب ماجرا سنایا آپؐ نے (مزاحیہ انداز میں فرمایا "اچھا! تمہارا تکیہ بڑا طویل و عریض ہے" (کہ شب کی تاریکی اور صبح صادق کی روشنی کو محیط ہو گیا) پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس سے رات کا اندھیرا (یعنی صبح کاذب) اور دن کا اجالا (یعنی صبح صادق مراد ہے۔ [۱]

اور ایک عدی بن حاتم رضؓ ہی اکیلے کیا کتنے ہی صحابہ کرام نے اس آیت کا یہی مطلب سمجھا اور

---

[۱] مسند احمد عن عدی بن حاتم ــــــ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۲۱)

سمجھا بھی کیسا کوئی شک وتردد ہی نہ رہا اور پیر کے انگوٹھوں میں سیاہ و سفید دھاگے باندھ کر سحری کھاتے تھے[1]

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ تمام صحابہ کرام نے قرآن کے ایک ایسے مفہوم کو چھوڑ دیا جوان کے نزدیک اس کی ظاہر مراد تھی اور جس کو خدا نے قرآن کا بیان کرنے والا (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا ہے۔ اس کی بات کو اپنے سمجھے ہوئے مفہوم کے مقابلہ میں قبول کر لیا اور آگے بھی ہم اس کی متعدد مثالیں ذکر کریں گے اور پھر اسی گروہ کو قرآن "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا خطاب دے کر اپنی رضامندی کی سند دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی طریقہ خدا کا پسندیدہ طریقہ ہے۔

(۲) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام ۸۳)

جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان میں کسی قسم کے ظلم کی ملاوٹ نہیں ہونے دی۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے امن ہے اور وہی لوگ راہ راست پر چل رہے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے سنتے ہی گھبرا اٹھے اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم میں ایسا کون ہوگا جس سے ایمان لانے کے بعد کوئی ظلم یا کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو؟ اس آیت کے بموجب تو ہم میں سے کوئی بھی مستحق امن اور راہِ حق پر گامزن نہیں ٹھہرتا۔ آپ نے صحابہؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہاں ظلم سے ہر چھوٹی بڑی کوتاہی مراد نہیں بلکہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اور سب ظلموں سے بڑا ظلم "شرک" مراد ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "شرک" کو "ظلم" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان ۱۳) (شرک بہت بڑا ظلم ہے) یہ جواب سن کر صحابہ کرامؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور شک وشبہ دور ہو گیا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری عن سہل بن سعدؓ ۔۔۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۲۱) [2] صحیح بخاری

(۳) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ اَحَدٌ يُّحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا هَلَكَ	قیامت کے دن جس سے حساب لیا گیا (سمجھو کہ) بس وہ مارا گیا۔

حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ قرآن حکیم تو یہ کہتا ہے:۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ (الانشقاق، ۸)	پس (اس روز) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ باوجود حساب کے بھی تباہ نہ ہوں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ يَهْلِكْ۔ (بخاری ومسلم عن عائشہؓ)[1]	یہ تو صرف پیشی ہوگی ورنہ جس سے حساب میں پوچھ تاچھ ہوئی وہ مارا گیا۔

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شک رفع ہو گیا۔

(۴) جب آیت:۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔ (النساء ۱۲۳)	جو شخص کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

نازل ہوئی تو حضرت عائشہؓ کو تشویش ہوئی کہ کوئی نہ کوئی قصور تو ہر شخص سے ہو ہی جاتا ہے تو اس آیت کی رو سے تو ہر شخص سزا کا مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں "بدلہ" سے جہنم کا عذاب سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ جو تکلیفیں دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں وہ بھی اس کی

---

[1] مشکوٰۃ باب الحساب صفحہ ۴۸۴ نیز تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۴۸۸

کوتاہیوں کا بدلہ بن جاتی ہیں[1]

(۵) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (التوبۃ۔ ۳۴)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اسے سن کر صحابہ کو بہت فکر ہوئی۔ اس لیے کہ اگرچہ ان میں بیشتر غریب تھے لیکن کچھ مالدار بھی تھے ان کے پاس سونا چاندی جمع بھی رہتا تھا اور قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو سخت عذاب ہوگا۔ اس لیے انہوں نے آپؐ سے استفسار کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آیت کا یہ مطلب ہے ہی نہیں جو تم نے سمجھ لیا ہے (کہ سونا چاندی اپنے پاس رکھنا جمع کرنا ہے) بلکہ جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے اس پر "کنز" اور جمع کر رکھنے" کی تعریف صادق نہیں آتی۔[2] آپؐ نے ان کی مزید تسلی کے لیے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ بِهَا مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اسی لیے تو لازم کی ہے کہ زکوٰۃ کے بعد بچا ہوا تمہارا باقی مال پاک صاف ہو جائے۔

اگر شریعت میں مطلق مال کا جمع کرنا حرام ہوتا تو میراث کی آیت کا کیا مطلب؟ (حدیث) مال کی تقسیم کا قانون بیان کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حد تک مال کا جمع کرنا بھی شریعت کی نظر میں جائز ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کا شبہ دور ہو گیا اور مال جمع کرنے کی حدیں انھیں معلوم ہو گئیں۔

---

[1] رواہ الترمذی عن علی بن زید عن امیۃ عن عائشہؓ (مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض۔ ص ۱۳۶)

[2] اسی مضمون کی ایک روایت سنن بیہقی میں بھی ہے کہ "جس مال کی زکوٰۃ ادا کی جاتی رہے وہ "کنز" نہیں ہے خواہ زمین میں دفن ہو اور جس مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی جاتی وہ "کنز" ہے خواہ وہ زمین کے اوپر ہو" (جامع صغیر عن ابن عمرؓ)۔

(۹) سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی نے وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کا مطلب پوچھا آپ پر سوال سنتے ہی ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور بولے :-

ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم[۱]	میں کس آسمان کے نیچے سر چھپاؤں گا اور کس زمین میں پناہ لوں گا اگر میں خدا کی کتاب کے متعلق کوئی ایسی بات کہوں جو میں جانتا نہیں۔

ہمارا مقصود اس طرح کی چیزوں کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ مثال کے طور پر ایسے چند واقعات ذکر کیے گئے کہ خود صحابہ کرام بھی محض آیات قرآنی سن کر مراد الٰہی سمجھنے سے بہت سی جگہ قاصر رہتے تھے، جب ان لوگوں کا یہ حال ہے تو کسی اور کا یہ کہنا کہ صرف کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے دیوانگی نہ قرار دیا جائے تو اسے اور کیا کہا جائے؟

خود قرآن نے سنت کو مثبت احکام مانا ہے

قرآن مجید میں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی واقعہ یا کسی اور سلسلے میں ایک دینی عمل کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل نزول قرآن کے زمانے میں ایک دینی عمل کی حیثیت سے رائج تھا حالانکہ قرآن مجید میں کہیں اس عمل کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اس لیے یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہوا تھا۔ اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے[۲] یہاں مزید چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :-

(۱) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ۔ (البقرہ ۱۴۳)	جس قبلہ پر تو پہلے تھا وہ قبلہ ہم نے مقرر ہی اس لیے کیا تھا تاکہ کھل کر سامنے آجائے اور معلوم ہو جائے کہ کون رسول کا تابع رہے گا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا اسلام میں ایک دوسرے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف بھی نماز پڑھی گئی ہے۔ قرآن کریم میں کوئی آیت ہرگز ایسی نہیں بتائی جاسکتی۔ جس میں بیت المقدس کی طرف نماز

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۲۶ - و اخرجہ ابو عبید فی الفضائل - الاتقان ج ۱ ص ۱۱۳ - [۲] دیکھیے ص ۱۰۰

پڑھنے کا حکم ہو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہوا تھا اور اُس وقت کی امت مسلمہ اس پر تا حکم ثانی عمل پیرا رہی ـــ اور مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرانے حکم کو ماجعلنا کے الفاظ کے ذریعہ خود اپنا فعل بتایا ہے کہ ہم نے قبلہ ہم نے مقرر کیا تھا معلوم ہوا ـــ اور نصِ قرآنی سے معلوم ہوا ـــ کہ جو عمل سنت سے ثابت ہو وہ بھی خدا ہی کا حکم ہے۔

(۲) جنگ احد میں مشرکین جب شکست کھا کر بھاگے تو کچھ دور چل کر دوسرے ہی دن راستہ میں انھیں اپنی شکست خوردگی پر ندامت ہوئی اور انھوں نے پھر واپس ہو کر اہل اسلام کا کام تمام کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی۔ آپ نے تمام غازیوں کو حکم دیا کہ مشرکین کا پیچھا کرنا ہے، صحابہ کرام زخموں سے چور تھے مگر حکم سنتے ہی فوراً تیار ہو گئے۔ انہی مجاہدین کی تعریف میں آیت ذیل نازل ہوئی[۱] :-

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ۔ (آل عمران ـــ ۱۷۲)	جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ وہ زخم کھا چکے تھے۔

قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں ان مجاہدین کو دوبارہ مشرکین کا پیچھا کرنے کا حکم دیا گیا ہو حالانکہ خدا تعالیٰ اس تعمیل حکم کو اپنے حکم کی تعمیل قرار دے رہا ہے۔ کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی دراصل خدا ہی کا حکم ہوتا ہے۔

(۳) وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ (الانفال ۷)	اور تم وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے قابو میں آجائے گی۔

یہ جنگ بدر کے واقعات کا بیان ہے، ہمیں یہاں اس سے صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ وعدہ جو خدا نے کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے کسی ایک پر تمہیں قابو حاصل ہوگا۔ قرآن کریم میں کہیں اس کا وجود نہیں ہے۔ یہ وعدہ بلاشبہ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۴۲۸۔

نبی علیہ السلام کی زبانی کرایا گیا تھا جسے خدا صاف لفظوں میں اپنا وعدہ قرار دے رہا ہے۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ خدا اپنے بندوں سے بہت سی باتیں نبی کی زبانی بھی کرتا ہے جو بلاشبہ خدا ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔

(۴) اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ (الانفال ۹)	جب تم فریاد کرنے لگے تھے اپنے رب سے تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچا کہ میں تمہاری مدد کروں گا پے در پے ہزار فرشتوں کے ذریعہ۔

یہاں خدا تعالیٰ جس فریادرسی کا تذکرہ کر رہا ہے قرآن مجید کی کسی آیت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زبانِ نبوت سے یہ وعدہ کیا گیا تھا اور خدا تعالیٰ اس وعدے کو اپنا وعدہ قرار دے رہا ہے۔

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے ان الفاظ میں روکا گیا ہے:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ (التوبہ ۸۴)	اور ان میں کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ مشروع ہو چکی تھی لیکن قرآن کریم کی کسی آیت سے اس کا ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ نماز جنازہ، سنت کے ذریعہ مشروع ہوئی تھی۔

(۶و۷) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔ (المائدہ ۵۸)	اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے (اذان دیتے) ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ عقل سے کورے ہیں۔

یہاں اذان کا ذکر بطور حکایت کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے

اذان مشروع ہو چکی تھی حالانکہ کسی آیت قرآنی سے اذان کی مشروعیت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کو آنے کی ترغیب کے دوران اذان جمعہ کا ذکر آیت ذیل میں بطور امر ثابت کے کیا گیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ (الجمعہ ۹)	اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (و دیگر مشاغل) چھوڑ دیا کرو۔

(۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات (جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی اور تاکید کر دی کہ کسی سے اس کا اظہار نہ ہو حضرت حفصہ نے اس کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا آپ نے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا۔ چونکہ یہ بات روئے زمین پر کسی تیسرے کو معلوم نہ تھی کہ بات حضرت عائشہ تک پہنچ گئی ہے اس لئے حضرت حفصہ کو تعجب ہوا اور کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا؟ ممکن ہے حضرت عائشہ کی طرف خیال گیا ہو۔ آپ نے جواب دیا ـــــ اور قرآن نے آپ کا یہ جواب نقل کیا ہے[۱] ـــــ کہ:۔

قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ (التحریم ۳)	مجھے (اللہ) علیم و خبیر نے اطلاع دی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اطلاع کیا قرآن میں اتاری تھی؟ قرآن کے تیسوں پاروں میں کہیں اس کا نام و نشان نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی سے قرآن کے علاوہ بھی "رسل و رسائل" اور "پیام و کلام" کا ایک سلسلہ رکھتا ہے جس کو علماء شرع کی اصطلاح میں "وحی خفی" یا "سنت" کہتے ہیں۔ اور اسی (وحی الٰہی ہونے ہی کی) وجہ سے "سنت" سے ثابت ہونے والے احکام کو تمام بندے بھی خدائی حکم ہی سمجھتے ہیں اور ان کا خدا بھی ایسے تمام احکام کو اپنا ہی حکم قرار دیتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ہم خدا اور اس کے رسول، اور جمہور اہل اسلام کی مانیں، یا متاع علم سے بے بہرہ ان چند جمہور بیزار لوگوں کی سنیں جو اپنے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۳۸۶ و صفحہ ۳۸۷ و دیگر کتب تفسیر۔

خداوندانِ مغرب کی لے میں لے ملا رہے ہیں؟ اور پھر کسی دلیل و حجت سے نہیں بلکہ صرف مغرب زدگی اور باطل پرستی کے زعم میں جو کسی طرح لائق توجہ نہیں ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ[1]

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حجیت حدیث کا ایک اور قرآنی ثبوت نبی کریم کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

اِئْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (الاحقاف آیت ۴)	لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی علم جو منقول چلا آتا ہو اگر تم سچے ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ ان مشرکین سے حجت طلب فرماتا ہے کہ تم جو بتوں کو میرا شریک ٹھہراتے ہو اس پر تمہارے پاس کیا حجت و دلیل ہے؟ کتاب یا آثارِ علمی۔ بہرحال ان دونوں میں سے کوئی چیز بطور دلیل پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب منزّل کے ساتھ ہی آثارِ علمی بھی حجت ہیں اور یہ آثارِ علمی یقیناً کتاب سے الگ کوئی چیز ہیں جو خدا کی نظر میں حجت ہیں۔

یہاں کتاب سے تو مراد وہی کتاب ہے جو گذشتہ انبیاء پر نازل ہوئی لیکن بتایا جائے کہ یہ آثارِ علمی کیا چیز ہیں؟ بلاشبہ یہ آثارِ علمی وہ احادیث و آثار ہیں جو انبیاء سابقین سے بطور خبرِ واحد لوگوں کی زبانی نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ای او علم صحیح توثرونہ عن احد ممن قبلکم[2]	یعنی (یا تو کتاب پیش کرو اور یا) کوئی ایسا صحیح علم پیش کرو جو تمہارے پہلوں سے منقول چلا آرہا ہو۔

---

[1] یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی (ہدایت) کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر لوگ (کتنا ہی) ناپسند کریں۔ (الصف - ۸)

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۱۵۰ یہی امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں اور یہی خود حافظ ابن کثیرؒ کی رائے ہے۔

اور یہ آثار علمی بالکل وہی چیز ہے جسے ہم آثار یا احادیث کہتے ہیں اور جس کا حجت ہونا گو نام نہاد "اہل قرآن" نہ مانتے ہوں مگر خود "قرآن" اور نازل کنندۂ قرآن (جل و علیٰ) مانتا ہے۔

رسول کا مقام

منکرین حدیث کی دراصل کوئی ایسی منظم جماعت یا پارٹی نہیں ہے کہ ان کا کوئی طے شدہ نصب العین ہو اور ہر شخص پر اس کی پابندی ناگزیر ہو بلکہ جس طرح کسی حکومت سے بغاوت کرنے والے بہت سے لوگ ہو جائیں اور انھیں باغیوں کی جماعت کہا جانے لگے محض اس لئے کہ رشتۂ بغاوت میں وہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اسی طرح یہ چند ان بدنصیب اور علم و بصیرت سے محروم لوگوں کی ٹولی ہے جو جمہور اہل اسلام سے بغاوت کر کے اپنی الگ من مانی زندگی گذارنا چاہتی ہے اور جن کے لئے چودہ سو سال پہلے کی نبوی پیشن گوئی کا صادق آنا مقدر ہو چکا ہے اس لئے کسی ایک کی بات کو یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بات تمام منکرین حدیث کی رائے ہے تاہم ان کے بیانات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ان کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

پہلی قسم تو وہ ہے جو رسول کی ضرورت اور رسالت و نبوت کی اہمیت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتی۔ انھیں تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول کی ضرورت کا قطعاً انکار ہے۔ ان کے نزدیک یہ تمام ذخیرہ جس پر امتِ مسلمہ کے ہزاروں لاکھوں قیمتی دماغ صرف ہوئے اور پوری امت کے مایہ ناز افراد کی زندگیاں جس کے لئے وقف ہوئی ہیں یہ تمام کا تمام رہے یا فنا ہو جائے دونوں برابر ہیں۔ ان کے نزدیک رسول کے بتائے ہوئے کسی ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو اس قدر کھلی بغاوت کی تو جرأت نہیں کر سکی اس لئے اس نے اسی بات کو ذرا اینچ پینچ سے کہا۔ انھوں نے امتیوں کے حق میں رسول کے ارشادات اور اس کے اسوۂ زندگی کو موثر تو مانا ہے لیکن وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور آپ کے ارشادات ہم تک صحیح طور پر نہیں پہنچ سکے۔ اور حدیث کے نام سے جو ذخیرہ ہے (نعوذ باللہ

وہ تمام جھوٹے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ارشادات آپ کے معمولات کو ہم حجت تسلیم کرتے ہیں اور بے شک وہ واجب الاتباع ہیں لیکن وہ محفوظ نہیں رہ سکے اس لئے ہم صرف قرآن ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے گروہ نے جو بات سادگی سے صاف صاف کہہ دی تھی اس دوسرے گروہ نے وہی بات ذرا فنکاری کے ساتھ کہی ہے لیکن بات ایک ہی ہے۔ نتیجہ دونوں کا یہی نکلتا ہے کہ ــــ "اب ہمارے پاس عمل کے لئے صرف کتاب اللہ ہی ہے اور بس"۔

اس عنوان کے تحت دونوں ہی قسموں کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا ــــ ہماری اس کوشش سے یہ توقع نہیں ہے کہ اس قسم کے لوگ باز آجائیں گے اس لئے کہ اب سے پہلے اس طرح کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہو چکی ہیں لیکن اول تو تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے کیا خبر خدا کس وقت کس کے دل کو پھیر دے۔ دوسرے جو لوگ اس قسم کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر شک و تذبذب میں پڑ گئے ہیں امید ہے کہ وہ لوگ اپنی غلط فہمی دور کر سکتے ہیں اس لئے یہ چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔

اوپر آپ متعدد آیات ایسی پڑھ چکے ہیں جن سے رسول کا صحیح مقام واضح ہو جاتا ہے ہم یہاں چند آیات سے خصوصیت کے ساتھ اسی پہلو کو روشن کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے رسول قابلِ اطاعت، قابلِ اتباع، امام، ہادی، قاضی، حاکم اور حَکَم ہے۔

۱۔ رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر فرض کی ہے:۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (النساء - ۵۹)	اطاعت و فرماں برداری کرو اللہ کی اور اطاعت و فرماں برداری رسول کی اور اپنے اہلِ امر کی کرو۔

یہ آیت اوپر آ چکی ہے یہاں اس کے اس پہلو پر غور کرنا ہے کہ اس میں تین اطاعتیں فرض کی گئی ہیں

(۱) اَطِیْعُوا اللّٰہَ میں "اللہ تعالیٰ" کی اطاعت۔

(۲) اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی اطاعت۔

(۳) وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں "مسلمانوں کے امیر" کی اطاعت۔

اب اس کا تجزیہ کیجئے تو لفظ "اطیعوا" (فرماں برداری کرو) پہلے دو کے ساتھ تو ہے لیکن تیسرے کے ساتھ نہیں ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ کیا جس طرح تیسرے کے لئے حرف عطف کے ذریعہ دوسرے کا ہی اطیعوا" کافی ہوگیا اسی طرح پہلے کا اطیعوا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تھا؟ غور کیجئے تو یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آجائے گی کہ پہلے اور دوسرے کے لئے مستقل لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ قرآن کی نظر میں رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح ایک مستقل حیثیت بھی رکھتی ہے لیکن مسلمانوں کے امیر کی اطاعت چونکہ پہلے دو کے تابع ہے مستقل نہیں اس لئے اس کے لئے لفظ اطیعوا مستقل نہیں لایا گیا لہٰذا جو بات امیر کی قرآن و حدیث کے مطابق ہوگی مانی جائے گی اور جو ان دونوں سے آزاد ہو کر علیحدہ کہی جائے گی اس کا ماننا فرض نہیں ہے ۔۔۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اطاعت رسول کے مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ "آپ کا ہر حکم ماننا چاہیئے خواہ اس کی اصل ہمیں قرآن میں معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے"۔ پھر فرماتے ہیں "اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں موجود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کی اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا مکلف ہی نہیں بنایا کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں تلاش کی جائے"۔[1]

قرآن مجید میں جہاں کفار کے دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد ان کے افسوس کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ جس طرح وہ خدا کی نافرمانی پر افسوس کریں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی کف افسوس ملیں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ۔ (الاحزاب ۔ ٦٦)	جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسولؐ کا۔

۲۔ نبی کا حق ایک مومن کی جان پر خود اس کی ذات سے زیادہ ہے۔

اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ	نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے

[1] ترجمان السنۃ ج ۱ صفحہ ۱۴۷ بحوالہ اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۴۱

اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب ٦)	بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

ایک مومن کو خدا کی طرف سے اس کی جان کے بارے میں اتنے اختیارات نہیں ہیں جتنے ایک نبی کو ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ بات فرمائی ہے کہ:۔

"نبی نائب ہے اللہ کا۔ اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہو جائے"[1]

۳۔ رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے امام اور ہادی بنا کر بھیجا جاتا ہے:۔

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ (الانبیاء ۷۳)	اور کیا ہم نے ان کو پیشوا وہ راستہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے۔

۴۔ رسول حاکم اور فیصل ہوتے ہیں لیکن ان کی اطاعت محض نظم و نسق اور کنٹرول قائم رکھنے کی خاطر ہی ضروری نہیں ہوتی بلکہ ایمان کا دارومدار ہوتی ہے اور تسلیم بھی صرف اس درجہ میں کافی نہیں ہے کہ "بس اب ہم مخالفت نہ کریں گے" بلکہ دل کی گہرائیوں کے ایک ایک گوشے میں امر رسول پر ایقان و اطمینان شرط ہے۔ یہ آیت آپ اوپر پڑھ چکے ہیں پھر غور کیجئے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ٦٥)	تیرے رب کی قسم وہ لوگ ہرگز اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھ کو منصف نہ مانیں ان جھگڑوں میں جو ان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں۔ پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی آپ کے فیصلے کی وجہ سے اور سر بسر تسلیم کر لیں۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ (تعلیم قولی یا تفہیم فعلی) دیں اس کا قبول کرنا واجب ہے اور جس چیز سے آپؐ منع کریں اس سے بچنا ضروری ہے:۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۷)	رسولؐ نے جو کچھ (حکم) تمہیں دیا ہے اسے پکڑے رہو اور جس سے اس نے روکا ہے اس سے باز رہو۔

[1] حاشیہ قرآن از مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ ص ۵۴۳

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اہلِ قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے نزدیک قرآن کے ماننے کا مطلب کیا صرف یہی ہے جتنا حصہ جی چاہے مان لیا جائے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قرآن مجید کے اس حصے کو کس دلیل کے تحت نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم "ایمان بالرسول" کے امر خداوندی کو مانتے ہیں اور ایمان بالرسول کا مطلب ان کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ آپؐ کی رسالت و نبوت کا اقرار کر لیا جائے لیکن آپ کے اقوال و افعال سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔ اگر "ایمان بالرسول" کے معنی واقعی یہی ہیں تو "ایمان باللہ" کے معنی بھی یہی ہونے چاہئیں کہ اللہ کی وحدت اور اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا جائے اور اس کے اوامر نواہی کی پرواہ نہ کی جائے۔ جب "اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ" (اللہ پر ایمان لاؤ) بھی قرآنی حکم ہے اور "وَرَسُوْلِهٖ" (اور اس کے رسول پر بھی ایمان لاؤ) بھی قرآنی حکم ہے تو دونوں میں فرق کی کیا وجہ؟ ظاہر ہے کہ جس شخص کو اسلام سے دور کا بھی لگاؤ ہے وہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے یہ معنی ہرگز مراد نہیں لے سکتا۔ [1] قرآن نے جس طرح اوامر خداوندی کی اطاعت ضروری قرار دی ہے اور اس کی نواہی سے پرہیز ضروری قرار دیا ہے وہی درجہ رسول کے اوامر و نواہی کو دیا ہے جیسا کہ ابھی آیت گذری ہے اور جس طرح خدا کی نافرمانی کو گمراہی کہا ہے اسی طرح رسول کی نافرمانی کو بھی کھلی گمراہی قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب ۳۶)	جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔

ایک آیت میں رسول کے حکم کی خلاف ورزی پر خطرناک عذاب نازل ہو جانے کا اندیشہ بتایا ہے

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (النور آیت ۶۳)	پس جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر دنیا میں کوئی آفت نہ آ پڑے یا آخرت میں کوئی دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔

ایک انصاف پسند انسان جو ایمانداری سے قرآن کو مانتا ہے اس کے لئے یہ آیت اور اس

[1] ان چھ سات سطروں کا مضمون محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب "فہم قرآن" صفحہ ۱۰۷ سے ماخوذ ہے۔

سے قبل بہت سی آیات پیش کی گئی ہیں جو رسول کا صحیح مقام واضح کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں تمام اہل اسلام نے رسول کو اور اس کی تعلیمات اور اسوہ مبارکہ کو کیا مقام دیا تھا اور شرعی معاملات میں اسے کیا درجہ دیتے تھے۔

اسلاف کی نظر میں سنّت کا مقام

دورِ صحابہؓ

کسی بھی زبان کا صحیح ذوق رکھنے والوں کے لئے یہ بات کوئی نئی نہیں ہے کہ گفتگو کے وقت متکلم ماحول کی رعایت مخاطب کی استعداد و صلاحیت وغیرہ پر اعتماد کرکے بہت سے ابہامات بھی چھوڑ دیتا ہے۔ بہت سی چیزوں کے متعلق صرف اشاروں کو کافی سمجھتا ہے بسا اوقات مترادف الفاظ بول کر ان کا مفہوم متعین کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں سمجھتا کہ مخاطب اس وقت کے مخصوص ماحول کی وجہ سے خود اصل مراد تک پہنچ جائیں گے۔ اسی قسم کی وجوہ کی بناء پر ہمیشہ کلام کی مراد سمجھنے کے لئے اصل مخاطب کا فہم حجت مانا جاتا ہے حتی کہ الفاظ کی ظاہری مراد کے برخلاف بھی کبھی اسی مخاطب اول کی بات حجت ہوتی ہے۔

ایک موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ایک آیت کا مفہوم و مراد بیان کرتے ہوئے اپنی رائے کو دوسروں کی رائے پر ترجیح دی تو یہی کہہ کر دی کہ نحن اعلم بھذہ الآیۃ انما نزلت فینا۔ یعنی اس آیت کی مراد ہم ہی زیادہ جان سکتے ہیں کیوں کہ یہ ہمارے ہی درمیان نازل ہوئی تھی[1] اس لئے ہم قرآن و حدیث کا باہمی ربط اور ہر ایک کے درجہ کے متعلق انہی لوگوں کے اقوال و احوال کی طرف توجہ کرتے ہیں جو قرآن کے بھی اولیں مخاطب تھے اور سنت بھی انہیں کے درمیان وجود میں آئی تھی۔ صحابہ کرام کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات اتنے ہیں کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ ہم صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک بار ہاتھ گدوانے والی حسن کو نمایاں کرنے والی اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا صفحہ ۲۲۸۔ لباب النقول برحاشیہ تنویر المقباس صفحہ ۲۶

پیدائش وضع کو بدلنے والی عورتوں پر لعنت کی ایک عورت ام یعقوب نے اس پر کچھ اعتراض کیا تو حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہو اور جو کتاب اللہ میں بھی ہو میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں؟ عورت بولی کہ میں نے پورا قرآن مجید پڑھا مجھے تو کہیں یہ بات نہ ملی۔ آپؓ نے فرمایا "اگر تم نے سمجھ کر قرآن پڑھا ہوتا تو یہ بات بھی ضرور مل جاتی کیا تم نے یہ آیت بھی پڑھی ہے:۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر ۷)	رسول جو کچھ (حکم) تمہیں دیں اسے قبول کرلو اور جس بات سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

اس عورت نے جواب دیا کہ ہاں یہ آیت تو پڑھی ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تو بس اس طرح کی زیبائش وآرائش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔[1]

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے طاؤسؒ کو دیکھا کہ عصر کے بعد دو رکعت (نفل) نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؓ نے منع کیا طاؤسؒ نے جواب دیا کہ انما نھی ان تتخذ سنۃ (ممانعت محض نماز پڑھنے کی نہیں ہے بلکہ مستقل عادت بنالینا ممنوع ہے) حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے روکا ہے پس میں نہیں کہہ سکتا کہ تم اس پر اجر کے مستحق ٹھہرو گے یا عذاب کے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ[2] (الاحزاب ۳۶)	اور کسی صاحب ایمان مرد اور کسی صاحب ایمان عورت کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید نے ایک محرم (احرام باندھے ہوئے) شخص کو (سلے ہوئے) کپڑے

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الحشر صفحہ ۷۲۵، والموافقات ج ۳ صفحہ ۳۶۸ و ج ۴ صفحہ ۲۴

[2] الموافقات ج ۴ صفحہ ۲۵

پہنے دیکھا تو منع فرمایا اس شخص نے کہا کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت دکھائیے جس کی رو سے مجھے کپڑے اتانا ضروری ہو آپ نے فوراً یہ آیت پڑھ دی مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ الخ۔[1]

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کے نزدیک امر رسول کا درجہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف جھگڑوں کے فیصلوں کے وقت حضرت عمر اور دوسرے صحابۂ کرام کس طرح لوگوں کے پاس قاصد بھیج بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات معلوم کراتے تھے اور کس طرح صحابۂ کرام ہر معاملہ میں فرمانِ رسولؐ سن کر بالکل مطمئن ہو جایا کرتے تھے اگر ہم یہ تمام واقعات جمع کریں تو یہ مقدمہ ایک مستقل کتاب بن جائے گا اس لئے ہم صحابہ کرام کے واقعات مزید نہیں لکھتے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں اس طرح کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں[2]

دور تابعین و تبع تابعین و دیگر علماء امت

صحابہ کرام سے بعد کے دور میں بھی اسی طرح تابعین اور پھر تبع تابعین اور مسلسل آج تک تمام علماء امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو وہی درجہ دے رہے ہیں ہم صرف چند مثالیں یہاں ذکر کریں گے۔

(۱) امام زہری جو مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں اہل علم صحابہ سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے کہ

الاعتصام بالسنن نجاۃ[3]۔ سنت پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے

(۲) ہشام بن عروۃ اپنے والد کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے السنن السنن، ان السنن قوام الدین۔ یعنی سنت کو تھامے رہو سنت سے ہی دین کی بقاء و حیات ہے[4]

(۳) ابن خزیمہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو اس کی موجودگی میں کسی اور کو کچھ کہنا درست نہیں ہے[5]

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۲۵- آیت مع ترجمہ ابھی اوپر گذر چکی ہے۔ [2] اور ان کے حوالے سے مولانا بدر عالم صاحب مرحوم نے ترجمان السنۃ ج اول صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۷ ایک درجن واقعات ذکر کئے ہیں۔ [3] ترجمان السنۃ ج ا صفحہ ۱۲۸ بحوالہ جامع بیان العلم ج ۲ [4] الاعتصام للشاطبی ج ۲ صفحہ ۳۴۴

[5] فہم قرآن از محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی صفحہ ۹۲

(۴) ابو سلمہؒ بصرہ پہنچے تو حسن بصریؒ ان سے ملنے آئے تو آپ نے حسن بصری سے فرمایا مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہو۔ خبردار کبھی ایسا نہ کرنا جب تک تمہارے پاس اس مسئلے متعلق کوئی سنت یا قرآنی آیت نہ ہو۔[1]

(۵) سعید بن المسیب نے دیکھا کہ ایک شخص دو رکعتوں[2] کے بعد بھی اور نماز پڑھ رہا ہے اس شخص نے نماز سے فارغ ہو کر ان سے پوچھا کہ "ابو محمد! کیا خدا مجھے اس نماز پر عذاب دے گا؟" فرمایا نماز پر نہیں بلکہ سنت کے خلاف کرنے پر۔[3]

(۶) سعید بن جبیرؒ فرماتے تھے کوئی قول بغیر عمل کے اور کوئی قول و عمل بغیر نیت کے مقبول نہیں اور قول و عمل اور نیت اس وقت تک مقبول نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہوں۔[4]

(۷) ضرار بن مرہ فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وضو کے بغیر بیان کرنا مکروہ سمجھا جاتا تھا اور یہ ایک عام رواج تھا اعمش، قتادہ، شعبہ، امام مالک جعفر بن محمد وغیرہم ان سب کا یہی معمول تھا۔[5] اس سے اندازہ کیجئے کہ ان حضرات کے نزدیک سنت کی کیا عظمت تھی۔

(۸) ابن حزم الظاہری الاندلسی (المتوفی ۴۵۶ھ) نے اپنے دور کے فتنۂ اعراض عن الحدیث کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص قرآن مجید کو کتاب اللہ مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی قائل ہو اور اس کے باوجود احادیث و اخبار کے حجت ہونے سے انکار کر دے۔[6]

(۹) علامہ ابو اسحٰق شاطبی (المتوفی ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں کہ سنت قرآن مجید کے مجملات کو واضح کرتی ہے اس کے مطلق بیانات کی قیود بیان کرتی ہے اور بہت سے عام بیانات میں تخصیص کرتی ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات آیات کے الفاظ اپنے اصل لغوی مفہوم سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد اس کو دلیل بنا کر لکھتے ہیں کہ

---

[1] فہم قرآن صفحہ ۹۳ بتغیر۔ [2] بظاہر یہ فجر کی دو رکعت نماز فرض کا ذکر ہے۔ [3] فہم قرآن
[4] ایضاً [5] ترجمان السنۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۷ بحوالہ جامع بیان العلم ج ۲
[6] احکام الاحکام ج ۱ صفحہ ۱۰۲

ان بیان السنۃ ھو مراد اللہ تعالیٰ من تلک الصیغ۔	بلاشبہ سنت نے جو بیان کیا ہے خدا تعالیٰ کی ان الفاظ سے وہی مراد ہے۔

اور پھر فرماتے ہیں کہ اگر سنت کو ناقابل التفات قرار دے کر کوئی الفاظ قرآنی کے لغوی معنی پر ہی عمل کرنے لگے تو یہ شخص گمراہ ہو جائے گا۔ کتاب اللہ سے جاہل رہ جائے گا۔ اندھیرے میں ہاتھ مارنے والا ہوگا اور کبھی راہ حق نہ پا سکے گا۔[۱]

اس فتنہ کے خلاف سب سے پہلے امام شافعی نے قلم اٹھایا اور اصول فقہ پر ایک رسالہ لکھا جس میں اس فتنہ پر خوب رد کیا ہے پھر امام احمد بن حنبل نے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا کچھ حصہ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں نقل کیا ہے اسی طرح حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اس پر خاصی تفصیل سے لکھا ہے اور علامہ ابن حزم نے بھی الاحکام میں اور امام غزالی نے المستصفیٰ میں اس فرقے پر بہت معقول دلائل سے رد کیا ہے۔ اور حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی نے الروض الباسم میں کافی وزن دار اور ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ میں اسی مسئلہ حجیت حدیث کو موضوع بحث بنایا ہے اور آج کل بھی مستقل تصانیف اور سینکڑوں مضامین اہل علم نے اس فتنے کے رد میں لکھے ہیں اس طرح ہر دور میں امت کا معتمد علیہ اور اونچا طبقہ سنت کی حمایت کرتا رہا اور اس سے بغاوت کرنے والوں سے برسرپیکار رہا ہے۔

حدیث و سنت کا ایک زبردست مؤید امت کا تعامل ہے	حدیث و سنت کا ایک بہت زبردست مؤید یہ ہے کہ دین کا مجموعی خاکہ جو آج کل مسلمانوں میں رائج ہے یہ

دور رسالت سے آج تک درمیان میں کسی وقفے کے بغیر مسلسل چلا آ رہا ہے۔ کسی قانون پر عملدرآمد اس کے وجود کی قطعی دلیل ہوتا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ اہل اسلام کے موجودہ عملی ڈھانچے سے جدا کوئی اور چیز نہیں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ عملدرآمد واضع قانون (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سے جو شروع ہوا ہے آج تک اسی طرح مسلسل چلا آ رہا ہے۔ علماء حدیث نے بلاشبہ جتنی

---

[۱] الموافقات ج ۴ صفحہ ۲۱

روایات کتابوں میں درج کی ہیں تمام سندوں سے کی ہیں اور سندہی کو صحت و عدم صحت کا معیار بنایا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اس نکتہ سے بھی غافل نہیں تھے چنانچہ امام ترمذی نے اپنی جامع کے متعلق کہا ہے کہ :۔

ما اخرجت فی کتابی هذا الاحدیثا قد عمل به بعض الفقهاء۔[1]	میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لکھی جس پر کسی نہ کسی امام فقہ کا عمل نہ ہو۔

اور بعض ان سے یہ نقل کرتے ہیں کہ "میں نے سوائے دو حدیثوں کے کوئی ایسی حدیث نہیں لکھی جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ رہا ہو"[2] حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ترمذی نے خود اپنی روایت کردہ بہت سی حدیثوں کو ضعیف کہا ہے اس کے باوجود ان کے معمول بہا ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ عمل بالحدیث کا مدار صرف قوت سند پر ہی نہیں ہے"[3] اور اس علمی تسلسل کی داغ بیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تبلیغ احکام کی تاکید کر کر کے ڈالدی تھی اور اس کے بعد بشارت بھی دی تھی کہ :۔

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وتاویل الجاهلین وانتحال المبطلین۔ (رواه البزار عن ابی هریرة وابن عمر[4])	اس علم کو ہر بعد میں آنے والے گروہ سے اس جیسا (اسی کے مشابہ) گروہ حاصل کرے گا (اور یہ سب مل کر) اس علم میں سے انتہا پسندوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی بے راہ رویوں اور کج فہموں اور جاہلوں کی (غلط اور رکیک) تاویلات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے۔

چنانچہ اسی بشارت و پیشین گوئی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس گروہ نے اس علم کو حاصل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۲ صفحہ ۱۸۸ [2] ترجمان السنۃ ج ۱ صفحہ ۲۶۲ [3] ترجمان السنۃ ج ۱ صفحہ ۲۶۲ ومقدمہ فیض الباری ج ۲ صفحہ ۵۸ ، اور متاخرین علماء احناف نے ثابت کیا ہے کہ ان دو حدیثوں پر بھی احناف کے یہاں عمل ہے۔ [4] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۴۰ - اس حدیث کے راویوں پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے مگر اس مضمون کے ثبوت کا دارومدار صرف اسی ایک روایت پر نہیں ہے۔

کیا وہ بعینہٖ آپ کے نقش قدم پر چلنے والا مقدس گروہ تھا۔ وہ مقدس گروہ جس کے تقدس کی شہادت ملاءِ اعلیٰ سے نازل ہوئی اور جن سے رضامندی کا خود قرآن نے اعلان کیا کہ:۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ آیت ۱۰۰)	اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

پھر اس علم کو اس مقدس گروہ سے جن پاک نفوس نے حاصل کیا اور زبانی اور عملی طور پر اس کو سیکھا وہ تابعین کی مبارک جماعت ہے جو اس مذکورہ بالا رضامندی کی بشارتِ قرآنی میں شامل ہے[1] اور جن کے متعلق نبی علیہ السلام نے بھی بہترین گروہ ہونے کی بشارت دی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بہترین امت

القرن الذی انا فیہ ثم الثانی ثم الثالث۔ (اخرجہ مسلم عن عائشہؓ)[2]	وہ گروہ ہے جس میں میں ہوں اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا۔

پھر یہ علم اس تیسرے گروہ نے لیا جو ہر ہر عمل میں نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے نقش قدم پر چلتا تھا اور جن کی بہتری کی شہادت اس مذکورہ حدیث میں موجود ہے[3]

یہاں حفاظت کا ایک عجیب کرشمہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ بحث و تمحیص کا جو مرحلہ تھا وہ سب تبع تابعین کے ماحول ہی تک ختم ہو چکا تھا[4] اور یہ وہ قرن ہے جس کے متعلق خیر ہونے کی شہادت خود زبانِ نبوت سے آپ سن چکے ہیں۔ پھر ان تین عمدہ ترین زمانوں کے بعد بھی اسی طرح (کتابی شکل کے ساتھ ساتھ) عملی طور پر یہ دین بعد والوں کے سپرد ہوتا رہا اور آج تک یہ تسلسل اسی طرح قائم ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ تاقیامت یہ سلسلہ

---

[1] اسی آیت میں اوپر انصار و مہاجرین کے تذکرے کے ساتھ والذین اتبعوھم باحسان کے الفاظ بھی ہیں یعنی "اور وہ لوگ جو اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں"۔ اور پھر ان سب لوگوں کے لئے یہ مذکورہ بالا بشارت ہے۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۱۰ [3] علامہ نووی نے لکھا ہے کہ "قرنہ صلی اللہ علیہ وسلم الصحابۃ والثانی التابعون والثالث تابعوھم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والوں سے تو مراد ہیں صحابہ کرام اور دوسرے سے تابعین اور تیسرے سے تبع تابعین (شرح مسلم للنووی ج ۲ صفحہ ۳۰۹) [4] اس نکتہ کی طرف حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ترجمان السنۃ میں توجہ دلائی ہے۔ ج ۳ صفحہ ۵۴۲

اسی طرح چلتا رہے گا اور زبانِ نبوت سے نکلی ہوئی یہ بشارت پوری ہو کر رہے گی کہ:۔

لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھو علی ذالک۔
(بخاری و مسلم عن معاویہ رضی اللہ عنہ)[1]

میری امت میں ایک عظیم جماعت ایسی ہمیشہ رہے گی جو اس دین پر قائم رہے گی۔ نہ کسی کا ساتھ چھوڑ دینا ان کا کچھ بگاڑ سکے گا اور نہ کسی کی مخالفت انھیں کچھ نقصان پہنچا سکے گی یہاں تک کہ خدا کا حکم (قیامت) آجائے گی اور وہ لوگ اپنی اسی حالت پر قائم ہوں گے۔

اس بے مثال تسلسل سے ایک تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ کسی ایک آدھ حدیث کی بات نہیں بلکہ پورے ذخیرۂ حدیث سے بھی اگر تھوڑی دیر کے لئے صرفِ نظر کر لیا جائے تو اس سے کوئی فرق شریعت کے مجموعی ڈھانچے پر نہیں پڑ سکتا اس لئے کہ کتابی تسلسل کے علاوہ جو ایک عملی تسلسل پوری امت کا ہے اس کو کیوں کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات اس سے یہ ثابت ہو گئی کہ اب اگر کوئی شخص دین کے کسی مسئلہ پر بحث کرے اور محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے کسی آیت کے کوئی نئے معنی نکال کر کسی عمل کی نئی تشکیل کرنے لگے تو یہ ایک بنیادی غلطی ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر آج کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں بلکہ صرف دو ہیں اور اس کے لئے اپنے دماغ سے تراش تراش کر دلائل کا ڈھیر لگا دے تو اس کی یہ کوشش بالکل بے سود ہوگی۔ اس کو بقول مولانا بدر عالم صاحب "یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ امت اوپر سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی۔ اسی طرح مسئلہ جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات وغیرہا کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی نئی بنا کر پیش کرنا بھی غلط ہے کیوں کہ یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں اسی

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۲ باب ثواب ہذہ الامۃ۔ حافظ ابوبکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد جلد ہفتم صفحہ ۲۸۷ پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے "باب لا تزال طائفۃ من ہذہ الامۃ علی الحق" اور اس میں اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔

طرح ان کے معانی بھی اوپر ہی سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں۔[1]

لفظ سُنَّۃ

سُنَّۃ کا لفظ جو حدیث و روایت کے لئے بولا جاتا ہے اس سے بھی اس مسئلہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ سُنَّۃ کے معنی ہیں۔ راہ، رسم، دستور، طریقہ جاریہ[2]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ (الفتح۔ ۲۳)	رسم پڑی ہوئی ہے اللہ کی جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم ہرگز اللہ کی رسم کو بدلتا نہ دیکھو گے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا۔ (الفاطر۔ ۴۳)	تم ہرگز اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

ایک جگہ فرمایا گیا:۔

سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا۔ (بنی اسرائیل۔ ۷۷)	دستور چلا آرہا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے ہم نے بھیجے۔

اور اس آیت میں اس سے اگلا فقرہ اس لحاظ سے خاص توجہ کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی سنۃ کو اپنی سنۃ کہا ہے چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا (بنی اسرائیل ۷۷)	ہمارے دستور کو تم ٹلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

اور یہی انبیاء کی سنۃ خدا تعالیٰ نے اہل اسلام کو عطا فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ (النساء ۲۶)	اللہ چاہتا ہے کہ بیان کردے تمہارے سامنے اور چلائے تم کو پہلے لوگوں (انبیاءؑ) کی راہ پر۔

---

[1] ترجمان السنۃ ج ۲ صفحہ ۴۴ د۔ [2] حافظ ابن رجب نے لکھا ہے:۔ "السنۃ الطریق المسلوک" (جامع العلوم والحکم صفحہ ۱۹۰) یعنی سنت کے معنی ہیں چالو راستہ۔

اور اس کے بعد سنت کا جو لفظ فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنا (جو کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ صحیح طور پر معلوم ہوسکتی ہے) خدا کی رحمت و توجہ کا باعث ہے چنانچہ فرمایا۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ (النساء ۲۷) | اور اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم پر توجہ کرے۔

اب لفظ سنت کے معنی سے معلوم ہوا کہ سنت صرف چند کتابی مضامین ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس چودہ سو سالہ متوارث و مسلسل عملی دین کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک بلا انقطاع پہنچا ہے اور کتابوں میں مدون ارشادات نبوی کو سنت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اسی عملی سنت کی تعبیرات ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے۔ اور قرآنی آیات نے بتادیا کہ یہ دین صرف اکیلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اسی ایک دستور کو اپنائے رہے اور یہ دستور ان انبیاء کرام کا بھی اپنا نہ تھا بلکہ خدائے تعالیٰ ہی نے تمام انبیاء کرام کو یہ طریقہ دیا تھا اور یہی پہلی امت نے اپنایا اور تاقیامت یہ محفوظ رہے گا۔ اور اگر کوئی اس کی مخالفت کرے گا تو وہ اس کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ اپنے ہی لئے جہنم کے انگارے تیار کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ (النساء ۔ ۱۱۵)

جو کوئی واضح طور پر ہدایت کے سامنے آجانے کے بعد پھر رسول کے خلاف کرے اور (عام) مومنین کی راہ[1] سے ہٹ کر چلے تو ہم اسے اسی راہ کے حوالے کردیں گے جس کا اس نے رخ کیا ہے اور انجام کار ہم اس کو جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

---

[1] یاد رہے کہ اہل اسلام میں جو بہت سی چیزوں میں جزوی اختلاف ہے اسے اختلاف تو کہہ سکتے ہیں مگر مومنین کی راہ سے الگ اسے کوئی دوسری راہ نہیں کہہ سکتے۔ راہ بدلنا اصولی چیزوں کے چھوڑ دینے ہی کو کہہ سکتے ہیں۔

فتنۂ انکارِ حدیث کی نبوی پیشنگوئی

خدا کی قدرت کا کیا عجیب کرشمہ ہے کہ چند تیرہ بختوں کا انکارِ حدیث اہل ایمان کے لئے اعتماد علی الحدیث پر مزید پختگی کا سبب بن گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں اس قسم کے کج فہم لوگوں کے متعلق پیشن گوئی کی ہے۔ اہل ایمان کو پورا یقین تھا کہ ارشاد نبوی کے مطابق ضرور کوئی گروہ ایسا پیدا ہوگا جو تمام اہل اسلام کے برخلاف حدیث نبوی کے انکار کا مرتکب ہوگا چنانچہ فتنۂ انکارِ حدیث کے آغاز سے ان حدیثوں کے مصداق کا مشاہدہ بھی اہل اسلام نے کر لیا۔ سید الانبیا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔	میں تم میں سے کسی کو ایسا کرتے نہ پاؤں (یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی مسہری (یا آرام کرسی) پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے احکامات میں سے کسی بات کا امر یا کسی چیز کی ممانعت آئے تو وہ کہنے لگے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ہم تو جو قرآن مجید میں پائیں گے اسی کو مانیں گے۔
(رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ والبیہقی فی دلائل النبوۃ عن ابی رافع)[1]	

آج کے منکرین حدیث نے اپنے لئے ایک خوشنا لیبل "اہل قرآن" کا لگا رکھا ہے۔ اور وہ شریعت کے تمام احکام کو قرآنی بصیرت کے فریب کارانہ دعوے کے خلاف کہہ کر یا تو ترک کر دیتے ہیں یا بدل ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اتباع قرآنی کا شور مچانے والوں کی حقیقت بہت صاف الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ اخیر زمانے میں پیش آنے والے امت کے افتراق و انتشار کا ذکر فرماتے ہوئے ایک فرقے کے متعلق ارشاد ہے۔

قوم یحسنون القیل یسیئون الفعل۔	ان لوگوں کی باتیں تو بہت اچھی ہوں گی

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۹

يقرؤن القرآن لايجاوز تراقيهم يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية۔	لیکن کرتوت ان کے برے ہوں گے۔ وہ قرآن مجید پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلق سے نیچے بھی نہیں اترے گا۔ دین سے ایسے صاف نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔
اسی روایت کے اخیر میں ارشاد ہے کہ:۔	
يدعون الى كتاب الله وليسوا منه فى شيئ[1]	لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دیں گے حالانکہ قرآن سے ان کا کچھ بھی واسطہ نہ ہوگا۔

ایک روایت میں رسالتمآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر اور متعدد تاکیدی الفاظ کے ساتھ منبر پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کہ:۔

ايحسب احدكم متكئا على اريكته يظن ان الله لم يحرم شيئا الاما فى هذا القرآن الا وانى والله قد امرت ووعظت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن او اكثر۔ الحديث۔ (رواه ابوداؤد عن العرباض بن سارية[2])	ایک شخص اپنی کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا کیا گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں بیان کردہ چیزوں کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں کی ہے۔ دیکھو بلاشک وشبہ خدائے تعالیٰ کی قسم میں نے تمہیں بہت سی باتوں کا حکم دیا ہے نصیحت کی ہے اور بہت سی باتوں سے روکا ہے جو قرآن کی برابر ہیں بلکہ (مقدار میں) وہ قرآن سے زیادہ ہیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی قتل الخوارج صفحہ ۶۵۶

[2] مشکوٰۃ صفحہ ۲۹ مرقاۃ ج ۱ صفحہ ۱۹۷-۱۹۸ جامع صغیر مع السراج المنیر ج ۲ صفحہ ۱۱۳ - اس روایت کے ایک راوی اشعث بن شعبۃ المصیصی پر بعض لوگوں نے کچھ کلام کیا ہے لیکن یہ مضمون اس سے پہلی اور بعد کی روایات سے ثابت ہے۔ اس لئے روایت کی کمزوری مضر نہیں۔

اس کے بعد آپ نے چند ایسے احکام بیان فرمائے جو قرآن میں نہیں ملتا۔

پیشین گوئی کے الفاظ میں اور موجودہ منکرین حدیث کے طرزِ عمل میں حیرت انگیز مطابقت۔

حضرت مقدام بن معدیکربؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الا هل عسی رجل یبلغه الحدیث عنی وهو متکئ علی اریکته فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ تعالیٰ فما وجدنا فیه حلالا استحللناه وما وجدنا فیه حراما حرمناه وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

(اخرجه ابوداؤد والترمذی[1])

خبردار! عنقریب ایک ایسا وقت بھی آرہا ہے کہ ایک شخص کو میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا (تو حدیث سن کر) وہ کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان صرف اللہ کی کتاب ہے پس جو چیزیں اس میں حلال پائیں گے انہیں حلال سمجھیں گے اور جن چیزوں کو اس میں حرام پائیں گے انہیں حرام سمجھیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جو چیز اللہ کے رسول نے حرام کردی وہ ایسی ہی ہے جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز۔[2]

اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ چند الفاظ اور بھی ہیں جو بہت قابل توجہ ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

الا لا یحل لکم الحمار الاهلی ولا

خبردار! تمہارے لئے حلال نہیں ہے گھریلو گدھا اور

---

[1] ابوداؤد باب لزوم السنة صفحہ ۶۳۲ ترمذی باب ما نہی عنہ ان یقال الخ صفحہ ۳۸۲

[2] اور خود قرآن مجید میں آیت قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (التوبة ۲۹) میں رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو خدا کی حرام کردہ چیزوں کے ساتھ اور انہی کے درجہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ۔ (الاعراف ۱۵۷) میں قرآن نے نبی کے لئے حلال وحرام کرنے کا حق تسلیم کیا ہے۔

كل ذی ناب من السباع۔[1] | نوکیلیوں سے شکار کرنے والا کوئی بھی درندہ۔

ایک طرف تو مستقبل میں پیش آنے والے اس فتنۂ انکار حدیث کا بیان اور ساتھ ہی کے ساتھ گھریلو گدھے اور کچلیوں والے جانوروں کی حرمت کا بہت اہمیت کے ساتھ بیان ہے اب دوسری طرف آقا و مولی سرکارِ دوجہاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا حرف بحرف پورا ہونا دیکھ لیجئے چنانچہ ایک برخود غلط فاضل و محقق منکر حدیث لکھتا ہے :-

"جب کتا، بلی، گدھا، رینڈیر، کنگرو اور افریقہ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا کے ہزارہا جانداروں کی حلت و حرمت قرآن میں نہیں تو پھر کس کے حکم سے حرام یا حلال کیا گیا۔؟"[2]

سنّت کی حفاظت

اہل اسلام نے جتنا اہتمام اپنے علوم کی حفاظت اور نبی اکرم ؐ کے کلام کی حفاظت کے لئے کیا ہے۔ آج تک روئے زمین پر کسی بھی قوم نے اپنے پیشوا کے کلام کی حفاظت کے لئے اس سے ہزارواں حصہ بھی اہتمام نہیں کیا۔ اور پیشوا کے کلام کی بات تو بہت دور کی ہے۔ اپنے آسمانی صحیفوں اور اپنی ان کتابوں کی بھی کوئی حفاظت وہ قومیں نہیں کر سکیں جن کے کلام الٰہی ہونے کی وہ خود دعویدار ہیں۔ حتیٰ کہ حیرت ہوتی ہے کہ بعض قومیں یقینی طور پر یہ تک نہیں بتا سکتیں کہ ہماری آسمانی کتابیں کس زبان میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن نبی امی کے جاں نثاروں نے اپنے نبی کے صرف اقوال ہی نہیں بلکہ افعال بھی اور افعال ہی صرف نہیں بلکہ ہر حرکت و سکون حتیٰ کہ اندازِ گفتگو اور طرزِ تکلم[3] تک کو اس طرح محفوظ کیا ہے کہ اس سے زیادہ حفاظت تصور میں نہیں آسکتی۔

---

[1] ابوداؤد باب لزوم السنۃ صفحہ ۶۳۲ [2] یہ عبارت محترم مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر نے "انکار حدیث کے نتائج" صفحہ ۱۱۹ میں ایک منکر حدیث کی کتاب "پیغام توحید" صفحہ ۱۲ سے نقل کی ہے۔ [3] صحابہ کرام روایتوں کے بیان کے وقت اکثر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے بشرے کی کیفیات اور دیگر صورت حال کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

آفتاب نبوت سے اس نور کو سب سے پہلے اخذ کرنے والا مبارک گروہ چونکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہی کا ہے اس لئے پہلے ہم صحابہ کرام کے شوق حدیث کے چند واقعات بطور نمونہ لکھتے ہیں۔

صحابہ کرام کا شوق حدیث

صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و ہم نشینی جتنی محبوب تھی اور جتنی یہ حضرات آپ سے محبت کرتے تھے اس کی نظیر آج تک تاریخ عالم میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ غیروں کی تو بات الگ ہے ان حضرات نے آپ کی محبت میں نہ صرف یہ کہ ماں باپ کی محبت کو بھلا دیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کے جرم میں اپنے سگے باپ اور قریبی رشتہ داروں کی جان لے لی جس کی مبارکباد کے لئے رب العالمین نے عرش اعظم سے جبریل امین کو بھیجا اور وہ سورۃ المجادلۃ کی یہ آیت لے کر نازل ہوئے[1]۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ (المجادلۃ - ۲۲)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے تعلقات رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں۔ خواہ وہ مخالف ان کے باپ یا ان کے بھائی یا ان کے بیٹے یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد قرآن مجید میں اخیر آیت تک انھیں دولت ایمان کی پختگی سے نوازنے انھیں ابدالآباد

---

[1] جنگ بدر میں حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح نے اپنے باپ کو قتل کیا حضرت ابوبکر صدیق اپنے بیٹے عبدالرحمن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا حضرت عمر نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو قتل کیا۔ حضرت علی حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث نے اپنے رشتہ داروں عتبہ، شیبۃ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے بیٹے جو صحابی ہیں۔ اپنے والد کا سر اتار کر لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہی مبارک ہستیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۳۲۹ حواشی علامہ عثمانی صفحہ ۷۰۷)

تک جنت اور اس کی نعمتوں میں پہنچانے کی اور اپنی رضامندی کی بشارت سنائی گئی ہے اور انھیں خدا کی پارٹی اور کامیاب گروہ قرار دیا ہے۔

ان پاکیزہ نفوس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی اور آپ سے انوار نبوت حاصل کرنے کی بے انتہا لگن تھی۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رہائش عوالی میں تھی جو مدینہ منورہ سے کسی قدر فاصلہ پر ہے اس لئے روزانہ حاضری مشکل تھی۔ آپ نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ ایک روز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایک دن اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے فرماتے ہیں:

فاذا نزلت جئتہ بخبر ذٰلک الیوم من الوحی وغیرہ واذا نزل فعل مثل ذٰلک[1]	جس روز میں حاضر خدمت ہوتا تو اس روز کی وحی وغیرہ کی خبریں اپنے ساتھی کو پہنچا دیتا اور جب دن وہ حاضر ہوتے مجھے مطلع کر دیتے۔

(۲) بعض صحابہ کرام کو اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کے لئے برسوں قیام فرماتے تھے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گناہ و ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی۔ اس کی خاطر میں نے ایک سال تک قیام کیا اور سوائے یہ بات دریافت کرنے کے میرے قیام کی کوئی اور وجہ نہ تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اسے لوگوں کے سامنے لانا پسند نہ کرو۔[2]

(۳) جن حضرات کو اپنے مشاغل کی وجہ سے حاضری کے مواقع کم میسر آتے تھے وہ دوسرے حاضر باش صحابہ کرام سے احادیث پوچھ پوچھ کر یاد کر لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

کانت لنا ضیعۃ واشغال ولکن الناس کانوا لا یکذبون	ہمارے پاس تو جائدادیں اور دوسرے مشاغل تھے اور اس زمانے میں لوگ جھوٹ بولا نہیں کرتے تھے لہٰذا

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم ج ۱ صفحہ ۱۹

[2] صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلۃ باب تفسیر البر والاثم ج ۲ صفحہ ۳۱۴

جو مجلس نبویؐ میں حاضر ہوتا تھا وہ دوسرے غیر حاضر لوگوں کو حدیث بیان کردیتا تھا۔	یومئذ فیحدث الشاھد الغائب (صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)[1]

حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں ایک روایت حضرت براء بن عازبؓ ہی کے حوالے سے لکھی ہے کہ

ہم لوگ تو اپنے اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہتے تھے اور ہمارے ساتھی ہمیں حدیثیں سنایا کرتے تھے اور (اسی طرح) جو صحابہ کرام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں نہیں سن سکتے تھے تو وہ اپنے دوسرے حاضر باش صحابہ سے اور جو انہیں یاد داشت رکھتے تھے ان سے سن لیا کرتے تھے اور جس سے بھی حدیث سنتے تھے اس سے خوب سختی سے پوچھ تاچھ کرلیا کرتے تھے۔	کان یحدثنا اصحابنا وکنا مشتغلین فی رعایۃ الابل واصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یطلبون ما یفوتہم سماعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمعونہ من اقرانہم وممن ھو احفظ منہم وکانوا یشددون علی من یسمعون منہ۔[2]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیثیں صحابہ کرام خود زبانِ نبوت سے نہیں سن سکتے تھے ان کو بھی وہ فوت نہیں ہونے دیتے تھے اور یہ حال صرف کسی ایک صحابی کا نہ تھا بلکہ عام طور پر صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ جیسا کہ اس روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جمع کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کا اتنا شوق تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات اچھی طرح محسوس تھی۔ ایک بار انھوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے روز آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میرا خیال یہی تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی اور نہیں کرے گا اس لئے کہ تم ہی حدیث کے بہت زیادہ شوقین ہو۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۱۲۷ [2] معرفت علوم الحدیث صفحہ ۱۴ (مطبعۃ دار الکتب المصریۃ ۱۹۳۷ء) واخرج بمعناہ ابونعیم کما فی کنز العمال ج ۵ صفحہ ۲۳۸ [3] صحیح بخاری کتاب العلم صفحہ ۲۰ باب الحرص علی الحدیث۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں شخص کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہے تو میں اس کے پاس پہنچتا اور اگر اسے دیکھتا کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہا ہے تو۔

فاتوسد ردائی علی بابہ	میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر اس کے دروازہ پر پڑ جاتا۔
فتسفی الریح علی وجھی التراب	ہوائیں دھول اڑا اڑا کر میرے منہ پر ڈالتی رہتیں اور میں
فیخرج۔	اسی حال میں پڑا رہتا یہاں تک وہ صاحب باہر نکل آتے۔

جب وہ باہر نکل کر دیکھتے کہ حضرت ابن عباسؓ ہمارے منتظر ہیں تو حیرت و افسوس کے ساتھ کہتے کہ

یا ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ماجاءبك۔	اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! کیسے تشریف لانا ہوا؟

حضرت ابن عباسؓ جواب دیتے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کرتے ہو اس لئے اسے تم سے سننے[1] کے لئے آیا ہوں۔ وہ صاحب جواب دیتے کہ

ھلا ارسلت الی فآتیك۔	آپ نے کسی کے ذریعہ مجھے ہی کیوں نہ کہلا بھیجا؟ میں خود حاضر ہو جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ جواب دیتے کہ

انا احق ان آتیك[2]۔	میں ہی تمہارے پاس حاضر ہونے کا زیادہ حقدار ہوں۔

(۶) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتنا اہتمام تھا کہ جہاد سے روک کر بعض صحابہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہراتے تھے تاکہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ جب آپ غزوۂ حنین کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ معظمہ میں ٹھہرا دیا تھا۔

وامرہ ان یعلم الناس القرآن	اور انہیں آپ نے حکم فرمایا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دو

[1] غور کیجئے کہ یہ اتنی مشقت حدیث سننے کے لئے نہیں بلکہ سنی ہوئی حدیث کی محض تصدیق و تائید حاصل کرنے کے لئے اٹھائی جا رہی ہے۔ [2] سنن دارمی صفحہ ۷۵

وان یتفقهم فی الدین[1]	اور ان میں دینی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔

صحابہ کرام کا حدیث نے شوق میں سفر کرنا	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ کرام مسلسل حدیث پر مشغول رہے اور اس کے لئے دور دراز کے سفر کئے۔

(۱) حضرت فضالہ بن عبید رضؓ جو مصر کے گورنر تھے ان کے پاس ایک صحابی پہنچے اور کہا کہ میں آپ سے ملاقات کے لئے نہیں حاضر ہوا ہوں بلکہ میں نے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ سے اس کے بارے میں معلوم ہو سکے اس لئے حاضر ہوا ہوں[2]

(۲) حضرت عبد اللہ بن انیس الجہنی رضؓ ایک انصاری صحابی ہیں یہ مصر میں مقیم تھے اور قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

فخرجت الی السوق فاشتریت بعیرا ثم شددت علیہ رحلا ثم سرت الیہ شہرا۔	میں بازار گیا اور ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کسا اور (مصر کے لئے) روانہ ہو گیا اور ایک مہینہ سفر کر کے وہاں پہنچا۔

مصر پہنچنے کے بعد تلاش کرتے کرتے ان کے مکان پر پہنچے اور اپنے آنے کی غرض بتائی اور وہ حدیث حاصل کی[3]

(۳) حضرت سائب بن خلاد ایک انصاری صحابی ہیں یہ مصر میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی صحابیؓ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ فلاں موضوع پر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے؟ انھوں نے ایک حدیث سنا دی۔ پوچھا کیا یہ بات تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ حضرت عقبہ رضؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ بس یہ سن کر حضرت سائب واپس لوٹ گئے راوی کہتے ہیں

لم یقدم من المدینۃ الا لذلک[4]	ان کے مدینے سے مصر آنے کی سوائے اس کے اور کوئی غرض نہیں تھی۔

[1] مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۲۷۰ [2] ابوداؤد صفحہ ۵۷۲ کتاب الترجل وسنن دارمی صفحہ ۷۵ (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۳ھ) [3] حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۷۸، باختصار القصۃ۔ [4] حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۸۶

اور بعض مؤرخین نے اس کے بعد یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سائب بن خلاد نے یہ سن کر جواب دیا کہ

كنت اعرف ذالك ولكني اوهمت الحديث فكرهت ان احدث به على غير ما كان ثم ركب على صدر راحلته ثم رجع ۔[1]	یہ حدیث مجھے معلوم تو تھی لیکن مجھے اس میں کچھ شبہ ہو گیا تھا۔ میں نے یہ اچھا نہیں سمجھا کہ میں اصل حدیث کو بدل کر بیان کروں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور واپس چلے گئے۔

اندازہ کیجئے کہ حدیث سنتے کرتے بلکہ کسی ہوئی حدیث کی محض تصدیق کرانے کے لئے ایک صحابی نے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر کیا۔

ان کے علاوہ متعدد واقعات کتب حدیث میں ہیں[2] کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کو دیکھنے کے لئے آپ کے یہاں رات کو قیام کرتے تھے بعض صحابہ کرام اپنے دوسرے حاضر باش صحابہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء اور نماز وغیرہ کی کیفیات پوچھا کرتے تھے اور وہ وضو کر کے دکھاتے تھے کہ آپ نے بالکل اسی طرح وضو کیا تھا:

صحابہ کرام نے کس طرح حدیث کو محفوظ رکھا

صحابہ کرام کو چونکہ حدیث جمع کرنے اور انھیں محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچانے کا بہت شوق تھا اور اس کو وہ ایک اہم دینی فریضہ سمجھتے تھے اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک اشارے اور ایک ایک حرکت و سکون کو بڑی گہری نظر سے دیکھتے تھے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

---

[1] حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۸۶۔ بالکل اسی قسم کا ایک اثر حافظ ابن عبد البر نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے متعلق بیان کیا ہے کہ انھوں نے صرف ایک حدیث کا شبہ مٹانے کے لئے مصر کا سفر کیا اور حدیث پوچھنے کے بعد فوراً لوٹ گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ فاتی ابو ایوب راحلته فركبه وانصرف الى المدينة وماحل رحله یعنی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ حدیث سننے کے بعد اپنے اونٹ کے پاس آئے اور سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے مصر میں اپنا کجاوہ کھولا تک نہیں۔ (دیکھئے تدوین حدیث صفحہ ۷۵ بحوالہ جامع بیان العلم صفحہ ۹۴)

[2] سنن دارمی صفحہ ۴۷ میں متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

ایک بار حضرت خبابؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے یا نہیں؟ فرمایا کرتے تھے "لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا ہم نے آپ کی ریش مبارک ہلتی دیکھ کر اس کو سمجھا ہے۔[1]

آپؐ نمازوں میں کتنی کتنی دیر قیام کرتے تھے۔ اس کا اندازہ صحابہ کرام قرآنی آیتیں پڑھ پڑھ کر کرتے تھے چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں تیس آیتیں پڑھنے کی بقدر قیام کیا اور آخر کی دو میں اس کا آدھا۔[2]

صحابہ کرام کے حدیثیں حفظ کرنے کا یہ عالم تھا کہ دن کو سنتے تھے اور رات کو انھیں یاد کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا ایک حصہ سونے کے لئے ایک نماز کے لئے اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کرنے کے لئے۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حدیثیں سنتے رہتے تھے جب آپ مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے تو ہم آپس میں مذاکرہ اور دور کرنے لگتے تھے۔

ھذا شرھذا فنقوم کانما زرع فی قلوبنا۔ (رواہ ابو یعلی الموصلی[4])	پہلے ایک پڑھتا تھا پھر دوسرا حتی کہ جب ہم مجلس سے اٹھتے تھے وہ حدیثیں ہمیں ایسی از بر ہو جاتی تھیں کہ گویا ہمارے دلوں میں ان کے پودے لگا دئے گئے ہیں

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بسا اوقات ہماری ساٹھ ساٹھ آدمیوں کی جماعت ہوتی تھی اور ہم باری باری سنتے اور سناتے تھے۔[5]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ مسجد میں داخل ہوئے وہاں کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا پایا آپؐ نے پوچھا کیسے بیٹھے ہو؟

[1] ابو داؤد صفحہ ۱۱۶ باب القرأۃ فی الظہر [2] ایضاً صفحہ ۱۱۷ عن ابی سعیدؓ باب تخفیف الاخریین [3] سنن دارمی صفحہ ۷۹ [4] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۶۱ [5] ایضاً

انھوں نے عرض کیا کہ ہم فرض نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں:۔

ثم قعدنا نتذاکر کتاب اللہ و سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ الحاکم[1]	پھر ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث کا مذاکرہ کرنے بیٹھ گئے۔

کسی نے حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے کہا کہ آپ ہمیں حدیثیں لکھواتے کیوں نہیں؟ فرمایا ہم حدیثیں نہیں لکھواتے اور انھیں قرآن بنانا نہیں چاہتے۔ جس طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کرلیں اسی طرح تم بھی ہم سے سن کر یاد کرلو۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :۔

اکثروا ذکر الحدیث فانکم ان لم تفعلوا یندرس الحدیث۔[3]	حدیث کو بار بار دہرایا کرو۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو حدیث کا فن مٹ جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ فرماتے تھے :۔

تذاکروا الحدیث فان حیاتہ مذاکرتہ۔[4]	حدیث کو بار دہراتے رہو اس لئے کہ بار بار دہراتے رہنا ہی اس کی زندگی اور بقا ہے۔

صحابہ کرام نے جس طرح خود علم حدیث کے لئے بہت اہتمام کیا اور اسے حفظ کیا اسی طرح اپنی اولادوں اور اپنے چھوٹوں کے لئے اس کا اہتمام کیا اور انھیں بھی اسی طرح حدیثیں حفظ کرائیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے تذاکروا ھذا الحدیث لا ینفلت منکم (دارمی[5]) حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ذہن سے نکل جائیں۔ نیز فرماتے تھے کہ روزانہ تھوڑی تھوڑی حدیثیں دہرایا کرو اور یہ خیال کبھی نہ کرو کہ کل تو دہرائی ہی تھیں۔ آج بھی دہراؤ اور پھر کل بھی دہراؤ۔[6] اسی طرح حضرت ابو سعید رضؓ اپنے شاگردوں کو تاکید فرماتے تھے اور

۱؎ المستدرک ج ۱ صفحہ ۹۴ ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۰۲ ۳؎ جامع بیان العلم ج ۱ صفحہ ۱۰۱ مستدرک ج ۱ صفحہ ۹۵ / معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۴۱ ۴؎ معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۴۱ مستدرک ج ۱ صفحہ ۹۵ ۵؎ سنن دارمی صفحہ ۸۰، ۶؎ مستدرک (باقی صفحہ ۱۴۴ پر)

فرماتے کہ لکھنے کے بجائے دل میں بٹھالو۔[۱]

عکرمہ جو بعد کو دور تابعین میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کی تاکید و اہتمام کو بیان کرتے ہیں۔

کان ابن عباس یضع الکبل فی رجلی علی تعلیم القرآن والسنن[۲]	حضرت ابن عباس قرآن اور حدیث کی تعلیم کے لئے میرے پیروں میں بیڑی ڈالدیتے تھے۔

امام ابن سیرینؒ کے والد نے انھیں اور ان کے تمام بھائیوں کو بچپن ہی سے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے کر دیا تھا کہ انھیں حدیثیں یاد کرادیں۔[۳]

حضرت علقمہ جو مشہور تابعی ہیں اپنی جوانی میں انھوں نے خوب حدیثیں حفظ کیں اور فرماتے تھے کہ

ما حفظت وانا شاب فکانی انظر الیہ فی قرطاس اوورقۃ[۴]	جو کچھ میں نے اپنی نوجوانی میں حفظ کر لیا تھا وہ ایسا ہے جیسے ورق پر لکھا ہوا میرے سامنے رکھا ہو۔

حضرت حسن بصری اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے:۔

غائلۃ العلم النسیان وترك المذاکرۃ[۵]	علم کی آفت بھول جانا اور اس کے دہرانے کو ترک کر دینا ہے۔

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ قتادہ نے سعید بن ابی عروبہ سے کہا کہ تم قرآن مجید لے کر بیٹھ جاؤ میں سورہ بقرہ سناتا ہوں۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے اول سے آخر تک سنا ایک حرف کی بھی غلطی قتادہ نے نہیں کی اور پھر مجھ سے کہا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کا لکھا ہوا مجموعۂ احادیث (جو صحیفہ کہلاتا ہے) وہ مجھے سورہ بقرہ سے بھی زیادہ یاد ہے۔[۶]

(بقیہ صفحہ ۱۴۳) حاکم ج ۱ صفحہ ۹۴ دارمی صفحہ ۷۸ [۱] دارمی صفحہ ۶۶ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۹۰

[۳] طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۶ فی ذکر یحییٰ بن سیرین۔ [۴] جامع بیان العلم ج ۱ صفحہ ۸۲

[۵] ایضاً صفحہ ۱۰۱ [۶] تدوین حدیث مولانا گیلانیؒ صفحہ ۸۸

صحابۂ کرام کی احتیاط

طوالت کے خوف سے ہم واقعات نقل نہیں کرتے بہت سے صحابۂ کرام احادیث بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور بار بار اس حدیث کو سنا کر اپنی قلت روایت کا عذر پیش کرتے تھے :۔

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (رواہ الائمۃ الستۃ وغیرہم من جماعۃ من الصحابۃ)	جو شخص میری طرف سے جھوٹ بات نقل کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

قال ابن بطال وغیرہ کان کثیر من کبار الصحابۃ لایحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشیۃ المزید والنقصان[1]	ابن بطال وغیرہ نے کہا ہے کہ بہت سے بڑے بڑے صحابۂ کرام اس خوف سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے کہ کہیں حدیث میں ان سے کمی بیشی نہ ہو جائے۔

ایک بار کچھ لوگوں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے درخواست کی کہ "حدیث بیان فرمائیے" بولے "ہم لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں اور بھول چکے ہیں"۔

والحدیث عن رسول اللہ شدید[2]	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنا بہت سخت کام ہے۔

صحابۂ کرام کی احتیاط اور ارشادات نبوی کو من و عن نقل کر دینے کے اہتمام کا یہ عالم تھا کہ ٹھیک ٹھیک الفاظ نقل کر دینے کے بعد بھی ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی کمی بیشی نہ ہو گئی ہو۔

حضرت عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بہت پابندی سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن ان کی زبان سے کبھی "قال رسول اللہ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] فتح الباری ج ۶ صفحہ ۲۸ کتاب الجہاد باب من حدث بمشاہدہ فی الحرب۔

[2] ابن ماجہ صفحہ ۴ باب التوقی فی الحدیث۔

فرمایا) کا لفظ نہیں سنا۔ ایک دن یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو میں نے دیکھا کہ ان کی گردن جھک گئی۔ اور آبدیدہ ہو گئے گردن کی رگیں پھول گئیں اور آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ :۔

او دون ذالك او فوق ذالك او قريبًا من ذالك او شبيهًا بذالك[1]	اس سے کم یا اس سے کچھ زیادہ، اسی کے قریب یا اس کے مشابہ۔

یہی حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تھا کہ حدیث بہت کم بیان کرتے تھے (اگرچہ یہ کم بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں) اور جب حدیث بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ :۔

او كما قال رسول الله عليه وسلم[2]	یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں حدیث بیان کروں تو مجھے آسمان سے زمین پر گر جانا آسان ہے اس سے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کروں جو آپ نے نہیں فرمائی۔[3]

متعدد صحابہ کرام کے متعلق کتب حدیث و تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اگر کسی سے حدیث سنتے تو خوب بار بار اس سے پوچھتے اور قسم لیتے تھے کہ تم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یا نہیں۔[4] بعض صحابہ کرام گواہ مانگتے تھے کہ تمہارے ساتھ اس حدیث کو کسی اور نے بھی سنا ہے۔ جب وہ گواہ پیش کر دیتے تب قبول کرتے تھے۔[5]

---

[1] ابن ماجۃ صفحہ ۴ دارمی صفحہ ۴۶ اسی قسم کے الفاظ ابو ادریس خولانی نے حضرت ابو الدرداء کے متعلق بھی نقل کئے ہیں (رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ ثقات۔ مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۴۱)

[2] سنن دارمی صفحہ ۴۶ ابن ماجۃ صفحہ ۴

[3] تدوین حدیث صفحہ ۱۵۴ بحوالہ مسند احمد ج ۱ صفحہ ۸۱

[4] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب للاستغفار صفحہ ۲۱۳

[5] ابو داؤد کتاب الفرائض باب فی الجدۃ صفحہ ۴۰۱ و کتاب الدیات باب دیۃ الجنین صفحہ ۶۲۸ و کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان صفحہ ۷۰۴

نقل احادیث کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تاکید

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو حدیثیں جمع کرنے انھیں محفوظ رکھنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کا اس قدر اہتمام تھا یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہدایات کی تعمیل تھی۔ یہ کام انھوں نے اپنی مرضی سے شروع نہیں کر دیا تھا بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار اور آپ کی ترغیب و تاکید ہی کی وجہ سے ان حضرات نے حدیث کے لئے یہ تمام خدمات انجام دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

نضر اللّٰه امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعی له من سامع۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن مسعود)[1]	اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اس شخص کو جو ہم سے کوئی بات سنے اور جس طرح سنے ٹھیک اسی طرح دوسروں تک پہنچا دے اس لئے کہ بہت سے وہ لوگ جنھیں یہ بات بعد میں پہنچی ہے اس (پہلے) سننے والے سے زیادہ بات کو محفوظ کرنے والے اور دل میں بٹھانے والے ہوتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابو الدرداء[2]، ابو سعید خدری، جبیر بن عمیر عن ابیہ عن جدہ، معاذ بن جبل، نعمان بن بشیر، نعمان بن بشیر عن ابیہ، ابو قرصافہ، جابر، سعد بن ابی وقاص، انس بن مالک، جبیر بن مطعم[3]، اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم بیان فرمایا اور اس سے قبل یہ حکم دیا کہ :-

لیبلغ شاھدکم غائبکم (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ عن ابن عمر)[4]	تم میں جو موجود ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [2] ایضاً

[3] ان تمام حضرات کی روایتیں حافظ نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل کی ہیں۔ معمولی لفظی فرق کے ساتھ سب کا وہی مضمون ہے جو اوپر لکھا گیا۔ (ج ۱ صفحہ ۱۳۷)

[4] الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۳ صفحہ ۲۱۲

اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات آپؐ نے ایک آدھ ہی بار نہیں فرمائی بلکہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول۔	یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرمایا کرتے تھے (یعنی گویا یہ آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا)

اور اس کے بعد یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ

انی محدثکم الحدیث فلیحدث الحاضر منکم الغائب۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون)[1]	میں تمہارے سامنے حدیث بیان کرتا ہوں پس جو لوگ تم میں سے یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔

گویا نبی علیہ السلام نے بار بار دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت کے ساتھ احکام بیان فرمائے ہیں۔ حضرت وابصہؓ کا معمول تھا کہ عید و بقرعید کے دن مجمع کو خطاب کیا کرتے تھے۔ ایک بار اسی قسم کی ایک تقریر میں انھوں نے بیان فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع والے خطبہ میں شریک ہوا۔ پھر آپ کے خطبہ کے بعض اجزاء نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے لوگوں کو متوجہ کرکے فرمایا :-

ھل بلغت ؟ -	کیا میں نے تم تک (خدائی پیغام) پہنچا دیا ؟

سب لوگوں نے بیک آواز کہا "ہاں! آپ پہنچا چکے" اس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمایا، اللھم اشھد (اے اللہ! تو بھی گواہ رہ) اس کے بعد نصیحت فرمائی۔

یا أیھا الناس لیبلغ الشاھد منکم الغائب۔	اے لوگو! تم میں کے حاضرین (یہ بات) غائبین تک پہنچا دیں۔

پھر حضرت وابصہؓ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:-

فادنوا نبلغکم کما قال لنا رسول اللہ	پس قریب آکر (اچھی طرح سن لو) ہم تم تک

[1] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۳۹

صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ البزار ورجالہ موثقون[1])	پہنچادیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں

تسمعون ویُسمع منکم ویُسمع ممن یَسمعُ منکم۔ (رواہ احمد ابوداؤد والحاکم[2])	تم مجھ سے سنتے ہو اور تم سے دوسرے لوگ سنیں گے اور جو تم سے سنیں گے (انھیں چاہیئے کہ وہ بھی دوسروں کو سنائیں گے)

حضرت ابوقرصافہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدثوا عنی بما تسمعون۔ (طبرانی فی الکبیر[3])	جو کچھ مجھ سے سنتے ہو اسے دوسروں سے بیان کرو۔

انہی نبوی ہدایات کا اثر تھا کہ صحابہ کرام حدیثوں کے عام کرنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ حضرت مکحولؒ کہتے ہیں کہ میں اور ابن ابی زکریا اور سلیمان بن حبیب ہم تینوں حمص میں حضرت ابوامامہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور ان کی مجلس میں شرکت کی) آپ نے فرمایا کہ:-

ان مجلسکم ھذا من بلاغ اللہ لکم واحتجاجہ علیکم وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بلّغ فبلغوا۔	تمہاری یہ مجلس خدا کی طرف سے ایک پیغام ہے اور (اگر یہ پیغام تم نے دوسروں تک نہ پہنچایا تو یہ) تمہارے خلاف حجت (بھی) ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدائی پیغام)

[1] مجمع الزوائد ج۱ صفحہ ۱۳۹ [2] السراج المنیر ج۲ صفحہ ۱۴۹ قلت ورواہ البزار والطبرانی فی الکبیر عن ثابت بن قیس بن شماس فی حدیث ــــ مجمع الزوائد ج۱ صفحہ ۱۳۷

[3] قال ابن رسلان یشبہ ان یکون خبرا فی معنی الامر ۔ السراج المنیر ج۲ ص ۱۴۹۔

[4] مجمع الزوائد ج۱ صفحہ ۱۴۸

(رواہ الطبرانی فی الکبیر و اسنادہ حسن[1]) | تم تک پہنچا چکے۔ پس تم بھی دوسروں تک پہنچاؤ۔

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد سلیم بن عامر کا بیان ہے کہ ہم ابو امامہؓ کی مجلس میں شرکت کیا کرتے تھے۔

فیحدثنا حدیثا کثیرا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا سکت قال اعقلتم بلغوا کما بُلِّغتُم۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر و اسنادہ حسن[2])

وہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں سناتے تھے جب سنا کر خاموش ہوتے تو دریافت فرماتے کیا سمجھ گئے؟ پس جس طرح تم تک پہنچا دیا گیا تم بھی دوسروں تک پہنچاؤ۔

دورِ تابعین میں حدیثی انہماک

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی پوری طرح تعمیل صحابہ کرام نے خود کی اور اپنے شاگردوں سے بھی اس کا مطالبہ کیا جسے ابھی اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اساتذہ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا اور اپنی جان و مال اور ہر محبوب چیز کو قربان کر کے علم حدیث کو حاصل کرنا اسے ترقی دینا اور زندہ جاوید بنا دینا اپنا مقصدِ زندگی بنا لیا تھا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے کہ ہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس سے حدیثیں سن کر جب اٹھتے تھے تو:۔

تذاکرنا فکان ابو الزبیر احفظنا للحدیث[3] | ہم آپس میں مذاکرہ کرتے تھے۔ ہم سب میں ابو الزبیر (محمد بن مسلم بن تدرس) کا حافظہ سب سے اچھا تھا۔

ابن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت معاویہ مسجد میں پہنچے تو کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا پایا حضرت معاویہؓ نے پوچھا کس لئے بیٹھے ہو؟ انھوں نے جواب دیا قعدنا نتذاکر سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم[4] یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (آپ کی احادیث) کا مذاکرہ کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ کسی وقت جمع ہو کر باہم

---

[1] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۳۹ و صفحہ ۱۴۰ [2] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۴۰

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۱۹ [4] المستدرک ج ۱ صفحہ ۹۴

ہوئی حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ بھی کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کا اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ

ان الرجل منا لیفقد اخاہ فیمشی فی طلبہ الی اقصی الکوفۃ حتی یلقاہ۔	ہم میں ایک شخص اپنے ساتھی کی تلاش میں چلتا ہے تو کوفہ کے آخری کنارے تک اس کو ڈھونڈھتا ہے یہاں تک کہ اس سے ملاقات کرلیتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تک تمہارا یہ معمول ہے اس وقت تک تمہارے لئے خیر ہے۔[۱]

اس کے بعد کے زمانہ میں حدیث کا چرچا

یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شروع ہوا تو برابر جاری ہی رہا اس میں ترقی تو ہوئی لیکن کمی نہیں آئی یہاں تک کہ حدیث کی باقاعدہ کتابی شکل میں تدوین ہوگئی چنانچہ کتب حدیث و تاریخ میں تابعین کا بھی اپنے شاگردوں کو بالکل اسی طرح کی نصیحتیں کرنا منقول ہے جیسا کہ صحابہ کرام نے ان تابعین کو حدیث کے اہتمام کے سلسلہ میں کی تھیں۔[۲] اور اس کی تعمیل میں جس طرح ان تابعین نے پوری سرگرمی دکھائی تھی اسی طرح اس کے بعد کے دور میں بھی اسی انہماک اور لگن سے حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔ دارمی نے اپنی سنن میں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب[۳] میں متعدد نصیحتیں تابعین کی ذکر کی ہیں اور بیان کیا ہے کہ حارث بن یزید عکلی، قعقاع بن یزید، مغیرہ اور فضیل یہ حضرات نماز عشاء کے بعد جو مجلس مذاکرہ شروع کرتے تو فجر کر دیتے تھے۔ فربما لم نقم حتی نسمع النداء لصلاۃ الفجر۔[۳]

یونس بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حضرت حسن بصریؒ کی مجلس سے حدیثیں سنکر اٹھتے تھے تو:۔

تذاکرنا بیننا۔[۴]	آپس میں اس کا دور و مذاکرہ کرتے تھے۔

اسماعیل بن رجاء کا معمول تھا کہ اگر مذاکرہ کے لئے کوئی ساتھی نہ ملتا تو مکتب کے بچوں کو بٹھا کر ان کے سامنے حدیثیں بیان کرتے تھے تاکہ اپنی مشق جاری رہے اور ناغہ نہ ہو۔[۵]

---

[۱] سنن دارمی صفحہ ۷۹ [۲] دارمی صفحہ ۷۷ و ۷۸، تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۷۰ [۳] تہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۷۰ [۴] سنن دارمی صفحہ ۷۸ [۵] سنن دارمی صفحہ ۷۸، تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۹۶ و جامع بیان العلم صفحہ ۱۰۳ و طبقات ابن سعد — ابن عبدالبر نے اسی قسم کا ایک واقعہ عطا خراسانی کے متعلق بھی بیان کیا ہے۔

عروہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے ہشام بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے اور میرے دوسرے بھائیوں عبد اللہ، عثمان اور اسماعیل وغیرہ کو حدیث پڑھا دیتے اور پھر ہم سے دوبارہ سنتے اور فرماتے کہ:-

تكرروا علىّ وكان يعجب من حفظي . (التاريخ الكبير للبخاري ص ۱۴۲)[1]	جو کچھ تم نے یاد کیا ہے مجھے سناؤ۔ اور وہ میری یادداشت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔

امام زہری اس اندیشہ سے کہ کبھی بھول جائیں اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے تھے:-

ليكن الحفظ بالتدريج قليلاً قليلاً (التدريب ص ۱۸۰)[2]	حدیثیں بالتدریج تھوڑی تھوڑی یاد کرنی چاہئیں۔

اور اس موقع پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث بھی یاد دلاتے کہ:-

خذوا من العمل ما تطيقون . (بخاری و مسلم عن عائشہؓ)[3]	کام کا بوجھ اپنے ذمہ بس اتنا ہی رکھنا سنبھال سکو۔

عموماً شوق میں بچے زیادہ سبق لے لیتے ہیں لیکن یاد ہوتا نہیں اس لئے امام زہری فرماتے تھے:-

من طلب العلم جملة فاته جملة (تدریب الراوی ص ۱۸۰)[4]	جو تمام علم کو ایک ہی دفعہ میں لے لینا چاہتا ہے وہ سب کے سب کو کھو بیٹھتا ہے۔

حافظ ذہبی نے سلیمان تیمی کے متعلق نقل کیا ہے کہ طلبہ کو اپنے حلقۂ درس میں شرکت کی اجازت امتحان لے کر اور خاص شرائط کے ساتھ دیتے تھے جب طالب علم ان شرائط کو منظور کر لیتا تو:-

استحلفه فان حلف حدثه خمسة احاديث[5]	اس سے قسم لیتے۔ جب وہ قسم کھا لیتا تب اسے اپنے درس میں شریک کرتے اور ایک مجلس میں صرف پانچ حدیثیں بیان کرتے تھے

---

[1] تدوین حدیث از مولانا گیلانی صفحہ ۱۹۔ [2] ایضاً۔ [3] الجامع الصغیر

[4] تدوین حدیث صفحہ ۱۹۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۴۳، ہمارے مدارس میں امتحان داخلہ اور داخلہ فارم کے ساتھ حلف نامہ شاید اسی وقت سے چلا ہو۔

اس قسم کے واقعات قدماء محدثین کے حالات میں بہت ہیں اگر کوئی انھیں جمع کرنا چاہے تو مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

لوگوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس رضؓ کے شاگرد ثابت البنانی کا بیان ہے کہ حضرت حسن بصری کے پاس حدیث سننے والوں کی ہر وقت اتنی بھیڑ رہتی تھی کہ منعوہ القائلۃ ومنعوہ النوم یعنی دوپہر کا لیٹنا اور رات کا سونا تک مشکل ہوگیا تھا۔[1] عبداللہ بن عون جن کا شمار تبع تابعین میں ہے وہ کہتے ہیں کہ قد قطعوا علی الطریق ما اقدر ان اخرج لحاجۃ یعنی مما یسئلونہ عن الحدیث۔ یعنی لوگ حدیثیں سننے کے لئے مجھے ہر وقت اس طرح گھیرے رہتے ہیں کہ راہ چلنا اور کسی ضرورت سے باہر جانا تک میرا بند کر دیا ہے۔[2]

قدماء محدثین کا بے مثال حافظہ

فطرت کا ایک عام اصول ہے کہ جس صلاحیت و قوت سے جتنا زیادہ کام لیا جاتا ہے وہی قوت عام طور پر نشو و نما پاتی اور ترقی کرتی ہے اور اس کے برخلاف آدمی جس قوت و صلاحیت سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے وہ آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگتی ہے۔[3] اب سے کچھ عرصہ قبل جب لوگ زیادہ تر پیدل چلنے کے عادی تھے اور سواریوں کا رواج بہت کم تھا اُس وقت کے مقابلہ آج یقیناً پیدل چلنے کی صلاحیت اتنی باقی نہیں رہی ہے، وزن اٹھانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے جب انسان کے پاس موجودہ اسباب و ذرائع نہیں تھے اور وہ خود ہی لاد کر لے جاتا تھا اُس وقت کے مقابلہ میں موجودہ

---

[1] تدوین حدیث صفحہ ۱۲۴ بحوالہ طبقات ابن سعد حصہ ۲ ج ۷، صفحہ ۴

[2] ایضاً بحوالہ طبقات ابن سعد حصہ دوم ج ۷، صفحہ ۲۵ [3] اگر یکساں صحت کے دو آدمی ایک ہی قسم کی غذا کھائیں لیکن ایک ان میں سے ورزش کرے اور ڈنڈ پیلے اور دوسرا یہ نہ کرے تو یقیناً دونوں کی جسمانی قوت میں نمایاں فرق ہوگا لیکن کیا اس لئے کہ اس کمزور آدمی کو غذا کم ملی؟ نہیں بلکہ اس نے اپنی جسمانی قوت کو کام میں لاکر اسے ترقی نہیں دی اور دوسرے نے اس سے خوب کام لیا جس کے نتیجہ میں اس کی صحت ترقی کر گئی۔

نسل یقیناً باربرداری کی صلاحیت میں بہت کم ہے۔

اسی قانون کے تحت پہلے چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج پوری دنیا میں عموماً اور عربوں میں خصوصاً بہت کم تھا اس لیے قدرتی طور پر لوگ حافظوں سے کام لینے پر مجبور تھے اور اپنے ان تمام معاملات میں جن میں آج تحریر سے کام لیا جاتا ہے لوگ عام طور پر یہ سب کام حافظہ ہی سے لیتے تھے اس لئے ان کا حافظہ موجودہ لکھنے پڑھنے والی نسل کے مقابلہ میں یقیناً زیادہ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ آج کے مقابلہ میں پہلے لوگوں کا حافظہ زیادہ ہونا عجیب بات نہیں بلکہ عجیب بات تو یہ ہوتی ۔۔۔ کہ وہ حافظہ میں کمزور ہوتے اس لئے کہ قوانین فطرت اٹل ہیں، ان کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

ولن تجد لسنة الله تبديلا۔	خدا کے قوانین (فطرت) میں کبھی تم تبدیلی نہیں دیکھو گے۔

اس عام اصول کے علاوہ عربوں کا معاملہ خاص طور پر دوسروں سے الگ ہے۔ ان کے طبعی حالات، جغرافیائی ماحول اور آب وہوا کی وجہ سے بھی ان میں قوت حافظہ بہت زیادہ ہے۔ آج بھی عرب ممالک میں جا کر ہر شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ اہل عرب قوت حافظہ کے لحاظ سے دنیا کی تمام قوموں سے حیرت انگیز طور پر فوقیت رکھتے ہیں[1]۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ من مذھب العرب انھم کانوا مطبوعین علی الحفظ مخصوصین بذٰلک۔ یعنی عربوں کا عام طریقہ تھا کہ یاد رکھنے کی ان کی کچھ فطری عادت تھی جس میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا[2]۔

اب غور کیجئے کہ اول تو عربوں کا اپنا مخصوص جغرافیائی ماحول اور اس کی وجہ سے حافظہ میں زیادتی دوسرے نوشت وخواند کے رواج نہ ہونے کی وجہ سے عام دنیا کی طرح عربوں کا بھی قوت حافظہ سے کام لینا بالخصوص جب کہ تعلیم اس وقت کے تناسب کے لحاظ سے بھی عربوں میں بہت ہی کم تھی اس لئے انھیں

---

[1] کیا بعید ہے کہ جس نبی کا دین قیامت تک کے انسانوں کے لئے تھا اسے عربوں میں مبعوث کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو کہ ایسے قوی الحافظہ لوگ اس دین کے محافظ وامین بنائے جائیں جو اسے جوں کا توں بغیر کسی کمی بیشی کے بعد والوں تک پہنچا سکیں۔ واللہ اعلم

[2] تدوین حدیث صفحہ ۸۴ بحوالہ جامع بیان العلم۔

اور بھی زیادہ اپنی یادداشت سے کام لینا پڑتا تھا۔ تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ سے جوان کو لامحدود بے مثال عشق و تعلق ہوا اور پھر آپ نے بار بار تاکید فرمائی کہ میری باتوں کو محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچاؤ جیسا کہ ابھی تفصیل سے لکھا گیا اور مزید برآں یہ کہ کسی ایک لفظ کی کمی کی بیشی کو انتہائی قبیح اور سخت درجہ کا حرام قرار دیدیا کہ:۔

جس نے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔	من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (بخاری و مسلم وغیرہما عن جماعۃ من الصحابۃ)

اس لئے اور بھی ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو بعینہٖ جوں کا توں نقل کرنے پر وہ مجبور ہوئے۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ اسلام کوئی گوشہ نشین اور کارزارِ حیات سے بے تعلق مذہب نہ تھا بلکہ زندگی کے ہر ہر گوشہ میں جاری و ساری تھا اور زندگی کے ہر معاملہ میں قرآنی ہدایات اور نبوی ارشادات ہی کی ضرورت تھی۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے عربوں کو اپنی قوتِ حافظہ سے بے انتہا کام لینا پڑا۔ جس چیز کو وہ اپنا دین اور اپنی دنیا دونوں ہی سمجھے ہوئے تھے اسے محفوظ کرنے کے لئے انھوں نے اپنے حافظے کو بالکل وقف کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کو تاریخ میں ایسی مثالیں بھی نظر آئیں گی کہ راستوں میں چلتے ہوئے بازاروں سے گذرتے ہوئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے کہ کوئی غلط بات کان میں نہ پڑے۔ گویا ان کا حافظہ احادیثِ نبویہ کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔

ایسے حالات میں انسانی قوتِ حافظہ کے جتنے بھی عجائبات سامنے آئیں وہ بالکل قابلِ حیرت و استعجاب نہیں ہیں۔ ہم یہاں صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کی قوتِ حافظہ کے صرف چند واقعات بطور نمونہ لکھتے ہیں۔

(۱) حضرت زید بن ثابت رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارتی ضرورتوں کے پیشِ نظر سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے پندرہ دن سے بھی کم میں یہ زبان سیکھی اور قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میں اس میں خوب ماہر ہو گیا یہاں تک کہ کنت اکتب لہ الیھم واقرألہ

کتبھم الیہ۔ یعنی میں آپ کے پاس آنے والے سریانی زبان کے خطوط کا ترجمہ کر کے سناتا بھی تھا اور ان کے جوابات بھی لکھتا تھا۔[1]

(۲) امام ابن شہاب زہری خود اپنے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ :-

ما استعدت حدیثا قط وما شککت فی حدیث الا حدیثا واحدا فسألت صاحبی فاذا ھو کما حفظت[2]	ایک بار حدیث سن لینے کے بعد آج تک کبھی مجھے دوبارہ اس کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی اور نہ کبھی کسی حدیث کے متعلق کوئی شک و شبہ ہوا صرف ایک بار مجھے شک ہوا لیکن جب میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا تو وہ حدیث اسی طرح نکلی جس طرح مجھے یاد تھی۔

لیث نے ابن شہاب زہری کے خود اپنے متعلق یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ :-

ما استودعت قلبی علما فنسیتہ[2]	کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے سینے میں کوئی علم امانت رکھا ہو اور پھر اسے بھول گیا ہوں۔

حد تو یہ ہے کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں جب بقیع کی طرف سے گذرتا ہوں تو اپنے کانوں کو اس اندیشے سے بند کر لیتا ہوں کہ ان میں کوئی فحش بات نہ پہنچ جائے فواللہ ما دخل فی اذنی شیئ فنسیتہ یعنی اس لئے کہ خدا کی قسم میرے کان میں آج تک جو بات بھی پڑی کبھی اس کو بھولا نہیں۔[3]

(۳) ہشام بن عبد الملک کے دور حکومت میں ایک بار زہری اپنی کسی ضرورت سے دربار میں گئے ہوئے تھے ہشام نے خواہش ظاہر کی کہ شہزادے یعنی اس کے لڑکے کو کچھ حدیثیں لکھوا دیجے۔ زہری تیار ہو گئے

---

[1] بخاری، ابوداؤد، ترمذی ۔۔۔ (تیسیر الوصول ج ۳ صفحہ ۱۷۷) [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۱۰۲ شعبی کے متعلق بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ ما کتبت سوداء فی بیضاء وما استعدت حدیثا من انسان۔ یعنی میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا اور نہ کوئی حدیث میں نے کسی سے دوبارہ لوٹوائی۔ (دارمی صفحہ ۶۷) [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۰۳ [4] تدوین حدیث صفحہ ۱۹۴ بحوالہ ابن عبد البر۔

زہری نے شہزادے کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں۔	اور فاملی علیہ اربع مائۃ حدیث [1]

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ تقریباً ایک مہینہ کے بعد جب زہری دوبارہ ہشام کے یہاں پہنچے تو ہشام نے (افسوس کے لہجہ میں) کہا کہ

وہ کتاب جو آپ اس روز لکھوا کر گئے تھے ضائع ہو گئی۔	ان ذلك الكتاب ضاع۔

زہری کے لئے یہ کونسی بڑی بات تھی انھوں نے وہی چار سو حدیثیں پھر لکھوا دیں واقعہ یہ تھا کہ پہلا مسودہ غائب نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تو امتحان کرنے کے لئے ایک چال تھی چنانچہ جب زہری واپس ہوئے تو:

ہشام نے پہلی کتاب سے اس کتاب کا مقابلہ کیا تو پتہ چلا کہ (ایک حدیث یا ایک جملہ تو کیا) ایک حرف بھی زہری سے نہ چھوٹا تھا۔	قابل بالکتاب الاول فما غادر حرفا واحدا [2]

(۴) اس سے پہلے اسی قسم کا ایک امتحان حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا بھی ہو چکا تھا۔ مروان بن الحکم کے سکریٹری ابوالزعزعہ کا بیان امام بخاری نے کتاب الکنی میں نقل کیا ہے کہ ایک روز مروان نے حضرت ابوہریرۃ رض کو طلب کیا۔ ممکن ہے ان کی کثرت روایت کی وجہ سے اسے کچھ شکوک و شبہات ہوں۔ حضرت ابوہریرۃ رض تشریف لائے۔ مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سکریٹری ابوالزعزعہ کو حکم دے رکھا تھا کہ پردے کے پیچھے قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جاؤ میں ابوہریرۃ رض سے حدیثیں پوچھوں گا اور وہ جو کچھ بیان کریں تم اسے لکھتے جانا۔ چنانچہ یہی ہوا مروان پوچھتا جاتا اور حضرت ابوہریرۃ بیان کرتے جاتے اور ادھر پردے کے پیچھے ابوالزعزعہ لکھتا جاتا۔ اس طرح کل کتنی حدیثیں لکھوائی گئیں ان کی صحیح تعداد تو بیان نہیں کی لیکن ہاں ان کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی تھی۔ ابوالزعزعہ کا بیان ہے کہ:

پس مروان ابوہریرۃ رض سے پوچھتا رہا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔	فجعل يسأل وانا اكتب حديثا كثيرا۔

یہ مجلس برخواست ہوئی اور حضرت ابوہریرۃ چلے گئے۔ مروان نے حدیثوں کا یہ مجموعہ حفاظت سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۰۳ — [2] تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۰۴ —

دکھا دیا۔ حضرت ابوہریرۃ کو اس کارروائی کی بالکل خبر نہیں تھی۔ ابوالزعزہ کا بیان ہے کہ سال بھر کے بعد مروان نے حضرت ابوہریرۃ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے پھر اسی طرح پردے کے پیچھے اس مجموعہ کو لے کر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ ابوالزعزہ کے الفاظ ہیں:۔

فترکہ سنۃ ثم ارسل الیہ واجلسنی وراء الستر فجعل یسأله وانا انظر فی الکتاب فما زاد ولا نقص[1]	مروان نے اس مجموعۂ احادیث کو ایک سال تک رکھ چھوڑا پھر ابوہریرۃؓ کو بلوا کر ان سے پوچھنے لگا اور مجھے پردے کے پیچھے بٹھا دیا وہ پوچھتا جاتا تھا اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا۔ پس ابوہریرۃؓ نے نہ کوئی لفظ بڑھایا اور نہ گھٹایا۔

(۵) مشہور خراسانی امیر عبداللہ بن طاہر کے دربار میں امام بخاری کے استاد ابن راہویہ کی ایک دوسرے عالم سے بعض مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کسی کتاب کی عبارت کے متعلق دونوں میں اختلاف ہوا۔ اس پر ابن راہویہ نے امیر عبداللہ سے کہا کہ اپنے کتب خانہ سے فلاں کتاب منگوائیے۔ چنانچہ کتاب منگوائی گئی۔ ابن راہویہ نے امیر عبداللہ کو خطاب کر کے کہا کہ:۔

عد من الکتاب احدی عشرۃ ورقۃ ثم عد سبعۃ اسطر۔	کتاب کھول کر اس کے گیارہ ورق پلٹیے اور گن کر ساتویں سطر میں دیکھئے وہی ملے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔

چنانچہ اسی طرح دیکھا گیا تو کتاب میں ٹھیک وہی نکلا جو ابن راہویہ نے کہا تھا۔ اس پر امیر عبداللہ نے ابن راہویہ سے کہا کہ:۔

علمت انک قد تحفظ المسائل ولکنی اعجب لحفظک ھذہ المشاھدۃ[2]	یہ تو میں پہلے سے جانتا تھا کہ آپ کو مسائل بہت یاد ہیں لیکن تمہاری قوت حافظہ کے اس مشاہدے نے تو مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

---

[1] تدوین حدیث از مولانا گیلانی صفحہ ۸۱ بحوالہ کتاب الکنی للبخاری صفحہ ۳۳

[2] تدوین حدیث صفحہ ۸۳ بحوالہ تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۲ صفحہ ۴۱۲

(۶) حافظ ابوزرعہ رازی جو حدیث و رجال کے مشہور امام ہیں ان کی مجلس میں محمد بن مسلم ابن وارہ اور فضل بن العباس جو فضلک الصائغ کے نام سے مشہور ہیں یہ دونوں حاضر ہوئے اور کسی مسئلہ پر دونوں میں بحث ہونے لگی۔ ابن وارہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی۔ فضلک نے کہا کہ حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔ ابن وارہ نے پوچھا کہ پھر صحیح الفاظ کیا ہیں؟ فضلک کے نزدیک جو صحیح الفاظ تھے دہرا دیئے۔ ابوزرعہ دونوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہے تھے۔ آخر ابن وارہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک حدیث کے صحیح الفاظ کیا ہیں؟ ابوزرعہ بظاہر اس بحث میں پڑنا نہیں چاہ رہے تھے اس لئے انھوں نے کہا کہ ذرا میرے بھتیجے ابوالقاسم کو بلاؤ۔ ابوالقاسم بلائے گئے۔ حافظ ابوزرعہ نے ان سے کہا کہ:۔

کتب خانہ میں جاؤ اور پہلے دوسرے تیسرے جزدان کو چھوڑ کر اس کے بعد جو جزدان ہے اسے کھول کر اس میں سے سولہ جزو گن کر چھوڑ دو اور سترھواں جزو میرے پاس لے آؤ۔	ادخل بیت الکتب فدع القمطر الاول والثانی والثالث وعد ستۃ عشر جزءًا وائتنی بالجزء السابع عشر۔

ابوالقاسم گئے اور حسب ہدایت وہی جزو نکال لائے۔ حافظ ابوزرعہ نے اوراق پلٹے اور حدیث جس صفحہ پر تھی اسی صفحہ کو نکال کر ابن وارہ کے سامنے رکھ دیا۔ ابن وارہ نے پڑھا اور اقرار کیا کہ غلطنا (یعنی واقعی میں ہی غلطی پر تھا) اسی کے ساتھ حافظ ابوزرعہ کا یہ دعویٰ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے جو ابوجعفر التستری کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ وہ ان سے کہتے تھے:۔

پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھی تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی ہیں اور لکھنے کے بعد سے ابتک میں نے ان کا مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ حدیث کس کتاب میں ہے کتاب کے کس ورق میں کونسے صفحہ پر ہے اور کونسی سطر میں ہے۔	ان فی بیتی ما کتبتہ منذ خمسین سنۃ ولم اطالعہ منذ کتبتہ وانی اعلم فی ای کتاب ھو فی ای ورقۃ ھو فی ای صفحۃ ھو فی ای سطر ھو[1]

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۳۳۔

حدیث کے اس طرح حفظ یاد کرنے کا چونکہ رواج نہیں رہا ہے اس لئے یہ ذرا عجیب سا معلوم ہوتا ہے ورنہ آج بھی قرآن مجید کے حافظ کیا بالکل اسی طرح آیتوں کا پتہ نہیں بتا سکتے کہ یہ آیت فلاں سورت کے فلاں رکوع کی فلاں آیت ہے؟ اگرچہ حافظوں میں بھی مختلف درجات ہیں لیکن ایسے حافظ بھی بہت مل سکتے ہیں جو ابو زرعہ کی طرح برسہا برس تک قرآن مجید نہیں دیکھتے اور تراویح میں بلا جھجک پورا قرآن مجید سنا دیتے ہیں۔

اسی طرح کے واقعات امام بخاری ترمذی اور دوسرے حضرات کے بہت سے ہیں ہمیں صرف نمونہ کے لئے یہ دکھانا تھا کہ جن لوگوں کی قوتِ یادداشت کا یہ عالم ہو ان کے حافظہ کو غیر معتبر قرار دینا کتنی بڑی نادانی اور حقائق سے کس قدر کھلا اعراض ہے۔

حدیث کا تحریری ذخیرہ

صحابۂ کرام اور تابعین اور بعد کے خدامِ حدیث ایسا محیر العقول اور حیرت انگیز حافظہ رکھنے کے باوجود تحریر و کتابت کی طرف سے بھی غافل نہ تھے۔ احادیث نبویہ کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے کہ جو دورِ رسالت ہی سے لے کر آج تک تحریری شکل ہی میں چلا آرہا ہے جس طرح قرآن مجید کو لوگوں نے ہمیشہ حفظ یاد کیا لیکن تحریر کا بھی شروع ہی سے اہتمام کیا۔ ٹھیک اسی درجہ میں نہ سہی اس سے کچھ کم سہی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دورِ رسالت سے آج تک کبھی بھی تحریر کی طرف سے غفلت ہوئی ہو۔

بعض واقعات ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں کہ محدثین کرام اور اساتذۂ حدیث روایات کو بیان تو کرتے تھے حافظہ ہی سے لیکن جہاں شبہ ہوتا فوراً کتاب نکال کر دیکھتے تھے۔ اس طرح کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو مضمون طویل ہو جائے گا صرف اشارے کرتا ہوں کہ امام بخاری نے جب اپنے استاد داخلی کی بیان کردہ ایک سند پر اعتراض کیا تھا کہ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم صحیح نہیں بلکہ سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم صحیح ہے تو استاد نے شبہ دور کرنے کے لئے آخر اندر جا کر کتاب ہی سے تو رجوع کیا تھا اور ابھی ایک ڈیڑھ صفحہ پہلے آپ نے پڑھا ہے کہ ابو زرعہ نے ابن دارہ اور رفقائے الساتغ کے اختلاف کا فیصلہ حدیث کے تحریری مجموعہ ہی سے کیا تھا اور اس طرح کے واقعات بہت سے مل سکتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے کالجوں کے طرزِ تعلیم کی طرح اگرچہ محدثین محاضرات

(بکرس) کے طریقے پر عامل تھے[1] لیکن کتابوں سے بے نیاز و غافل نہ تھے اور یہ طرز کوئی آخری دور ہی میں نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ کرام ہی کے دور سے یہ طریقہ تھا۔ بیان کرتے وقت وہ حافظہ ہی سے بیان کرتے تھے مگر تحریری طور پر بھی ان میں سے بیشتر حدیثیں ان کے پاس موجود ہوتی تھیں۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے دعویٰ کیا ہے اور ان کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ :۔

"میں اپنے دعوے کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ عملی تواتر اور روایت ان دو ذریعوں کے سوا حدیث کی کوئی معمولی مقدار نہیں بلکہ اس وقت ہمارے پاس اس تاریخ کا جو ذخیرہ موجود ہے اس کا غالب ترین حصہ کم از کم نمبر اول کی صحیح حدیثوں کی جو تعداد ہے ـــــ خود اس کے عینی شاہدوں کے زمانہ میں زیادہ تر ان ہی کے ہاتھوں سے قید تحریر میں آچکا تھا۔"

اس کے بعد مولانا گیلانی اس کے تسلسل اور عدم انقطاع کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اور اس کے بعد اس دعوے پر یہ اور اضافہ کرتا ہوں کہ ان واقعات کا ایک بڑا جزو جس طرح تواتر کے ساتھ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور روایت کے متابعاتی و شواہدی طریقوں سے جس طرح یہ موجودہ شکل میں آیا ہے ٹھیک اسی طرح اپنے چشم دید گواہوں کے زمانہ سے قید تحریر میں آکر مسلسل اسی طرح کتابی شکل میں باقی رہا اور اب تک باقی ہے[2]۔"

امت کے پاس موجود حدیثوں کی کل تعداد

اگلی ایک اہم بات سمجھنے کے لئے یہاں اس سوال کا حل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج امت کے پاس احادیث نبویہ کا جو کل ذخیرہ ہے اس کی مجموعی تعداد کیا ہے؟ عام طور پر حدیث کے حافظوں کے حالات لکھنے والے جو ان کی حدیثوں کی تعداد لکھتے ہیں وہ تو سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے مثلاً

[1] فرق یہ ہے کہ اب اصل توجہ مضمون کی طرف ہوتی ہے اور اس وقت لفظ و معنی دونوں کا پورا اہتمام تھا۔ [2] تدوین حدیث صفحہ ۶۰ و ۶۱

امام احمد بن حنبل کو جو حدیثیں یاد تھیں ان کی تعداد ساڑھے سات لاکھ بتائی جاتی ہے[1] اسی طرح مشہور حافظ حدیث امام ابو زرعہ کو جو حدیثیں یاد تھیں ان کی تعداد کسی اور نے نہیں بلکہ امام فن حضرت امام احمد بن حنبل نے چھ لاکھ بتائی ہے[2] امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب چھ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر تیار کی ہے[3]

امام مسلم خود اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ میں نے یہ مجموعہ اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کر کے لکھا ہے[4] مشہور امام حدیث یحییٰ بن معین خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں :۔

کتبت بیدی الف الف حدیث[5] | میں نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بیانات کا وہ مقصد سرے سے ہے ہی نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے محدثین کی اصطلاح میں ایک حدیث تقویت و تائید کی غرض سے اگر دس سندوں سے نقل کی جائے تو وہ اس ایک حدیث کو ایک نہیں بلکہ دس حدیثیں کہتے ہیں مثال کے طور پر حدیث انما الاعمال بالنیات حدیث ایک ہی ہے مگر سات سو طریقوں اور سندوں سے نقل ہوئی ہے[6] اس لئے محدثین کی اصطلاح کے لحاظ سے یہ سات سو حدیثیں کہلائیں گی اور اکثر احادیث کا حال یہی ہے کہ ان کی گنتی سندوں کے لحاظ سے کی گئی ہے۔

دوسری ایک وجہ تعداد احادیث کے بہت زیادہ ہو جانے کی یہ بھی ہے کہ ابتداءً "حدیث" نام تھا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا (اور یہی لفظ "حدیث" کے لغوی معنی بھی

---

[1] تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی صفحہ ۱۸۳ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ماخوذ از تدوین حدیث صفحہ ۷۶ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۷ [6] تدوین حدیث صفحہ ۵ و ۶۲ [7] شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین میں لکھتے ہیں کہ محدثین تو جب حدیث کا صحابی بدل جائے تو اسے دوسری حدیث کہتے ہیں خواہ الفاظ وہی رہیں اور اس کے برخلاف فقہا کے نزدیک معنی کا اعتبار ہے جب تک معنی ایک ہیں حدیث ایک ہی سمجھی جائے گی (بستان المحدثین ص ۲۹)

ہیں، لیکن بعد میں اس میں وسعت پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ آپ کے افعال و تقریرات[1] کو بھی حدیث کہا جانے لگا بلکہ صحابہ کرام کے اقوال اور ان کے فیصلے بھی حدیث کے تحت داخل کر دیئے گئے ـــــ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور دوسروں کی رائیں سب مخلوط ہو کر رہ گئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا باہمی فرق تو ہر ایک کا الگ الگ باقی رہا لیکن لفظِ حدیث ان سب پر بولا جانے لگا ـــــ ان مذکورہ بالا دونوں باتوں کے متعلق صاحب توجیہ النظر لکھتے ہیں:۔

ان کثیرا من المتقدمین کانوا یطلقون اسم الحدیث علی ما یشمل آثار الصحابۃ والتابعین وتابعیھم وفتاواھم و یعدون الحدیث المروی باسنادین حدیثین۔ (توجیہ النظر ص ۳ ۹[2])	متقدمین میں سے بہت سے لوگ لفظ حدیث کو ایسے عام مفہوم کے لئے بولتے تھے جس میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے آثار و فتاوی سب شامل ہیں۔ نیز ایک ہی حدیث دو سندوں سے منقول ہو تو اسے وہ دو حدیثیں قرار دیتے تھے۔

امام احمد کی روایات کی تعداد جو اوپر سات لاکھ لکھی گئی اس کے متعلق اہل دماصح من الاحادیث واقاویل الصحابۃ والتابعین[3] یعنی اس تعداد سے مراد وہ تمام احادیث اور اقوالِ صحابہ ہیں جو صحیح طریقہ پر نقل ہوئے ہیں۔

امام ابن جوزی نے تمام احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے متعدد ائمہ حدیث کی محفوظ روایات کی تعداد بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

المراد بھذا العدد الطرق لا المتون[4]	اس مذکورہ تعداد سے مراد حدیث کے متون (الفاظ) نہیں ان کی سندیں ہیں۔

[1] حدیث کی اصطلاح میں "تقریر" اس عمل کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السلام کی نظروں کے سامنے کیا گیا ہو اور آپ نے اس کو منع نہ فرمایا ہو۔ [2] ماخوذ از تدوین حدیث صفحہ ۶۲ [3] تدریب الراوی صفحہ ۸
[4] تلقیح فہوم اہل الاثر صفحہ ۱۸۴ لابن الجوزی

معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر کثیر تعداد میں حدیثیں کیونکر منقول ہیں یہ دراصل اس حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے ہے۔ حدیثوں کو اگر ہم انکی سندوں سے علیحدہ کر کے صرف متون حدیث کا شمار کریں تو یہ تعداد گھٹ کر آدھی اور تہائی بلکہ چوتھائی بھی نہیں رہتی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ:۔

"شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صحیح، حسن، ضعیف، ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے۔"

اس کے بعد مولانا گیلانی صرف معتبر حدیثوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"تمام کتابوں سے چھان بین کر کہ ابن جوزی نے نہیں جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں ان کا بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچی۔" [1]

اب ایک طرف تو رکھئے کل حدیثوں کی یہ تعداد اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خود لکھوائے ہوئے ان سیکڑوں فرامین، جاگیر، قطعیوں، معاہدوں اور خطوط وغیرہ پر نظر ڈالئے اور حدیث کے اس کتابی ذخیرے کے علاوہ جو خود آپ ہی نے لکھوایا ہے ان مجموعوں کو دیکھئے جو صحابہ کرام نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور کسی نے حکم سے آپ کے مجلسی ملفوظات کو جمع کیا ہے اور اس کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان تمام مجموعوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیثوں کی مذکورہ تعداد سے کہیں زیادہ حدیثیں تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہ کرام کے ہاتھوں ضبطِ تحریر میں آچکی تھیں ہم یہاں پر چند ان مجموعوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو دورِ رسالت میں یا دورِ صحابہ میں خود صحابہ کرام کے ہاتھوں جمع ہوئے ہیں ــــــ

[1] تدوین حدیث صفحہ ۶۳ و ۶۶ بحوالہ توجیہ النظر صفحہ ۹۳

الصادقہ: یہ مجموعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر مرتب کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جو مثالیں سنی ہیں صرف انہیں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ اس سے اس مجموعہ کی ضخامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اس مجموعہ کو انتہائی حفاظت سے رکھا وہ فرماتے تھے کہ:-

ما یرغبنی فی الحیاۃ الا الصادقۃ۔	مجھے زندگی کی چاہت صرف اسی صحیفۂ الصادقہ کی وجہ سے ہے۔

اس کے متعلق ان کا بیان ہے کہ میں نے یہ مجموعہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر لکھا ہے[1] حدیث کی کتابوں میں جو روایات عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے آتی ہیں وہ اسی مجموعہ کی ہوتی ہیں[2]۔ اس مجموعہ کی حدیثوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے[3] اور اگر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان دیکھا جائے تو اس سے بھی بہت زیادہ تعداد معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں

---

[1] سنن دارمی صفحہ ۶۸ [2] حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۴۹ میں عمرو بن شعیب کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ کتاب ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملی تھی۔ اور ابن حجر نے حافظ یحیی بن معین سے جو الفاظ نقل کئے ہیں کہ وجد شعیب کتب عبداللہ اس میں لفظ "کتب" (کتابیں) بتاتا ہے کہ ان کی صرف ایک ہی کتاب نہ تھی بلکہ متعدد کتابیں تھیں جو ان کو ملیں (ج ۸ صفحہ ۴۵) حافظ زیلعی نے حضرت عمرو بن حزم کی کتاب کی طرح اسے بھی متوارث کہا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ صفحہ ۳۴۲؛ بلکہ وہ تو ـــــ کہتے ہیں کہ اسی کی طرح صحیفۂ عمرو بن حزم بھی متوارث ہے۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۴۵ وغیرہ [4] استاد محترم مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے یہ تعداد اس طرح نظم کی ہے ؎

کن حدیث بوہریرہ را شمار

پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو یاد نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے' اس لئے کہ یہ لکھ لیتے تھے اور میں (اس وقت تک) لکھتا نہ تھا[1] اور حضرت عبداللہ بن عمرو خود فرماتے ہیں کہ میں جو بھی کچھ آپ سے سنتا تھا وہ سب لکھ لیتا تھا۔[2] اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفہ کی حدیثوں کی تعداد پانچ چھ ہزار سے بھی تجاوز ہوگی۔

کتاب عمرو بن حزم:۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن و فرائض اور دیت وغیرہ کے کچھ مسائل لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم صحابی کے ذریعہ اہل یمن کے پاس بھیجے تھے۔[3] زہری کہتے ہیں کہ یہ کتاب چمڑے میں تحریر تھی اور عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی۔ زہری کہتے ہیں کہ ابوبکر خود یہ کتاب لے کر میرے پاس آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا ہے۔[4] حافظ زیلعی کا بیان ہے کہ:۔

نسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاھا الائمۃ الاربعۃ بالقبول وھی متوارثۃ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۴۲)	حضرت عمرو بن حزم کی یہ کتاب چاروں اماموں کے یہاں مقبول رہی ہے اور یہ (امت میں) متوارث ہے۔

حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی نے حافظ ابن کثیر کے حوالے سے لکھا ہے:۔ ھذا الکتاب متداول بین ائمۃ الاسلام قدیما وحدیثا یعتمدون علیہ ویفزعون فی مھمات ھذا الباب الیہ[5] یعنی یہ کتاب ہر دور میں ائمہ اسلام کے نزدیک متداول رہی ہے اور اس پر انہوں نے اعتماد کیا ہے اور اس نوع کے اہم معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ کتاب صحیح ترین کتاب ہے۔ صحابہ و تابعین نے اپنی رایوں کو چھوڑ کر اس پر عمل کیا ہے۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ ان عمر ترک رایہ ورجع الیہ یعنی حضرت عمر نے اپنی رائے چھوڑ دی اور اس کی طرف رجوع کی۔[6] ابن کثیر نے کہا ہے کہ تابعین اور امام

---

[1] بخاری، ترمذی وغیرہ (تیسیر الوصول ج ۳ صفحہ ۱۷۷) [2] ابوداؤد صفحہ ۵۱۳ [3] طحاوی ج ۲ صفحہ ۴۱ [4] نسائی

[5] الروض الباسم صفحہ ۴۴ [6] ایضاً

شافعی وغیرہ نے اس کتاب کو صحیح سند سے نقل کیا ہے۔[1] حضرت عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ بننے کے بعد جب زکوٰۃ کے سلسلہ میں نبوی دستاویز اور فاروقی دستاویز کی تلاش ہوئی تو مدینہ منورہ میں تلاش کرایا تو امام طحاوی کا بیان ہے کہ :۔

فوجدہ عند آل عمرو بن حزم کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عمرو بن حزم فی الصدقات۔ ووجد عند آل عمر کتاب عمر فی الصدقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کتاب جو عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دی تھی حضرت عمرو بن حزمؓ کے خاندان میں وہ مل گئی اور حضرت عمر فاروق کے خاندان میں ان کی کتاب مل گئی۔

پھر عمر بن عبد العزیز نے ان دونوں کتابوں کو نقل کرایا۔[2]

صحیفہائے انس بن مالک :۔ حضرت انس بن مالک جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں ان کے پاس متعدد تحریریں تھیں اور وہ فرماتے تھے کہ یہ روایات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی ہیں اور لکھنے کے بعد آپ کو سنا کر تصدیق بھی کرا چکا ہوں۔[4]

صحیفہ علیؓ :۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند احادیث کا ایک مجموعہ تھا جس کے متعلق وہ فرماتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ وہ اسے بہت حفاظت سے اپنی تلوار کے میان میں رکھا کرتے تھے۔ آپؓ نے کچھ لوگوں کو یہ دکھایا بھی تھا اور ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ ایک دن کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ اسی خطبہ کے دوران اعلان کیا کہ من یشتری علما بدرھم یعنی ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے؟ یہ سن کر حارث اعور ایک درہم کے کچھ کاغذ خرید لائے اور انہیں لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فکتب لہ علما کثیرا[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کاغذوں پر بہت سا علم لکھ دیا۔

[1] الروض الباسم ص ۴۴ [2] شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱۶ [3] دیباچہ صحیفہ ہمام بن منبہ از محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۷۴ [5] تدوین صفحہ ۴۲۳ بحوالہ ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۱۶

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ اس دور میں علم سے علم حدیث ہی مراد ہوتا تھا اور بالفرض اگر کچھ اور چیزیں بھی اس میں ہوں گی تو یقیناً اس تحریر میں ایک بڑا حصہ حدیث نبوی کا بھی فرد رہو گا گویا خود حضرت علیؓ نے بھی ایک مجموعہ حدیث تیار کیا تھا۔

صحیفۂ وائل بن حجر:۔ حضرت وائل بن حجرؓ مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام لائے اور کچھ عرصہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں رہے جب اپنے گھر واپس ہونے لگے تو آپؐ نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا جس میں نماز، روزہ شراب اور سود وغیرہ کے احکام درج تھے[1]

خطبۂ فتح مکہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا تھا اس کے متعلق ابو شاہ یمنی نے آپ سے درخواست کی کہ یہ خطبہ لکھوا کر مجھے دیا جائے۔ آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اکتبوا لابی شاہ۔ یعنی ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔ چنانچہ وہ لکھ کر ان کے حوالے کیا گیا۔[2]

کتاب الصدقہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے اخیر ایام میں زکوٰۃ کے موضوع پر ایک کتاب لکھوائی تھی جو مکمل تو ہو چکی تھی مگر عاملوں کے پاس بھیجنے سے قبل آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور آپ کے بعد :-

عمل بہ ابو بکر حتی قبض	حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی زندگی بھر اس پر عمل کیا
وعمر حتی قبض[3]	اور حضرت عمرؓ نے بھی اخیر دم تک اس پر عمل کیا۔

اس کتاب میں جانوروں کی زکوٰۃ کے مسائل تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس سے نقل لی تھی۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے بعد یہ مجموعہ آپ کے خاندان ہی میں رہا۔ امام زہری کہتے ہیں کہ اقرأنیہا سالم وعبد اللہ ابنا ابن عمر فوعیتہا علی وجہہا۔[4] یعنی فاروق اعظم کے پوتے

---

[1] معجم صغیر للطبرانی صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۲ [2] بخاری، ترمذی وغیرہ [3] ترمذی صفحہ ۱۱۴ کتاب الزکوٰۃ و ابو داؤد صفحہ ۲۱۹ باب زکوٰۃ السائمۃ، دارمی صفحہ ۶۷، جامع بیان العلم ج ۱ صفحہ ۷۱، شرح معانی الآثار ج ۲ صفحہ ۴۱۶ [4] طحاوی ج ۲ صفحہ ۴۱۶

حضرت سالم اور عبد اللہ نے مجھے یہ مجموعہ دکھایا تھا میں نے اسے پڑھا اور حرف بحرف زبانی یاد کر لیا۔

فرائض الصدقہ :۔ سنن نسائی میں روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس بن مالک صحابی رضؓ کو بحرین کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر بھیجا تو زکوٰۃ کے فرائض وواجبات پر ایک کتاب (تحریر) لکھ کر دی وہ تحریر حضرت انس رضؓ کے پوتے ثمامۃ بن عبد اللہ بن انس بن مالک کے پاس محفوظ تھی۔ حدیث کے راوی حماد بن سلمۃ جن کے بعد امام نسائی تک درمیان میں صرف دو ہی واسطے ہیں۔ کہتے ہیں کہ :۔

اخذت ھذا الکتاب من ثمامۃ بن عبد اللہ بن انس بن مالک ۔ (سنن نسائی ۳۵ۃ بلب زکوٰۃ الابل درباب زکوٰۃ الغنم ص ۳۸۹)	میں نے یہ کتاب ثمامۃ بن عبد اللہ بن انس بن مالک سے لی ہے۔

گویا حضرت صدیق اکبر کا خود لکھا ہوا یہ مجموعہ بہت بعد تک حضرت انس کے خاندان میں محفوظ رہا جو کہ دوسروں نے بھی دیکھا ـــــ اور اس کے متعلق شرح معانی الآثار ـــــ میں ایک بہت اہم انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ حماد بن سلمہ نے تصریح کی میں نے اس تحریر پر مہر نبوی ثبت دیکھی ہے۔

فاذا علیہ خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱۶)

جس کا مطلب یہی ہوا کہ اس تحریر میں قلم چاہے صدیق اکبر ہی کا استعمال ہوا ہو اور انھوں نے ہی اپنے عاملوں کو یہ دی ہو لیکن لکھوائی ہوئی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے اور تصدیق کے لئے مہر ثبت فرمائی ہے۔

کتاب الحج :۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے حج کے متعلق ایک کتاب جمع کی تھی۔[1]

کتاب سعد بن عبادۃ :۔ ترمذی میں ایک روایت خزرج کے مشہور سردار حضرت سعد بن عبادۃ

---

[1] تدوین حدیث صفحہ ۶۸

صحابیؓ کے صاحبزادے سے منقول ہے جس میں وہ ایک فرمان نبوی کے متعلق کہتے ہیں کہ وجدنا فی کتاب سعد الخ یعنی ہم نے سعد بن عبادہ کی کتاب میں دیکھا۔[1] جس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے بھی کوئی حدیثی مجموعہ تیار کیا تھا۔

صحیفۂ جابرؓ :۔ حافظ ذہبی نے قتادہ کے حالات لکھتے ہوئے امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے ان کے حافظہ کی بہت تعریف کی ہے۔ اسی سلسلہ میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں :۔

کان قتادۃ احفظ اھل البصرۃ لا یسمع شیئا الا حفظہ قرئت علیہ صحیفۃ جابر مرۃ فحفظھا۔[2]	قتادہ تو حافظہ میں تمام اہل بصرہ سے بڑھے ہوئے تھے جو بھی کچھ سنتے فوراً یاد ہو جاتا تھا۔ حضرت جابر کا صحیفہ ان کے سامنے صرف ایک مرتبہ پڑھا گیا تھا تمام حفظ ہو گیا۔

حافظ ابن حجر نے طلحۃ بن نافع کے ترجمہ میں سفیان بن عیینہ اور شعبہ دونوں کا بیان نقل کیا ہے کہ حدیث ابی سفیان عن جابر انما ھی صحیفۃ یعنی ابو سفیان جو حضرت جابر کی حدیثیں روایت کرتے ہیں وہ اسی صحیفۂ جابر سے نقل ہوتی ہیں۔[3] اس صحیفہ میں کتنی حدیثیں تھیں؟ اس کی تصریح تو کہیں نظر سے نہیں گذری البتہ حضرت جابرؓ کی کل روایات کی تعداد امام ابن الجوزی نے ایک ہزار پانچ سو چالیس بتائی ہے۔[4] ان حدیثوں میں سے اس صحیفہ میں خواہ کتنی ہی حدیثیں آئی ہوں بہرحال اتنا ضرور ہے کہ جس صحیفہ کے ازبر ہو جانے کو کوئی اور نہیں امام احمد بن حنبل جیسا امام فن کوئی کمال قرار دے اور ان کے کمالِ حافظہ کا اسے ثبوت بتائے اس کی روایات کی ایک بہت بڑی تعداد ضرور ہونی چاہیئے۔

صحیفۂ سمرۃؓ :۔ حافظ ابن حجر نے حسن بصریؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

" انھوں نے حضرت سمرہ سے ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے۔[5] اس کی اکثر روایات سنن اربعہ میں موجود ہیں۔ علی بن المدینی اور امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ اس نسخہ کی تمام روایات انھوں نے سنی ہیں۔ یہ نسخہ حضرت سمرہ کے صاحبزادے سلیمان بھی روایت کرتے ہیں۔

---

[1] ترمذی صفحہ ۲۱۲ کتاب الاحکام باب ما جاء فی الیمین مع الشاہد [2] تذکرۃ ج ۱ صفحہ ۱۱۶

[3] تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲ ترجمۂ طلحۃ بن نافع [4] التلقیح ص ۱۸۴ [5] تہذیب التہذیب

حافظ ابن حجر نے سلیمان کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ[1]

سلیمان نے اپنے والد (سمرۃ رض) سے ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے۔

کتب ابو ہریرۃ رض :- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ جن کے ذریعہ امت کو تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں پہنچی ہیں ان کے شاگرد اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری صحابی کے صاحبزادے حسن کا بیان حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے کہ

حدثت عند ابی ھریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی قد سمعتہ منک فقال ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فارانا کتبا کثیرۃ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد ذلک الحدیث فقال قد اخبرتک ان کنت حدثتک بہ فھو مکتوب عندی[2]

میں نے حضرت ابو ہریرۃ رض کے سامنے ایک حدیث بیان کی انھوں نے اس حدیث کے متعلق اجنبیت ظاہر کی میں نے کہا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ بولے کہ اگر مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی پس میرا ہاتھ پکڑا اور گھر میں لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت ساری کتابیں دکھائیں اور وہ حدیث بھی انھیں لکھی ہوئی مل گئی۔ ابو ہریرۃ نے فرمایا کہ میں تو تم سے کہہ ہی چکا تھا کہ اگر میں نے یہ حدیث بیان کی ہوگی تو ضرور میرے پاس لکھی ہوئی مل جائے گی۔

حسن بن عمرو کے اس بیان سے اندازہ کیجئے کہ حضرت ابو ہریرۃ رض کے پاس خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں کتنی تھیں۔ یہاں تعداد اگرچہ نہیں بتائی گئی ہے لیکن کتبا کثیرۃ (بہت سی کتابیں)

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۹۸۔

[2] تدوین حدیث صفحہ ۷۶ واخرجہ الحاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۵۱۱

کے لفظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی کے کتب خانہ میں حدیث کی کتابوں کی ایک بڑی تعداد تھی اور اس سے زیادہ قابل توجہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ہے جو انھوں نے پورے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی۔ (اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی) اور پھر مکرر اسے دہرانا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی جو بھی حدیث سنتے تھے وہ ضرور لکھ لیتے تھے اور ان کے سینے میں کوئی حدیث ایسی نہیں تھی جس کی نقل ان کے سفینے میں نہ موجود ہو اور یہ بات ابھی اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی کل حدیثیں نہیں بلکہ جو روایات امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثوں کا مجموعہ تو تنہا ایک صحابی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے کتب خانہ ہی میں موجود تھا اور اگر اسی کے ساتھ مذکورہ بالا تمام مجموعے نہیں بلکہ صرف ایک حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی "کتاب الصادقہ" ہی کو شامل کر لیا جائے تو صرف ان ہی دو کی حدیثیں دس ہزار سے بہت زائد ہو جائیں گی اور اگر اسی کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وہ مجموعہ جس کی وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے تصدیق بھی حاصل کر چکے تھے اور دوسرے مجموعے بھی شامل کر لیے جائیں تو اندازہ کیجئے کہ ایسی حدیثوں کی کتنی بڑی تعداد ہو جاتی ہے جو عہد صحابہ بلکہ خود دور رسالت میں قلمبند ہو چکی تھیں۔

تابعین کے حدیثی مجموعے

جس طرح صحابۂ کرام نے ارشادات نبوی کو حافظے کے علاوہ تحریری طور پر بھی محفوظ کیا۔ ناممکن تھا کہ ان کے شاگرد اس میں غفلت برتتے چنانچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد وہب بن منبہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیثوں کو قلمبند کیا تھا۔[1] اسی طرح حضرت جابر رضی ہی کی حدیثوں کا ایک مجموعہ سلمان بن قیس یشکری نے بھی تیار کیا تھا۔[2] سنن دارمی میں حضرت انس کے ایک شاگرد ابان کے متعلق راوی کا بیان ہے کہ

---

[1] تدوین حدیث صفحہ ۶۸ بحوالہ تہذیب التہذیب [2] تدوین صفحہ ۶۸

رایت ابان یکتب عند انس۔	میں نے ابان کو حضرت انس کے پاس بیٹھ کر لکھتے دیکھا۔[1]

امام ترمذی نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ :۔

ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتاب من کتبہ فجعل یقرأ علیھم فیقدم ویؤخر[2]	طائف کے رہنے والے کچھ لوگ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی ایک کتاب لے کر آئے تو حضرت ابن عباس ان کے سامنے اس کتاب کو پڑھ کر سنانے لگے اور اس میں تقدیم و تاخیر بھی کرنے لگے۔

غالباً ابن عباس سے سن کر ان کے کچھ طائفی شاگردوں نے حدیثیں جمع کی ہوں گی اور ان کی تصحیح و تصدیق کرانے کے لئے ابن عباس کے پاس لائے ہوں گے۔ غور کیجئے کہ جب حضرت ابن عباس نے ان کتابوں کو دیکھ لیا اور ان میں حذف و اضافہ، تقدیم و تاخیر بھی کی اور انھیں بغور پڑھ لیا تو اب ان کتابوں کا درجہ وہی ہو گیا جو خود ان کی اپنی تصنیف کا ہونا چاہیئے اور پھر لفظ "کتب" (کتابیں) بصیغہ جمع ظاہر کرتا ہے کہ وہ متعدد کتابیں تھیں۔ گویا حضرت ابن عباس کی کمل نگرانی میں اور ان کی نظر ثانی کے ساتھ ان کی حدیثوں کے متعدد مجموعے تیار ہو چکے تھے۔

اور مسند رویانی میں تو بسند متصل یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ

کان ابن عباس یاتی ابا رافع فیقول، ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم کذا ومع ابن عباس من یکتب ما یقول۔	حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو رافعؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی و صحابی) کے پاس آتے اور پوچھتے کہ فلاں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا اور ابن عباس کے ساتھ ایک

[1] تدوین حدیث ص ۷۷۔ [2] سنن ترمذی صفحہ ۵۶۳ کتاب العلل۔ طحاوی ج ۲ صفحہ ۳۸۴

(التراتیب الاداریۃ للکتانی ج ۲ ص ۲۴۷)[1]	شخص ہوتا تھا جو ان تمام باتوں کو جو ابورافع بیان کرتے لکھتا جاتا تھا۔

اور طبقات ابن سعد میں تو حضرت ابورافع کی بیوی سلمیٰ رضی کا یہ بیان ہے کہ ابن عباس رضی کا کوئی منشی نہیں بلکہ ابورافع سے سنکر وہ خود لکھا کرتے تھے۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

رایت ابن عباس معہ الواح یکتب علیہا عن ابی رافع شیئا من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً ج ۲ ص ۲۴۷)[2]	میں نے ابن عباس رض کو دیکھا کہ ان کے ساتھ کچھ تختیاں تھیں جن پر وہ ابورافع کی بیان کردہ روایتیں لکھتے جارہے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے متعلق ہوتی تھیں۔

بلکہ اس روایت کے اخیر میں ابن سعد نے جو عبارت لکھی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ کتابیں یونہی غیر مرتب حدیثوں کا انبار نہ تھا بلکہ مختلف عنوانات کے تحت الگ الگ کتابیں بنی ہوئی تھیں اور اس سے آگے آپ اگر عبارت میں غور و خوض کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے ہر ہر جز یا صحیفہ کا کوئی یا تو نام مقرر کر رکھا تھا یا کوئی اور نشان مقرر کر رکھا تھا جس سے تمام مجموعے ایک دوسرے سے ممتاز رہیں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

کان علی بن عبد اللہ بن عباس اذا اراد الکتاب کتب الیہ ان ابعث الیّ الصحیفۃ کذا وکذا فینسخہا فیبعث الیہ باحدھما[3]	حضرت عبداللہ ابن عباس کے صاحبزادے علی کو جب (ابن عباس کی) ان کتابوں میں سے کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو وہ (کریب کو) لکھ بھیجتے کہ فلاں فلاں صحیفہ بھیجدو۔ وہ اس کی نقل کرکے اور پھر ان میں سے ایک (اصل یا نقل) علی بن عبداللہ کے پاس بھیجدیتے۔

اور صحیح مسلم میں ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ

---

(۱) تدوین صفحہ ۴۲۶ — (۲) تدوین صفحہ ۴۲۷ — (۳) تدوین حدیث صفحہ ۴۲۶ بحوالہ ابن سعد۔

اور ان کے فیصلوں کا ایک بڑا حصہ کتابی شکل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس لایا گیا تھا۔[1] اور حضرت ابن عباسؓ ہی کے متعلق طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ انھوں نے وفات کے وقت ایک اونٹ کتابیں چھوڑیں۔[2] سعید بن جبیر جو حضرت ابن عباس کی حدیثوں کے سب سے بڑے راوی ہیں ان کی حدیثوں کو لکھا کرتے تھے حتیٰ کہ جب کاغذ ختم ہو جاتا تو جو چیز ملتی اس پر حتی کہ ہاتھ کی ہتھیلی ہی پر لکھ لیتے تھے۔[3] بشیر بن نہیک نے عرصہ تک حضرت ابو ہریرۃ سے حدیثیں لکھیں اور جب رخصت ہونے لگے تو انھیں یہ مجموعہ سنا کر تصدیق کرالی۔[4]

حضرت ابو ہریرۃ رضؓ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہیں یہ یمن کے امراء میں تھے ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا جو صحیفۂ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسند احمد میں یہ تمام کا تمام شامل ہے۔ برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔[5]

اور ان کے علاوہ اس دور کے بھی بہت سے مجموعے ہیں صرف چند کا تذکرہ بطور نمونہ کر دیا گیا ہے تاکہ زمانۂ تدوین حدیث کے متعلق جو مغالطہ پیدا کیا جاتا رہا ہے۔ اسے بے نقاب کیا جا سکے۔

زمانۂ تدوین حدیث

مذکورہ بالا معروضات کو بغور دیکھ کر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ احادیث نبویہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ڈیڑھ سو برس بعد مدون ہوئیں اور بڑی سادگی سے تدوین کا مطلب کتابت و تحریر قرار دے لیا جاتا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ ڈیڑھ سو سال تک حدیثیں صرف یادداشتوں ہی میں تھیں۔ آپ سوچئے کہ اس بات میں کتنی واقعیت ہے؟ اور یہ باتیں صرف پرستارانِ مغرب ہی کی طرف سے نہیں کہی جا رہی ہیں بلکہ کسی حد تک ہمارے بہت سے اہل علم حضرات بھی ان تمام چیزوں پر نظر نہ

---

[1] تدوین حدیث صفحہ ۷۔ [2] ایضاً [3] ایضاً بحوالہ دارمی و ابن سعد [4] سنن دارمی صفحہ ۶۸ جامع بیان العلم ج ۱ صفحہ ۷۲، تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۴۷۰، طحاوی ج ۲ صفحہ ۳۸۵

[5] محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی کوشش سے یہ صحیفۂ ہمام بن منبہ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ایک سو اڑتیس روایات درج ہیں۔

ہونے کی وجہ سے یہی میلان رکھتے ہیں حالانکہ آپ نے دیکھا کہ حدیث کے تحریری مجموعے صرف غیر مرتب یادداشتوں کی طرح ہی نہیں بلکہ کتاب الحج، کتاب الصدقہ، وغیرہ عنوانات کے تحت باقاعدہ کتابیں بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائیں یا صحابہ کرام نے لکھیں، اور حضرت ابن عباس کے کتب خانہ کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ ایسا منظم تھا کہ دور ہی سے صرف یہ لکھ دینا کافی تھا کہ فلاں فلاں کتاب بھیجدی جائے۔ گویا دورِ صحابہ میں خود ان صحابہ کرام کے ہاتھوں صرف تدوین ہی نہیں ہوگئی تھی بلکہ ترتیب وتبویب کا کام بھی کسی حد تک ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سب سے پہلے امام زہری[۱] ہی نے قلمبند کیا کس قدر کھلی غلطی ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں اپنی بعض قابلِ احترام شخصیتوں سے اختلاف کرنا پڑ رہا ہے اس لئے میں اپنے خیالات کا اظہار اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ دوسرے اہل علم حضرات کی آراء کے ذریعہ کروں گا۔ اس لئے کہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مسلمانوں کے اس فقرے کے معنی کہ حدیث کی تدوین ہجرت کے ڈیڑھ سو برس بعد ہوئی یہ ہے کہ تصنیف اور کتاب کی حیثیت میں ورنہ محض تحریر وکتابت کی حیثیت سے زمانہ نبوی ہی میں اس کی جمع وتحریر کا آغاز ہوچکا تھا۔"[۲]

محترم مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:۔

"تحقیق یہ ہے کہ تدوین حدیث کا کام خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے شروع ہوچکا تھا۔ خلفاء راشدین کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جس میں یہ سلسلہ کلیتاً منقطع ہوگیا ہو۔"[۳]

---

[۱] تدوین حدیث صفحہ ۲۲۶ مولانا گیلانیؒ [۲] مکتوبات سلیمانی صفحہ ۱۲۲ مکتوب ۱۰۵ مؤلفہ محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی [۳] ماہنامہ الفرقان۔ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ صفحہ ۳۷

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں کیا کام ہوا تھا؟ یعنی اگر تدوین پہلے ہی ہو چکی تھی یا تدوین حدیث کی داغ بیل پڑ چکی تھی تو پھر اس سلسلہ میں جو خدمات حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے انجام دیں وہ کیا تھیں؟ اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پہلے کتابت و تدوین محض انفرادی اور شخصی طور پر تھی اور جس کے پاس جو ذخیرہ بھی تھا وہ اس کا اپنا ذاتی تھا بس جو اس کے پاس آکر سیکھ لے یا نقل کر لے وہ کر سکتا تھا لیکن اجتماعی طور پر باقاعدہ حکومت کی نگرانی میں جمع کرنے اور اس کے مختلف مجموعوں کو یکجا کر کے اس کی عام اشاعت کا انتظام اس وقت تک نہ تھا۔ ایک صحابی کے شاگرد چاہے اپنے استاد کی ہزاروں حدیثوں سے واقف ہوں لیکن انھیں دوسروں کی روایات کا علم زیادہ نہ تھا اور جو کچھ تھا بھی اس کو وہ لوگ اپنے طور پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے زمانۂ خلافت میں امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری اور مدینہ کے گورنر ابو بکر محمد بن عمر بن حزم وغیرہما کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین حاصل کرنے والے صحابہ کرام آہستہ آہستہ اٹھتے جا رہے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ علم حدیث کہیں ضائع نہ ہو جائے اس لئے تم اسے جمع کرو۔ اس وقت ان حضرات نے اس منتشر ذخیرہ کو یکجا کیا اور جو حدیثیں لوگوں کے پاس الگ الگ تھیں سب جمع کر کے اور حکومت کی طرف سے باقاعدہ انتظام کر کے اس کے مجموعے تیار کرائے گئے اور اس کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دی گئیں اس طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا کام — منتشر ذخیرہ کو یکجا کرنا اور اسے منظم طریقے پر شائع و عام کرنا ہوا۔ اوپر جو صحابہ کرام کے بہت سے مجموعہائے حدیث ذکر کئے گئے ان تمام کو پیش نظر رکھ کر راقم سطور یہی رائے قائم کر سکا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حدیث کی تدوین نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے اس کے تمام ذخیروں کو جمع کر کے اس کی اشاعت کی ہے[1]۔ تدوین کا کام صحابۂ کرام کر چکے تھے۔ میں نے اپنے محدود مطالعہ کی بنا پر جو رائے قائم کی ہے اس کی سب سے عمدہ ترجمانی مجھے مولانا

---

[1] اور بلاشبہ یہ کام بھی اپنی جگہ انتہائی اہم اور ضروری تھا مگر بحث یہ ہے کہ یہ تدوین نہ تھی بلکہ تدوین ہی کی ایک ارتقائی شکل تھی۔

۱۳

الترغیب والترہیب

عبدالسلام صاحب ندوی کے یہاں ملی۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں فنِ حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی اجزائے پریشاں کو ایک مجموعے کی صورت میں جمع کیا۔[1]"

حافظ ابن عبدالبر نے "التمھید" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس کارنامے کا ذکر کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

وکتب الی ابی بکر بن عمرو بن حزم ان یجمع السنن ویکتب الیہ بھا۔[2]	عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حدیثوں کو جمع کرو اور انھیں لکھ کر میرے پاس بھیجدو۔

حافظ ابونعیم نے بھی تاریخ اصبہان میں اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ فاجمعوہ۔[3]	عمر بن عبدالعزیز نے دور دور ملکوں کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کر لو۔

امام بخاری نے بھی یہ روایت بلا سند ذکر کی ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ "جمع کر لو اور تلاش کرو" صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا کام کتابت حدیث کا آغاز کرنا نہیں تھا بلکہ تحریری اور زبانی تمام روایات کو تلاش کر کے تمام ممالک اسلامیہ کے حدیثی ذخیرے کو یکجا جمع کرنا تھا اور تدوین حدیث کا جو کام اب تک انفرادی اور شخصی طور پر ہو رہا تھا اسی کو قومی و ملی پیمانے پر کرنا آپ کا مقصد تھا۔

---

[1] اسوۂ صحابہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ [2] مقدمۃ التعلیق الممجد صفحہ ۱۴ مولانا عبدالحی اللکنوی

[3] مقدمۃ التعلیق الممجد صفحہ ۱۴

کتابت حدیث کے دلائل

منفی اور مثبت

"تحریر و کتابت تمدن و تہذیب کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، جہاں جہاں تمدن پھلا پھولا وہیں تحریر کا رواج زیادہ ہو گیا۔ اور جو علاقے تمدن و شہریت سے جتنے دور رہے تحریر سے بھی ان کا واسطہ اتنا ہی کم رہا۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ قبائلی اور خانہ بدوش لوگوں کی زندگی تہذیب و تمدن کے لوازم سے کوسوں دور ہوتی ہے۔ چنانچہ عربوں کی زندگی بھی اسلام سے پہلے بالکل قبائلی اور غیر متمدن تھی اور تحریر و کتابت کا نہ صرف یہ کہ رواج نہ تھا، بل تری الخط وصمة عار و دسمة عیب[1] یعنی تحریر کو وہ لوگ باعثِ ننگ و عار تصور کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تک قریش میں صرف چند آدمی لکھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اس طرف توجہ فرمائی اور ان میں سے چند اچھے لکھنے والوں کو وحی کی کتابت یعنی قرآن مجید کی کتابت کے لئے مقرر فرمایا۔

ممانعتِ کتابتِ حدیث اور اس کے اسباب

لیکن چونکہ تحریر کا رواج کم تھا اس لئے اسکے متعلقات ولوازمات مثلاً کاغذ، قلم، روشنائی وغیرہ کا بھی معقول انتظام نہ تھا بلکہ ابتداءً قرآن مجید ہڈیوں، چمڑے کے ٹکڑوں، جھلیوں، کھجور کے پتوں اور پتھر کی ٹکڑیوں وغیرہ پر لکھا گیا اور لکھ لکھ کر ان چیزوں کو محفوظ کر کے ایک طرف رکھ دیا جاتا تھا۔ اب جہاں کاغذ تک میسر نہ آتا ہو وہاں کتاب کے مرتب ہونے الگ الگ جلدیں بنانے اور پھر ہر ایک کو الگ الگ نام سے موسوم کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی بھی دو تحریریں ایک دوسرے سے ممتاز ہرگز نہیں رہ سکتیں بلکہ تمام تحریریں یکجا ہو کر گڈ مڈ ہو جائیں گی۔

---

[1] الحدیث والمحدثون صفحہ ۱۱۹ تالیف الاستاد محمد محمد ابو زہو۔

قرآن مجید کو دوسرے تمام کلاموں سے اور ہر قسم کے ادنیٰ شائبۂ آمیزش سے بالکل پاک وصاف رکھنا ضروری تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کے تقاضے کے مطابق حکم جاری فرمادیا کہ :-

لا تکتبوا عنی شیئا غیر القرآن۔	کوئی شخص بھی مجھ سے سوائے قرآن مجید کے کچھ اور نہ لکھے۔

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حکم صادر فرمادیا کہ :-

ومن کتب شیئا غیر القرآن فلیمحہ۔ (رواہ مسلم عن ابی سعید)	اور جس نے قرآن مجید کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہو وہ اسے مٹا ڈالے۔

اور مقصد اس ممانعت کا صرف یہی تھا کہ قرآن مجید خالص رہے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ نہ مل جائے چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بات واضح طور پر وارد ہوئی ہے یہی حضرت ابو سعید خدری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھ رہے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ پوچھا "یہ کیا لکھ رہے ہو؟" عرض کیا "حضور! جو کچھ آپ سے سنتے ہیں وہ لکھ رہے ہیں" آپ نے ارشاد فرمایا۔

اکتاب مع کتاب اللّٰہ؟ امحضوا کتاب اللّٰہ واخلصوہ۔	خدا کی کتاب کے ساتھ کوئی اور کتاب بھی؟ (نہیں!) کتاب اللہ کو بالکل خالص اور ممتاز رہنے دو۔

چنانچہ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ ابو سعید خدری رضؓ کا بیان ہے کہ

فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقناہ[1]	ہم نے جو کچھ لکھا تھا سب کو ایک میدان میں جمع کر کے جلا دیا۔

[1] مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۵۱ قال الہیثمی فیہ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم وہو ضعیف وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔

یہ سب اسی لئے ہوا تھا کہ قرآن کے ساتھ کسی اور چیز کی آمیزش نہ ہو جائے لیکن اسی کے ساتھ خود اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ

فقلنا یارسول اللہ نتحدث عنك ؟ قال نعم تحدثوا عنی ولاحرج۔	ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ کی طرف سے ہم زبانی بیان کر دیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں میری طرف سے زبانی بیان کر دیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس کے بعد جب قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا، طبیعتیں اس کے اسلوب و طرز بیان سے مانوس اور واقف ہو گئیں اور حافظوں میں پوری طرح وہ محفوظ ہو گیا اور قرآن کے ساتھ غیر قرآن کے مل جانے اور گڈمڈ ہو جانے کا اندیشہ ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ فن کتابت اور اس کے لوازم نے بھی ترقی کر لی تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی چنانچہ جب عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو بعض صحابہؓ نے اسی سابقہ ممانعت کی وجہ سے حدیثیں لکھنے سے روکا کہ

تکتب کل شیٔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الرضا والغضب۔	تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی کچھ سنتے ہو سب لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہیں کبھی خوشی میں ہوتے ہیں کبھی غصہ میں ہوتے ہیں۔

یعنی گویا غصہ وغیرہ کی حالت میں کوئی ایسی بات بھی زبان مبارک سے نکل جاتی ہوگی جو لکھنے کے قابل نہیں۔ یہ بات حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی تو دہن مبارک کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ:۔

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ماخرج منہ الاحق[1]	تم لکھو۔ اس زبان سے کسی حالت میں بھی کوئی بات ناحق اور غلط نہیں نکلتی۔

ایک انصاری صحابی نے اپنی قلت یادداشت کی شکایت کی کہ:۔

---

[1] سنن ابی داؤد صفحہ ۱۵۸ و دارمی صفحہ ۶۷

یارسول اللّٰہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہٗ۔	یارسول اللہ! میں آپ سے بعض باتیں سنتا ہوں اور وہ مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن یاد نہیں رہتیں۔

آپؐ نے مشورہ دیا کہ:۔

استعن بیمینک واومأ بیدہ الی الخط۔ (رواہ الترمذی والبزار عن ابی ہریرۃ والحکیم الترمذی عن ابن عباسؓ والطبرانی فی الاوسط عن انسؓ[1]	اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے تحریر کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس حدیث میں غور کیجئے کہ کسی نے تحریر کی اجازت نہیں مانگی بلکہ ابتداءً خود اپنی طرف سے حدیثیں لکھنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو حکم فرمایا کہ:۔

قید العلم۔	علم کو قید کر لو (محفوظ کر لو)

انھوں نے سوال کیا کہ حضور! علم کے قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا الکتابۃ[2] یعنی اسے لکھ لیا کرو۔

امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے درخواست کی کہ

یارسول اللّٰہ انی اسمع منک اشیاء اخاف ان انساھا افتاذن لی ان اکتبھا؟ قال نعم[3]	یارسول اللہ! میں آپؐ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں اور مجھے خوف ہوتا ہے کہ بھول نہ جاؤں اس لئے کیا آپؐ مجھے لکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا ہاں اجازت ہے۔

اور ان کے ساتھی حضرت ابو ہریرۃؓ بھی ان کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ:۔

---

[1] تیسیر الوصول ج۳ صفحہ ۱۶۶، والجامع الصغیر مع السراج المنیر ج۱ صفحہ ۱۹۴ و مجمع الزوائد ج۱ صفحہ ۱۵۲ [2] رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ کما فی مجمع الزوائد ج۱ صفحہ ۱۵۲ [3] شرح معانی الآثار ج۲ صفحہ ۳۸۴

استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتابۃ عنہ فاذن لہ[1]۔	انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دیدی۔

حضرت رافع بن خدیج[2] کا بیان ہے کہ:-

قلت یا رسول اللہ انا نسمع منك اشیاء فنکتبھا قال اکتبوا ولاحرج[2]۔	میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور انہیں لکھ لیتے ہیں (اس کے متعلق کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں لکھ لیا کرو۔

اور سنن دارمی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب[3]۔	ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلعم کے چاروں طرف بیٹھے لکھ رہے تھے۔

ان الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات آپ کے چاروں طرف حلقہ بنائے باقاعدہ حدیثیں لکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ اتنا اہم کام آپ کے منشاء کے بغیر ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

ان تمام روایات کی بناء پر تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتابت حدیث کی اجازت کی جو روایات ہیں یہی حکم شرعی ہیں اور ممانعت کی روایات منسوخ ہو چکی ہیں۔ علامہ ابن الدیبع[4] الشیبانی نے تیسیر الوصول میں لکھا ہے کہ

الاذن فی الکتابۃ ناسخ للمنع منہ باجماع الامۃ علی جوازہ ولایجتمعون الاعلی امر صحیح[5]۔	حدیثیں لکھنے کی اجازت سے وہ تمام روایات منسوخ ہو گئیں جن میں اس کی ممانعت ہے۔ اس بات پر امت کا اجماع ہو گیا ہے اور امت کا اجماع کسی غلط بات پر نہیں ہو سکتا۔

---

[1] شرح معانی الآثار ج ۲ صفحہ ۳۸۴ و رواہ احمد کما فی مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱۵۱

[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی المجمع ج ۱ صفحہ ۱۵۱ [3] دارمی صفحہ ۶۸۔ [4] دال پر فتح پھر یاء مثناۃ تحتانیہ بہ سکون پھر باء موحدہ بر فتح اور عین ساکن الضوء اللامع صفحہ ۱۰۴ [5] تیسیر الوصول ج ۳ صفحہ ۱۷۷

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

ان السلف اختلفوا فی ذالک عملا وترکا وان کان الامر استقر والاجماع انعقد علی جواز کتابۃ العلم بل علی استحبابہ بل لایبعد وجوبہ علی من خشی النسیان ممن یتعین علیہ تبلیغ العلم[1]

سلف میں حدیثوں کے لکھنے اور نہ لکھنے کے متعلق اختلاف رہ چکا ہے اگرچہ بعد میں معاملہ طے ہوگیا اور کتابت علم کے جواز بلکہ استحباب پر اجماع منعقد ہوگیا اور کچھ بعید نہیں کہ جس شخص کے ذمہ تبلیغ علم ضروری ہے اور اسے بھولنے کا اندیشہ ہے اس کے حق میں کتابت درجہ وجوب تک پہونچ جائے۔

امام طحاوی نے اس سلسلہ میں آیت قرآنی سے نہایت دقیق استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرض، ادھار کے متعلق حکم دیا ہے کہ:۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا۔

(البقرہ آیت ۲۸۲)

اور ادھار کے لکھنے سے اکتایا کرو خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک۔ اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم کسی قسم کے شک وشبہ میں نہ پڑو۔

طحاوی فرماتے ہیں کہ:۔

فلما امر اللہ عزوجل بکتابۃ الدین خوف الریب کان العلم الذی حفظہ اصعب من حفظ الدین احری ان یباح کتابتہ خوف

جب اللہ تعالیٰ نے شک وشبہ کے خوف سے ادھار کے معاملہ کو لکھنے کا حکم دیا ہے تو علم جس کا یاد رکھنا ادھار کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس کی کتابت کا جواز اور زیادہ اہمیت

[1] فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۶۵

الریب نیہ مالاشک فیہ[1]	کے ساتھ معلوم ہو گیا کیونکہ شک و شبہ کا خوف اس میں زیادہ ہے۔

اصولِ درایت

حدیثوں کی جانچ پڑتال محدثین نے راوی کے قوت وضعف کے لحاظ سے کرنے کے ساتھ ساتھ درایت کے اصول کو بھی شروع ہی سے اپنایا۔ درایت کے تمام اصول وضوابط تو اگرچہ بعد میں مرتب ہوئے لیکن درایت کا لحاظ دورِ صحابہ ہی سے کیا جاتا رہا۔ درایت میں یہ ہوتا ہے کہ راوی کے اوصاف واحوال سے قطع نظر صرف حدیث کے الفاظ ومعنی کو دوسرے اسباب وعوارض اور شریعت کے عام اصول وضوابط کے تحت جانچا جاتا ہے اور مزاج شریعت سے اس کی ہم آہنگی ومناسبت پیش نظر ہوتی ہے۔ چنانچہ :۔

(۱) ایک بار حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ الوضوء مما مست النار یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضوء کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اعتراض کیا کہ :۔ انتوضاء من الدھن انتوضاء من الحمیم؟ یعنی تو کیا ہم تیل کے اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضوء کریں[2]؟

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر ہوا کہ فلاں صحابی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ :۔

ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔	مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ انھیں معاف کرے وہ جھوٹ تو نہیں بول رہے ہیں لیکن انھیں چوک ہو گئی۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک یہودی عورت کے گھر والے رو رہے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ :۔

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی ج۲ ص ۳۸۳ ۔ [2] ترمذی باب الوضوء مما غیرت النار صفحہ ۲۴

انهم ليبكون عليها وانها لتعذب في قبرها۔	یہ لوگ تو اسے یہاں رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی	کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(۳) ایک حدیث میں جمعہ کے دن کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ

فیہ ساعة لا یصادفها عبد مسلم وهو یصلی یسأل الله شیئاً الا اعطاه ایاه۔	اس دن میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ جو بھی مسلمان بندہ نماز پڑھتے ہوئے اسے پائے اور خدا تعالیٰ سے کوئی دعا کرے تو اس کی وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ قد علمت ایة ساعة هی یعنی مجھے معلوم ہے یہ کونسی ساعت ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں ضرور بتاؤ انھوں نے جواب دیا کہ:۔

هی آخر ساعة فی یوم الجمعة	یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

اس پر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ یہ آخری ساعت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ "نماز پڑھتے ہوئے اسے پائے" (یعنی جمعہ کی آخری ساعت غروب شمس کے وقت کونسی نماز ہے؟)

اس اعتراض کا اگرچہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب دیدیا اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم بھی کر لیا لیکن اس سے یہ بات بہرحال ثابت ہو گئی کہ صحابہ کرام حدیثوں کے قبول کرنے میں

---

[1] بخاری و مسلم عن عمرة بنت عبد الرحمٰن و بلفظ آخر عن عبد اللہ بن ابی ملیکۃ ——— (مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲)

[2] موطا امام مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، عن ابی ہریرۃ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۰)

اصولِ درایت کو ضرور پیش نظر رکھتے تھے۔

اور بعد میں تو محدثین نے اس کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مقرر کئے اور ہر حدیث کو "روایت" کے جملہ شرائط کے ساتھ "درایت" کی کسوٹی پر بھی ضرور پرکھا چنانچہ شیخ ابو اسحاق الشیرازی نے جہاں احادیث کے غیر مقبول قرار پاجانے کے اسباب بیان کئے ہیں وہاں پانچ اسباب میں سے ایک سب سے پہلا سبب یہ بھی لکھا ہے

احدھا ان یخالف موجبات العقول فیعلم بطلانہ لان الشرع انما یرد بمجوزات العقول واما بخلاف العقول فلا۔[1]	ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ حدیث مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس سے اس کا باطل ہونا معلوم ہو جائے گا کیونکہ شریعت انہی چیزوں کو بیان کرتی ہے جن کو عقل جائز و ممکن سمجھتی ہو، اور اس کے خلاف نہیں کرتی۔

امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ:-

کل حدیث رایتہ یخالف العقول او ینا قض الاصول فاعلموا انہ موضوع۔	ہر وہ حدیث جو تم عقل اور اصول کے خلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ موضوع یعنی جعلی اور من گھڑت ہے ــــ

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:-

او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث	یا حدیث ایسی ہو کہ مشاہدات و محسوسات اس کی تردید کرتے ہوں یا قرآن مجید یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے ایسے طور پر خلاف ہو کہ کسی تاویل و توجیہ کی بھی گنجائش نہ ہو (یعنی کسی تاویل و توجیہ کے

[1] مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۴۲

لایقبل بشئی من ذٰلک التاویل[1]۔	ذریعہ بھی اس حدیث اور مذکورہ بالا مسلمات شریعت کے درمیان کوئی تطبیق نہ ہو سکتی ہو۔)

لیکن فاضل مرحوم علامہ سید مناظر احسن گیلانی نے اس موقع پر ایک نہایت اہم استدراک کیا ہے۔ اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عقل سے مراد یہاں "قرآنی عقل" اور وہ فہم و دانش ہے جسے قرآن مجید آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ مولانا یہ فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر مطلق عقل کو معیار بنا لیا جائے تو ہر زمانے کی عقل کا معیار مختلف ہوتا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ آج سے سو سال پہلے کی عقل ایک چیز کو قبول نہ کرتی ہو لیکن سو سال کے بعد اسی کو قبول کرنے لگے۔ پس اصلی معیار حدیثوں کے رد و قبول کا قرآنی عقل کو قرار دینا چاہیئے۔"[2]

اس کے علاوہ محدثین نے حدیث کی فصاحت و بلاغت، قوت تاثیر و نفوذ فی القلب، نور نبوت وغیرہ علامات کو بھی استعمال کیا ہے۔

علامہ ابن قیم اور حافظ ابن دقیق العید وغیرہ نے کثرت مزاولت اور مناسبت طبعی کے ذریعہ حاصل شدہ ملکہ راسخہ کو بھی بہت اہمیت دی ہے۔ ملا علی قاری نے الموضوعات الکبیر[3] میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے مقدمہ فتح الملہم میں اور مولانا گیلانی وغیرہ نے اس پر بحث کی ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۱۶

[2] حاشیہ تدوین حدیث صفحہ ۴۶۱

[3] الموضوعات الکبیر صفحہ ۹۲ تا صفحہ ۱۰۲، مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۱۶ تدوین حدیث صفحہ ۴۶۱ تا صفحہ ۴۸۲

حدیث کے بغیر احکام شریعت کی شیرازہ بندی ممکن نہیں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی معاشرے کے قیام اور اس کی عملی تشکیل کے لئے محض ہدایات (DIRECTIONS) یا کتابی قوانین ہرگز کافی نہیں ہو سکتے اس کام کے لئے ضرورت ہوتی ہے کسی صاحبِ کردار اور مؤثر شخصیت کی۔ ہاں قوانین وہدایات اس قیام معاشرہ کے لئے معاون اور اس کی راہِ عمل کے لئے مشعل ثابت ہوتے ہیں۔ اسی چیز کو قرآن عظیم نے "اسوہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی رسول تم لوگوں کے لئے نمونہ ہیں اس نمونہ کے مطابق تم اپنی زندگیاں ڈھال لو۔

اب جو شخص اس "اسوۂ نبوی کو سامنے رکھے بغیر براہِ راست مجموعۂ قوانین الہٰی یعنی قرآن مجید سے عملی زندگی کی تشکیل کرنا چاہتا ہے وہ بغیر کسی شک وشبہ کے راہِ مستقیم سے ہٹ چکا ہے، وہ اس سیدھی راہ سے بھٹک چکا ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہے اور جسے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے۔ اللہ رب العالمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الانعام)	یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم (سیدھا) ہے پس اس راہ پر چلو۔ اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو خدا کی راہ سے ہٹا کر تتر بتر کر دیں گی۔

ان منتشر اور پراگندہ راستوں کو ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ۔ (الانعام ۲۰)	بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور وہ بہت سی پارٹیاں اور ٹولیاں بن گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

سورۃ الروم میں ان فرقوں کے ایک خاص مزاج کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔	اور ان لوگوں میں سے مت بنو جنھوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈال دی اور مختلف پارٹیاں بن گئے۔ ہر پارٹی اپنے اپنے خیالات میں مگن ہے۔

ان مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ راہ دین تنہا راہ محمدی ہے جس کو ایک دوسری[1] آیت میں تمام انبیاء کی راہ بتایا گیا ہے اور اس کے علاوہ تمام راستوں کو لفظ "سُبُل" لیسیوز جمع لاکر مختلف ناپسندیدہ راستے قرار دیا ہے اور انھیں تتر بتر کردینے والے راستے بتایا ہے اور دوسری آیت میں نبی علیہ السلام کا ان تمام راہوں سے بالکل بے تعلق ہونا ارشاد فرمایا ہے اور تیسری آیت میں ان گمراہ فرقوں کی ایک خاص عادت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنی بات پر نہایت مسرور اور خوش ہوا کرتے ہیں اور جرأت و بےباکی ان لوگوں میں اہل حق سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ان فرقوں میں سے اس وقت ہمارے موضوع سے متعلق فرقہ منکرین حدیث ہے اس لئے ہم صرف انہی کے متعلق دو ایک مثالوں سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ پوری امت کی بلکہ تمام انبیاء سابقین کی لگی بندھی راہ سے ہٹ کر کس قدر انتشار و پراگندگی کا شکار ہوئے اور محض قرآن مجید کی بنیاد پہ اسلام کا نیا نقشہ تیار کرنے میں وہ کس قدر بری طرح پھوٹ کا شکار ہو گئے۔

منکرین حدیث نے سنت سے آزاد ہو کر جب اسلام کے بنیادی عقائد کے متعلق غور کیا تو عجیب عجیب شگوفے چھوڑے ہیں۔ ایک نے تو لکھا کہ

"اللہ تعالیٰ نے آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں۔"[2]

اور انہی کے ہم خیال ایک دوسرے بزرگ لکھتے ہیں کہ :-

[1] شرع لکم من الدین ما وصی به الخ الشوریٰ آیت ۱۳
[2] انکار حدیث کے نتائج صفحہ ۱۰۲ بحوالہ برق صاحب

"اسلام کے ارکان وہ پانچ نہیں جن کو تم ارکان کہتے ہو یعنی کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ بلکہ وہ تو دس ہیں"[1]

اس کے بعد اپنے دماغ سے اختراع کر کے وہ دس بیان کئے ہیں۔ ایک جگہ یہی بزرگ رقمطراز ہیں کہ:۔

"شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔ خودکشی اور استہلاک ہے۔ موت کے ساتھ لہو ولعب ہے"[2]

ایک جگہ یورپ کی شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے یہی بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں کہ اہل یورپ ہی درحقیقت مومن ہیں"[3]

اور اس کے علاوہ کسی نے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کیا اور کسی نے غیر انبیاء کو انبیاء کی فہرست میں داخل کیا اور نہ معلوم کس کس طرح اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی کوشش کی ہے[4] غرض یہ کہ وہ اسوۂ رسول اور امت کی چلی ہوئی راہ سے ہٹنے کے بعد اسلام اور عقائد و اعمال اسلام کا کوئی نقشہ تیار نہیں کر سکے اور حد تو یہ ہے کہ دو منکر حدیث کسی ایک خاکہ پر متفق نہ ہو سکے۔ اور قرآنی بیان کے مطابق ان کے اس افتراق نے انھیں تتر بتر کر کے چھوڑ دیا[5] اور ہر ایک اپنی بات پر اس طرح مسرور و مطمئن ہے کہ گویا وحی الٰہی نے اس کے مزعومہ مزخرفات کی مکمل تائید کر دی ہے۔

[1] انکار حدیث کے نتائج ص۳۱ بحوالہ علامہ مشرقی [2] ایضاً صفحہ ۱۲۸ [3] ایضاً صفحہ ۱۲۵ بحوالہ تذکرہ حصہ عربی صفحہ ۸۶

[4] اس کے چند نمونے آپ محترم مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی کتاب مذکور "انکار حدیث کے نتائج" میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ [5] یہ بات عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ انھیں اپنے ہم خیال مل جائیں لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لوگ ان کے پیش کردہ دین کو پسند کرتے ہیں اور اس لئے ان کے ساتھی ہو گئے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بھی ان منکرین حدیث کی طرح فرار عن الدین کے مرض میں مبتلا ہیں اور شریعت کی پابندیاں برداشت کرنے کی ہمت انہیں نہیں اس لئے یہ نئے بانی پرانے باغیوں کی ٹولی میں آ ملتے ہیں۔

نبی امی (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا سچا ارشاد فرمایا تھا:-

قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما ابدا کتاب اللہ وسنتی ولن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض۔ (مستدرک حاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ)[1]

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت اور یہ دونوں ایک دوسری سے لوگوں کی میرے پاس حوض کوثر پر حاضری تک جدا نہیں ہوں گی۔

دوسری حدیث میں ہے:-

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ[2] رسولہ (رواہ مالک فی المؤطا مرسلاً)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انہیں پکڑے رہوگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔

آج سنت کو چھوڑ دینے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ گمراہی میں مبتلا ہیں اور کوئی راہ نہیں مل رہی ہے۔ ہر شخص اپنے خیال میں مست ہے۔

انکارِ حدیث کا اصل محرک

یہ بات مقدمہ کے شروع میں بھی اشارۃً عرض کی جا چکی ہے اور یہاں بھی چند سطروں میں صراحۃً اسی کا ذکر مقصود ہے کہ ہمیشہ سے حریت پسند طبیعتیں قرآن کو تو بظاہر اپنائے رکھتی ہیں لیکن حدیث کا تحمل ان کے لئے بہت دشوار ہوتا ہے اور اس کی وجہ صاف ہے کہ قرآنی بیانات ہمیشہ اصولی اور بنیادی ہوتے ہیں اس لئے ان میں ابہام ہوتا ہے اور حدیث اس ابہام کو ختم کرکے صاف صاف حکم بیان کر دیتی ہے۔ آزاد طبیعتیں قرآن مجید کے اپنائے رکھنے کا دعویٰ اس لئے کرتی ہیں کہ اس کے مبہم بیانات کو تاویل کے ذریعہ اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا آسان ہوتا ہے اور حدیث اس لئے انہیں نہیں بھاتی کہ اس کے

[1] الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۲ صفحہ ۱۴۷ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱ عن مالک بن انس

واضح اور صاف بیانات میں اپنی خواہشات کا سمونا ممکن نہیں ہوتا۔

یہی بات گذشتہ صدیوں کے باطل پرستوں میں تھی اور یہی بیماری موجودہ دور کے حریت پسندوں اور مغرب پرستوں میں ہے۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبی المتوفی ۷۹۰ھ نے اپنے دور کے باطل پرستوں کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

ردوا کثیرا من الاحادیث الصحیحة بعقولهم واساؤا الظن بما صح عن النبی صلی الله علیه وسلم وحسنوا ظنهم بآرائهم الفاسدة۔	انھوں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو محض اپنی عقلوں سے رد کر دیا اور بہت سی وہ روایات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سندوں سے ثابت تھیں ان کے بارے میں اپنے فاسد خیالات کی وجہ سے غلط رائے قائم کر لی۔

اس کے بعد علامہ شاطبی ان کے متعلق تقریباً وہی بات لکھتے ہیں جو آج کل ہم اپنے اس دور کے منکرین حدیث اور آزاد خیال لوگوں میں دیکھ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

حتی ردوا کثیرا من امور الآخرة واحوالها من الصراط والمیزان وحشر الاجساد والنعیم والعذاب الجسمی وانکروا رویة الباری واشباه ذلك۔ بل صیروا العقل شارعا۔[1]	یہاں تک انھوں نے آخرت کی بہت سی باتوں کو جھٹلا دیا اور پل صراط، میزان عمل، جسموں کے ساتھ اٹھائے جانے، جنت کی نعمتیں اور جسمانی عذاب وغیرہ کا انکار کر دیا۔ اور دیدار الٰہی اور اس جیسی بہت سی چیزوں کو رد کر دیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے (اپنی) عقلوں ہی کو شارع ٹھہرا لیا۔

یہی وجہ ماضی میں تھی اور یہی وجہ حال میں ہے۔ شرعی پابندیاں خواہشات کی پیروی میں حائل اور نفس کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اس لئے انھیں ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مختلف عبارتوں میں وہ اس کا اظہار خود بھی کر چکے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[1] کتاب الاعتصام ج ۲ صفحہ ۱۷۶

"ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لاکر بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کرکے ملت کو ان قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں" (طلوع اسلام صفحہ ۱۱۴) [۱]

یہ قرآن پیش کرنے کا لفظ تو مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہے ورنہ قرآن کونسی ایسی نئی چیز ہے جسے جناب پیش کر رہے ہیں۔ اصل چیز وہ ہے جس کو آخر میں ذکر کیا ہے یعنی قید و بند سے چھٹکارا۔[۲]

ایک دوسرے صاحب پیشوائیت اور ملائیت پر برستے ہوئے یوں گہرافشاں ہیں:۔

"یہ وہ زنجیریں ہیں جو انسان کو ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھانے نہیں دیتیں۔ یوں بیٹھو، یوں اٹھو، یوں سوؤ، یوں جاگو، یوں چلو، یوں پھرو، یوں کھاؤ، یوں پیو، دایاں پاؤں اِدھر رکھو بایاں اُدھر۔ سیدھا ہاتھ یوں اٹھاؤ الٹا یوں۔ پوری کی پوری زندگی ایک مستبد ڈکٹیٹر کی (REGIMENTION) بنادی جاتی ہے۔ سوچو سلیم! کہ انسانیت پر یہ بوجھ کس قدر گراں اور یہ زنجیریں کیسی استخواں شکن تھیں۔ رسالت محمدیہ نے ان تمام زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھدیا۔"

(طلوع اسلام صفحہ ۸، ۹ ہر اکتوبر ۱۹۵۵ء سلیم کے نام) [۳]

بھلا کون ان سے یہ پوچھے کہ ـــــ رسالت محمدیہ نے یہ زنجیریں کہاں توڑی ہیں؟ آنکھیں بند کر لینے اور کھلم کھلا غلط بیانی پر اتر آنے کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ یہ استخواں شکن زنجیروں کے جتنے حلقے گنوائے ہیں کہ یوں چلو یوں پھرو وغیرہ یہ سب کے سب رسالت محمدیہ ہی کے ارشادات و معمولات ثابتہ ہیں۔[۴] خود رسالتِ محمدیہ ہی کی یہ تعلیم ہے کہ یوں سوؤ یوں جاگو اور یوں کھاؤ یوں پیو

---

[۱] ماخوذ از انکار حدیث کے نتائج صفحہ ۱۰۸ [۲] لیکن اس اصل بات کو چھپانے کے لئے اس پر طرح طرح کے پردے ڈالے جاتے ہیں اور اس بغاوت کو علمی اختلاف کا درجہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ [۳] ماخوذ از انکار حدیث کے نتائج صفحہ ۱۵۰ [۴] طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ان میں سے ہر ایک کے متعلق حدیث نبوی پیش کی جاتی۔ اب انشاء اللہ آپ آگے کتاب میں مختلف مواقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

حیرت ہے کہ رسالت محمدیہ کی یہ تعلیمات اتباعِ قرآن کے ایک مدعی کو استخواں شکن زنجیریں نظر آرہی ہیں حالانکہ وہی قرآن اسی محمد رسول اللہ کے متعلق یہ فرما رہا ہے کہ:۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (پ۹ع۹)	اور (وہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اتارتے ہیں ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔

یعنی گذشتہ امتوں نے جو پابندیاں خود اپنی رائے سے اپنے اوپر عائد کر لی تھیں آپ ان کو ان سے آزاد کرتے ہیں۔ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ:۔

بعثت بالحنيفية السمحة (رواہ الخطيب في تاريخه عن جابر)[1]	مجھے بالکل سیدھا اور نہایت آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے۔

اب غور کیجئے کہ قرآن جن تعلیمات کو بوجھ اتارنے والی اور قیدوں سے آزاد کرنے والی قرار دیتا ہے، دعوتِ قرآن کے نقارچیوں کو وہی تعلیمات بوجھ اور قید کیوں نظر آرہی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ دینِ فطرت اسلام نے وہ تمام قید و بند انسانوں کے اوپر سے ختم کر دیئے جو انسان کی فطرت کے خلاف تھے۔ قرآن اسی کو بیان کر رہا ہے، لیکن نفسِ انسانی جو انسان کی بہیمی صفات کا مظہر ہے اس پر مناسب پابندیاں شریعت نے لگائی ہیں جو نفس پرستوں کو ناگوار ہیں اور استخواں شکن زنجیریں نظر آتی ہیں۔ ورنہ جن لوگوں کا ذہن اسلام کی فطری روش سے ہم آہنگ ہے اور نفسانیت و ہوا پرستی کی بیڑیوں سے وہ آزاد ہیں۔ انھیں تو محبوب رب العالمین کا یہ ارشاد

ان الدين يسر الخ (بخاری، نسائی، عن ابی ہریرۃ)[2]	بلاشبہ دین اسلام[3] بہت آسان ہے

---

[1] الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۱، قال العزیزی حسن لغیرہ۔ [2] السراج المنیر ج ۱ ص ۴۰۸ و ج ۲ ص ۲۷۰، [3] یاد رہے کہ اسلام آسان ہے لیکن ہر آسان بات اسلام نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ حدیث "الدین یسر" ہے "الیسر دین" نہیں ہے۔

اپنے دل کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ملتِ اسلامیہ کے سعادتمند افراد نے جگہ جگہ اس کا اعتراف واقرار کیا ہے۔

لکھنے کو تو ابھی اس باب و موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی چیزیں ہیں ——— لیکن

"شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد"

اس لئے یہ موضوع یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تذکرۂ محدثین

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حافظ زکی الدین المنذری نے اس کتاب الترغیب والترہیب میں جن محدثین کرام سے روایات لی ہیں ان کی ایک فہرست تو خود مصنف نے مقدمہ میں دی ہے جو بہت مختصر ہے اور اس میں صرف انہی حضرات کے نام آئے ہیں جن سے مصنف نے زیادہ اخذ و استفادہ کیا ہے۔ لیکن ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جن سے الترغیب میں کہیں کہیں استفادہ کیا ہے۔ ان کی فہرست اگرچہ مصنف نے بغرض اختصار نہیں دی تھی ــــ مقدمہ ہذا میں ان تمام حضرات کی بھی فہرست دے دی گئی ہے لیکن ان تمام حضرات کے حالات لکھنے کے لئے تو یقیناً حالات محدثین پر ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اس مقدمہ میں تو اختصار کے ساتھ بھی ان تمام کے حالات نہیں آسکتے اس لئے ہم اس باب میں صرف ان محدثین کا اجمالی تعارف کراتے ہیں جس سے اکثر و بیشتر اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

امام مالک بن انسؒ

پیدائش سنہ ۹۳ھ وفات سنہ ۱۷۹ھ

امام ابو عبد اللہ مالک بن انس الاصبحی المدنی۔ آپ دراز قامت، فربہ جسم، خوبصورت، وجیہ اور باوقار عالم تھے۔ لباس سفید رنگ کا عمدہ پہنتے تھے۔ علم کا شوق بے حد تھا۔ نووی نے

تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ امام مالک کے شیوخ واساتذہ کی تعداد نو سو ہے[1] اور ان کے شاگردوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اسم لایکاد دن یحصون[2] یعنی اتنی دنیا ہے کہ اس کا کوئی حساب وشمار نہیں۔ امام صاحب کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد عظمت تھی اپنی کبرسنی اور ضعف کے باوجود کبھی مدینہ منورہ میں سواری پر نہیں چڑھے اور فرماتے تھے۔ لا ارکب فی بلد فیہا جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون۔[3] یعنی جس شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہو میں اس میں سوار نہیں ہوسکتا۔ اور یہی حال احادیث نبویہ کی عظمت کا تھا جب کوئی حدیث پڑھنے آتا تو اس کو ٹھہرا کر پہلے غسل کرتے نئے کپڑے پہنتے عمامہ باندھتے یا لمبی اونچی ٹوپی اوڑھتے خوشبو لگاتے اور پھر نہایت ادب سے بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے۔ حافظ خدا نے ایسا دیا تھا کہ جو ایک بار سنا پتھر کی لکیر ہوگیا۔ علم میں وہ مرکزی مقام حاصل کیا کہ جن اساتذہ سے علم حاصل کیا وہ خود استفادہ کرنے لگے۔ خود امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: قل رجل کنت اتعلم منہ ومات حتی یستفتینی شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو کہ میں نے اس سے پڑھا ہو اور پھر مرنے سے پہلے وہ مجھ سے فتویٰ لینے نہ آیا ہو۔

علم کے وقار اور اس کی عظمت کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید جب مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک کی کتاب "مؤطا" کا چرچا سنا تو ان کے پاس آدمی بھیجا کہ سلام کہنا اور کہنا کہ "مؤطا" لے کر میرے پاس آئیں اور مجھے پڑھ کر سنائیں۔ قاصد پہنچا اور پیام سنادیا امام صاحب نے سنکر فرمایا کہ کہدینا

ان العلم یؤتی ولا یاتی۔	علم کسی کے پاس نہیں جایا کرتا اس کے پاس خود آنا پڑتا ہے۔

آخر جب ہارون رشید خود ان کے مکان پر پہنچا تو انھوں نے عزت سے اپنی مسند پر بٹھایا۔

---

[1] ق ا ج ۲ ص ۷۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۹

وہاں جب حدیث سننے کا شوق ظاہر کیا اور چاہا کہ امام پڑھ کر سنائیں تو جواب دیا کہ میں تو عرصہ دراز سے پڑھنا چھوڑ چکا ہوں۔ ہارون رشید نے کہا کہ اچھا ان دوسرے لوگوں کو باہر بھیج دیجیے میں ہی آپ کے سامنے پڑھتا ہوں۔ امام عالی مقام نے جواب دیا کہ :-

ان العلم اذا منع من العامة لاجل الخاصة لم ينفع الله تعالیٰ به الخاصة۔	جب خاص لوگوں کی خاطر عام لوگوں کو علم سے روک دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کو بھی علم سے نفع نہیں پہنچاتا۔

اس کے بعد امام نے معن بن عیسیٰ القزاز کو حکم دیا کہ حدیث کی قرأت کریں۔ جب انھوں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ خلیفہ ہارون رشید ابھی تک امام کے برابر میں مسند پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ امام نے خلیفہ کو خطاب کر کے کہا کہ :-

یا امیر المومنین ادرکت اهل العلم ببلدنا وانهم لیحبون التواضع للعلم۔	امیر المومنین! آپ نے ہمارے شہر (مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہت سے علماء کو پایا ہے وہ سب علم کے لئے تواضع اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ امام کے برابر سے اٹھ کر نیچے عام شاگردوں کی صف میں آ بیٹھے۔[1]

احترام علم کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے —— اس واقعہ سے جہاں امام مالکؒ کی بلندی ظاہر ہوتی ہے وہیں خلیفۂ وقت کی عالی ظرفی، شرافت اور قدردانیٔ علم کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ ایک دو نہیں بلکہ جتنی سیڑھی بھی نیچے اتارا گیا اترتے ہی چلے گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جمیعاً۔

امام مالک کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہو چکا تھا۔ اور ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہو گئے ہوتے۔ اسحاق بن ابراہیم کا کہنا ہے کہ جب کسی بات پر ثوری، مالک اور اوزاعی متفق

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۱

ہو جائیں تو سمجھ لو کہ وہی سنت ہے چاہے کوئی نص اس کے متعلق نہ ملے۔[1]

امام موصوف کی تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت "الموطا" کو حاصل ہوئی اور ہر زمانہ میں اونچے اہل علم نے اس کو پسند کیا۔ امام شافعی نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور تعریف کی ہے قاضی ابوبکر ابن عربی موطا کے متعلق فرماتے ہیں

ھذا اول کتاب الف فی شرائع الاسلام[2]	یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ پر لکھی گئی۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خود امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ خلیفۂ وقت ہارون الرشید نے مجھ سے مشورہ کیا کہ موطا کو خانۂ کعبہ پر لٹکا دیں اور تمام لوگوں سے اسی کے مطابق عمل کرائیں۔ امام عالی مقام نے جواب دیا کہ ایسا نہ کیجئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام مختلف ملکوں علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور جزوی چیزوں میں ان میں باہمی فرق ہے اور ہر ایک حق پر ہے (لہٰذا سب کو کسی ایک ہی چیز پر متحد ہونے پر مجبور کرنا صحیح نہیں) خلیفہ نے اس رائے کو پسند کیا اور ارادہ بدل دیا۔[3]

اسی طرح ابن سعد نے طبقات میں خلیفہ منصور کا یہ ارادہ بلکہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ امام مالک کی تصانیف کی نقلیں ملک میں ہر ہر جگہ بھیج دی جائیں اور حکم نافذ کر دیا جائے کہ اسی کے مطابق فیصلے جاری کئے جائیں اس کو بھی امام موصوف نے خود ہی روک دیا۔[4]

امام مالک نے گیارہ ربیع الاول سن ایک سو اناسی ہجری (۱۷۹ھ) کو مدینہ منورہ میں وفات پائی[5] اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنۃ البقیع میں دفن کئے گئے[6] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴، ص ۱۹۵ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۵۰۲ [3] کشف الظنون ج ۲ ص ۵۰۳ [4] ایضاً [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۸ [6] شذرات ج ۱ ص ۲۹۲

امام احمد بن حنبل الشیبانی

پیدائش ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ

امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی المروزی الاصل البغدادی آپ کا اصل تعلق عرب خاندان سے ہے اور معد بن عدنان پر جاکر آپ کا سلسلہ قریش کے اکثر خاندانوں کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پیدائش آپ کی ماہ ربیع الاول سن ایک سو چونسٹھ میں بغداد میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔ [1]

آپ نہایت خوبصورت تھے۔ قد درمیانہ قدرے ابھرتا ہوا تھا مہندی کا ہلکا سرخ خضاب کرتے تھے [2] تحصیل علم کے لئے کوفہ، بصرہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن اور شام وغیرہ کا سفر کیا۔ اساتذہ میں سفیان بن عُیَیْنَہ، ابراہیم بن سعد، یحیی بن سعید القطان، امام شافعی [3]، امام ابو یوسف وکیع، یحیی بن ابی زائدہ، معتمر بن سلیمان، اسماعیل بن علیہ، وکیع بن الجراح اور عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ زیادہ مشہور ہیں اور استفادہ کرنے والوں میں عبد الرزاق بن ہمام، یحیی بن آدم، ابو الولید ہشام بن عبد الملک الطیالسی، امام بخاری اور امام مسلم و ابو داؤد وغیرہم ہیں اور صحاح ستہ کے جملہ مؤلفین بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کے دور میں جب خلقِ قرآن کا فتنہ اٹھا تو سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ ڈٹ کر اس کا مقابلہ آپ ہی نے کیا تھا۔ اس وقت اس مسئلہ نے بہت اہمیت حاصل کرلی تھی اور ارباب حکومت

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۱۷ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۶ [2] ایضاً [3] سبکی اور ابن خلکان نے تو امام شافعی کو امام احمد کے اساتذہ میں شمار کیا ہے لیکن مورخ ابن العماد حنبلی نے امام شافعی کو استاد ماننے کے ساتھ ساتھ شاگردوں میں بھی شمار کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی ایک دو روایت امام شافعی نے امام احمد سے نقل کی ہو اس لئے کہ امام شافعی کے دل میں امام احمد کی بے انتہا عظمت تھی ——— جس کا نمونہ ابن العماد نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس فتنہ کے حامی تھے۔ امام احمدؒ کو مجبور کیا گیا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہو جائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا اور کھل کر اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے۔ اس کی سزا میں امام صاحب کو کوڑے بھی مارے گئے جیل بھی بھیجا گیا لیکن امام احمدؒ نے اپنی رائے میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی[1]۔
اس دوران میں امام شافعیؒ مصر میں مقیم تھے آپ نے خواب دیکھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام احمد کو سلام کہلایا اور فرمایا کہ ان سے کہدو کہ

انك ستمتحن على القول بخلق القرآن فلا تجبهم نرفع لك علماً الى يوم القيامة۔	عنقریب خلق قرآن کے مسئلہ میں تمہارا امتحان ہونے والا ہے۔ تم ان لوگوں کی بات تسلیم نہ کرنا۔ ہم تمہارا جھنڈا قیامت تک کے لئے بلند کر دیں گے۔

امام شافعی نے یہ خواب لکھ کر امام احمد کے پاس بھیج دیا۔ امام احمد نے جس وقت یہ خط پڑھا ہے تو مارے خوشی کے آپ رو دیئے اور قاصد کو اپنا کرتہ اتار کر بطور انعام دیدیا۔ قاصد جب اس کرتے کو لے کر مصر میں امام شافعیؒ کے پاس واپس لوٹا تو امام شافعی نے کرتہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ تکلیف تو میں تمہیں نہیں دے سکتا کہ تم سے کرتہ مانگ لوں البتہ یہ ضرور کرو کہ اسے بھگو کر نچوڑ دو اور اس کا پانی میں اپنے پاس رکھ لوں گا۔[2]

ابراہیم الحربی کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کا تمام علم احمد بن حنبل میں جمع کر دیا ہے۔ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ سے امام حدیث ابوزرعہ نے بیان کیا کہ تمہارے والد کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں[3] امام شافعی جب بغداد سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ میں نے بغداد کے اندر علم میں اور فضیلت میں اور فقہ میں احمد بن حنبل سے زیادہ اونچا کسی کو نہیں چھوڑا۔ اور علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کی حفاظت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد)

---

[1] الوفیات ج ۱ ص ۱۷ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۸

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷

فتنۂ ارتداد کے وقت ابوبکر صدیق کے ذریعہ کی اور فتنۂ خلق قرآن میں احمد بن حنبل کے ذریعہ[1]

آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور و معروف اور سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب "المسند" ہے جو بعض کے نزدیک تیس ہزار[2] اور بعض کے نزدیک چالیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ علامہ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں کہ تیس ہزار سے یقیناً زائد اور چالیس ہزار سے کم ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب عام کتابوں سے بالکل مختلف ہے کسی حدیث کا تلاش کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ علامہ احمد محمد شاکر کو کہ انھوں نے یہ کام شروع کیا ہے کہ کتاب کو جوں کا توں باقی رکھتے ہوئے صرف اس کی فہرست ابواب فقہیہ کی ترتیب پر بنادی ہے اور انھوں نے بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ہر حدیث کی سند پر بھی کلام کیا ہے اور علماء سابقین کی رائیں بھی درج کی ہیں۔ اس طرح اس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہو گیا ہے۔ حافظ ذہبی جیسے اکابر محدثین جس بات کی تمنا کرتے تھے کہ شاید خدا کسی کو اس کام کی توفیق دے جو اس کو مرتب کردے وہ تمنا اللہ تعالیٰ نے احمد محمد شاکر کے ذریعہ پوری کرادی۔

اس کتاب کی ترتیب کی ایک کوشش احمد عبدالرحمٰن البناء الشہیر بالساعاتی نے بھی کی ہے جس کا نام ہے "الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی"

پھر اس کی شرح "بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی" کے نام سے کی ہے۔

امام موصوف کی اس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں ہیں جن میں سے کتاب الزہد کا حوالہ متعدد جگہ الترغیب میں بھی آیا ہے

امام احمد بن حنبل نے بارہ ربیع الاول سن دو سو اکتالیس ہجری (۲۴۱ھ) کو بروز جمعہ ستتر سال کی عمر میں وفات پائی۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۱۴ [3] تذکرۃ ج ۲ ص ۱۸

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ

پیدائش ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بردزبہ الجعفی البخاری[۱]۔ امام بخاری کے جد اعلیٰ بَرۡدِزۡبَہ مجوسی تھے اور اسی دین پر ان کا انتقال ہوا۔ عام محدثین اس لفظ کو "بردزبہ" ہی لکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ فارسی لفظ ہے جس کے معنی کسان کے ہیں[۲]۔ لیکن مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:۔

"روس کے ایک مشہور عالم سے میری مکاتبت ہوئی تو انھوں نے اس لفظ کی صحیح تعریب "برداز بہ" قرار دی یعنی دال کے بعد الف اور زا مفتوح ہے اور اس کے معنی صیقل اور ماہر کے بتائے۔"

مولانا موصوف ان عالم صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ تصریف و نحو کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان بلاد کی زبانوں سے بھی پورے طور پر واقف ہیں اس لئے ان کی تحقیق قابل اعتماد ہے۔"[۳]

بردازبہ کے فرزند مغیرہ والیٔ بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے[۴]۔ اور عرب کے دستور کے مطابق وہی جعفی کی نسبت امام بخاری اور ان کے خاندان کے ساتھ بھی لگی۔

امام بخاری تیرہ شوال سن ایک سو چورانوے ہجری (۱۹۴ھ) کو بروز جمعہ بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ والد کا ان کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا[۵]۔ یتیمی کی حالت میں اپنی والدہ کے ساتھ رہے اور شروع ہی سے تحصیل علم کا بے حد شوق تھا۔ اپنے شہر کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کرنے کے بعد بلخ، بغداد، مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص اور دمشق کے اونچے اہل علم سے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۲ [۲] مقدمۃ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۳ [۳] ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۲۵۲
[۴] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۳۴ [۵] مقدمۃ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۳

استفادہ کیا۔[1]

حافظہ خدائے تعالیٰ نے ایسا دیا تھا کہ ان کے ساتھی اپنی تحریری یادداشتوں کو صرف ان کے حافظے سے درست کراتے تھے۔ کوئی دس سال کی عمر ہوگی کہ محدث داخلی کے درس حدیث میں شرکت کرنے لگے ایک روز خود ہی بیان کرتے ہیں کہ داخلی نے حدیث بیان کرتے ہوئے سند سنائی۔ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم امام کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ابوزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داخلی نے یہ سن کر مجھ کو جھڑک دیا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس اصل ہو تو ذرا مراجعت تو کر لیجئے۔ انھوں نے اندر جاکر کتاب دیکھی اور آکر مجھ سے بولے کہ کہو بچے! پھر یہ سند کس طرح ہے؟ بخاری کہتے ہیں کہ میں نے کہا ابراہیم سے روایت کرنے والے ابوالزبیر نہیں بلکہ زبیر ہیں جو عدی کے فرزند ہیں۔ داخلی نے اسی وقت قلم لیا اور اپنے نسخے کی اصلاح کرلی اور مجھ سے کہا کہ تم ہی نے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد جب عمر کے سولہویں سال میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن مبارک اور وکیعؒ کی کتابیں حفظ کرلیں[2] اور حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ جس وقت قلم تصنیف اور مسند تدریس سنبھالی ہے تو چہرے پر ڈاڑھی کا ایک بال بھی نہ تھا۔ جن لوگوں سے حدیثیں لکھی ہیں ان کی تعداد امام بخاری نے ہزار سے زائد بتائی ہے۔[3]

امام بخاری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں لیکن سب سے زیادہ مقبولیت و شہرت اور افادیت ان کی الجامع الصحیح ہی کو حاصل ہے اور اس کے لکھنے میں انھوں نے محنت بھی سب سے زیادہ کی ہے خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں ہر ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کیا ہے اور دو رکعت نماز پڑھی ہے اور چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے یہ کتاب تیار کی ہے اس کی تصنیف کی مدت خود امام بخاری سولہ سال بتاتے ہیں اور کوئی ایک حدیث بھی اس میں ایسی نہیں جس کی صحت کا پورا یقین حاصل کئے بغیر اس میں درج کی ہو۔[4] چنانچہ تصنیف کے وقت سے لے کر آج تک ہر دور میں اسے خوب پرکھا گیا اور تنقید کی سخت سے سخت کسوٹی پر کسا گیا مگر اس کا جو مقام قدرت

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۲ [2] مقدمۃ الفتح ج ۲ ص ۱۹۳ [3] تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۲ و ص ۱۲۳ [4] مقدمۃ الفتح ج ۲ ص ۲۰۲

کی طرف سے مل چکا تھا یعنی :۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ | خدا کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب

وہ بدستور باقی رہا وقت وارسال کی معمولی پیش گوئیوں کے علاوہ اس چاند میں کوئی داغ نہیں بتایا جا سکا۔ ہر زمانے میں وقت کا اونچے سے اونچا محدث اس کتاب کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتا رہا اور خدا معلوم کتنی شرحیں اب تک لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ امام بخاری کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ استفادہ الترغیب والترہیب میں اسی صحیح بخاری سے کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کہیں کہیں الادب المفرد اور التاریخ الکبیر سے بھی بعض حدیثیں لی گئی ہیں۔

امام بخاری نے شب شنبہ عید الفطر میں سن دو سو چھپن ہجری (۲۵۶ھ) میں وفات پائی اور خرتنگ میں دفن ہوئے۔[1] رحمۃ اللہ علیہ

امام مسلم بن الحجاج القشیری النیشا بوری

پیدائش ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ ان کی پیدائش سن دو سو چار میں ہوئی ہے۔[2] لیکن مورخ ابن خلکان نے بڑی تحقیق کے بعد سن پیدائش سن دو سو چھ ہجری بتایا ہے۔[3] اور اسی قول کو علامہ ابن الاثیر نے مقدمہ جامع الاصول میں ترجیح دی ہے۔[4]

امام مسلم نے تحصیلِ علم کے لئے حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا۔ امام یحیی بن یحیی نیساپوری، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ وغیرہ سے استفادہ کیا اور امام مسلم کے تلامذہ میں ابن خزیمہ، ابوعوانہ، عبد الرحمن بن ابی حاتم وغیرہ ہیں۔[5] اور ذہبی کہتے ہیں کہ ایک حدیث امام

---

[1] تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۳، شذرات ج ۲ ص ۱۳۵ [2] تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۰ [3] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۹۱ [4] فتح الملہم ص ۱۰۰ [5] وفیات ج ۲ ص ۹۱

ترمذی نے بھی امام مسلم سے سنی ہے اور ان کے علاوہ شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ہے[1] حافظ ابو قریشی کے حوالہ سے ذہبی نے نقل کیا ہے کہ دنیا میں حافظ حدیث چار ہیں جن میں ــــ امام مسلم کا بھی نام لیا۔ امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے اپنی صحیح کو مرتب کیا ہے[2] حسن ترتیب و کمال تصنیف کے لحاظ سے تو صحیح مسلم صحیح بخاری پر بدرجہا فائق ہے ہی لیکن فنی حیثیت سے بھی حافظ ذہبی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ بعض چیزوں میں بخاری کے مقابلہ میں مسلم بڑھے ہوئے ہیں بعض دفعہ ایک ہی شخص کو کنیت کے ساتھ لکھ کر امام بخاری دوسری جگہ اس کے نام سے لکھ دیتے ہیں اور غلطی سے انھیں دو الگ الگ آدمی سمجھ لیتے ہیں لیکن امام مسلم سے اس طرح کی غلطیاں نہیں ہوتیں[3] حافظ ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے کوئی کتاب صحیح مسلم سے زیادہ صحیح نہیں ہے لیکن ذہبی فرماتے ہیں کہ شاید صحیح بخاری ان تک نہیں پہنچی ہوگی[4] (یعنی اگر وہ صحیح بخاری کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے)

ذہبی نے امام مسلم کی صحیح کے علاوہ تقریباً بیس کتابیں اور شمار کی ہیں لیکن اب تقریباً سبھی نایاب ہیں۔ صحیح مسلم پر لوگوں نے بہت کچھ کام کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون نے اس کی تلخیص و شرح کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد بیان کی ہے۔ ہماری اس کتاب الترغیب والترہیب کے مصنف علامہ منذری بھی اس کتاب کے خادموں میں ہیں جیسا کہ علامہ منذری کے حالات میں گذر چکا ہے۔

امام مسلم نے رجب سن دو سو اکسٹھ ہجری (۲۶۱ھ) میں وفات پائی[5]

---

[1] تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۰ [2] تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۱ [3] تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۱ [4] ایضاً

[5] ایضاً ص ۱۵۲

ابو داود سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ

پیدائش ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد الازدی السجستانی۔ یہ سجستان کی طرف نسبت ہے جو کہ معرب ہے سیستان کا یہ خراسان کا ایک مقام[1] ہے جو سندھ اور ہراۃ کے درمیان قندھار کے قریب واقع ہے۔[2]

تحصیل علم کے لئے آپ نے مصر، حجاز، شام، عراق اور خراسان وغیرہ کا سفر کیا اور مسلم بن ابراہیم، قعنبی، عبداللہ بن رجاء، ابو الولید طیالسی، ابو جعفر نفیلی اور سلیمان بن حرب اور ان کے علاوہ بہت سے اہل علم سے استفادہ کیا اور فقہ و حدیث میں بہت اونچا مقام پایا تقویٰ و پرہیزگاری میں وہ درجہ حاصل کیا کہ لوگ امام احمد بن حنبل کے مشابہ کہتے تھے۔ ابو اسحٰق شیرازی نے ان کو امام احمد بن حنبل کے خاص شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے جب یہ کتاب سنن ابی داؤد تصنیف کی تو امام احمد کو

---

[1] ایران کی مشرقی سرحد پر ——— (لغات سعیدی)

[2] متعدد اونچے درجے کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سجستانیؒ کی تحقیق میں مؤرخ ابن خلکان سے غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے سجستان کو بصرہ کا ایک قریہ بتایا ہے۔ ایک مصنف کے الفاظ ہیں کہ "مؤرخ مذکور کی یہ تحقیق غلط ہے، لیکن مجھے تعجب ہے کہ یہ حضرات مسلسل ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور شاید ابن خلکان کی اصل عبارت کی طرف کوئی رجوع نہیں کرتا۔ ابن خلکان غریب نے صرف اتنا کہا ہے کہ سجستان الاقلیم المشہور یعنی سجستان ایک مشہور صوبہ یا علاقہ ہے اور جس کو یہ حضرات ابن خلکان کی "تحقیق" قرار دے رہے ہیں۔ اس کو انھوں نے صرف ایک قول کے درجہ میں نقل کیا ہے اور وہ بھی کمزور قرار دے کر فرماتے ہیں": "وقیل نسبتہ الی سجستان او سجستانۃ قریۃ من قری البصرۃ واللہ اعلم" یعنی بعض نے کہا ہے کہ سجستان یا سجستانہ کی طرف نسبت ہے جو کہ بصرے کے ایک قریے کا نام ہے۔ یہاں شروع میں لفظ "قیل" اور اخیر میں "واللہ اعلم" خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ قول خود ان کے نزدیک کمزور اور ناقابل اعتماد ہے۔

دکھائی۔ امام صاحب نے بہت پسند کی اور تعریف فرمائی۔ یہ کتاب دیکھ کر ابراہیم الحربی نے کہا تھا کہ الین لابی داؤد الحدیث کما الین لداود الحدید یعنی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں حدید (لوہا) نرم ہوگیا تھا اسی طرح ابوداؤد کے ہاتھوں میں حدیث نرم کردی گئی ہے۔ علامہ نووی نے نقل کیا ہے کہ محسن بن محمد ابراہیم الوافاری نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ فرمارہے تھے کہ جو شخص دامنِ سنت کو مضبوطی سے تھامنا چاہیئے اسے سنن ابی داؤد پڑھنی چاہیئے[1]

اپنی کتاب کے متعلق ابوداؤد فرماتے تھے کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر یہ کتاب لکھی ہے اس کی تمام روایات صحیح یا صحیح کے قریب قریب ہیں۔ جن کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے۔

آپ نے پندرہ شوال سن دو سو پچھتر ہجری (۲۷۵ھ) کو بروز جمعہ بصرہ میں وفات پائی۔

ان کے صاحبزادے ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد بھی بغداد میں بڑے پائے کے محدث تھے[2]

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی

پیدائش ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی البوغی الترمذی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ مادر زاد نابینا تھے[3]۔ "ترمذ" بلخ کی مشہور نہر جیحون کے ساحل پر ایک قدیم شہر کا نام ہے[4] اور ماوراء النہر سے عموماً یہی نہر مراد ہوتی ہے۔ "ترمذ" کی تار کے اعراب میں اختلاف ہے حافظ ذہبی نے اپنے

---

[1] تہذیب الاسماء للنووی ق ۱ ج ۲ ص ۲۲۷ ، [2] تذکرۃ ج ۲ ص ۱۵۲ ، وفیات ج ۱ ص ۱۲، شذرات ج ۲ ص ۱۶۷ ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲ ، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱ (نوٹ) تہذیب الاسماء والغات للنووی ق ۱ ج ۲ ص ۲۲۷ میں ابوداؤد کی پیدائش سن ایک سو دو ہجری میں لکھی ہے۔ یہ مصنف کی سبقت قلم یا بعد میں کسی ناسخ یا طابع وغیرہ کی غلطی ہے۔ [3] شذرات ج ۲ ص ۱۷۵ ، [4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۱۔

شیخ ابن دقیق العید سے نقل کیا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور قریب قریب متواتر کے کسرہ پڑھنا ہی ہے۔[1]

امام ترمذی کے اساتذہ میں قتیبہ بن سعید، ابو مصعب، ابراہیم بن عبد اللہ الہروی، سوید بن نصر، محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب، وغیرہم ہیں[2] اور خاص استاد امام بخاری ہیں جو کہ قتیبہ بن سعید علی بن حجر اور ابن بشار وغیرہ بعض اساتذہ سے استفادہ کرنے میں ساتھی بھی ہیں[3] بلکہ خود بخاری نے بھی ان سے روایت کی ہے[4] گویا امام بخاری امام ترمذی کے استاد بھی ہیں ساتھی بھی ہیں اور شاگرد بھی۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ امام ترمذی کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ حاکم کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن علک کو یہ کہتے سنا ہے کہ امام بخاری نے خراسان میں علم، حافظہ اور تقویٰ و پرہیز گاری کے لحاظ سے ترمذی جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔[5]

امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب سنن لکھنے کے بعد حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کی۔ ان سب نے اس کو پسند کیا۔[6] بعد کے اہل علم نے بھی مجموعی حیثیت سے اس کو تمام کتابوں سے زیادہ مفید بتایا ہے اس لئے کہ اس میں حدیثوں کی تکرار بہت کم ہے، ترتیب بہت عمدہ ہے۔ مذاہب فقہا کا بیان بھی ہے اور ان کے دلائل کا تذکرہ بھی۔ احادیث کے ساتھ ان کا درجہ بھی بیان کر دیتے ہیں اگرچہ اس میں کہیں کہیں ذرا تساہل سے کام لیا گیا ہے لیکن ایسا بہت کم ہے اور انہی تمام خصوصیات کی وجہ سے ابو اسماعیل الہروی کہتے تھے کہ میرے نزدیک یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بھی زیادہ نفع بخش ہے۔[7]

حافظ ذہبی نے ان کی قوت حافظہ کے بعض حیرت انگیز واقعات نقل کئے ہیں۔ امام ترمذی نے پیر کی شب میں تیرہ رجب سن دو سو اناسی ہجری (۲۷۹ھ) کو وفات پائی۔[8]

---

[1] وفیات الاعیان فی ترجمۃ ابی جعفر محمد بن احمد الفقیہ الشافعی ج ۱ ص ۵۷۴ و تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۸۔
[2] تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۷؛ [3] وفیات ج ۱ ص ۴۸۴؛ [4] شذرات ج ۲ ص ۱۷۴۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۸۔
[5] تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۷ و ص ۱۸۸؛ [6] ایضاً؛ [7] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۱۔
[8] وفیات ج ۱ ص ۴۸۴۔

ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی

پیدائش ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ

الامام الحافظ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر النسائی الخراسانی[1] نساء بفتح النون وتخفیف السین المهملة و بالمد والهمزة[2]۔ اور بعض نے بلا مد پڑھا ہے[3]۔ یہ مرو کے قریب خراسان کا ایک شہر ہے جہاں سے بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوئے ہیں[4]۔

امام نسائی سن دو سو پندرہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لئے خراسان، حجاز، عراق، مصر، شام وغیرہ کا سفر کیا اور قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار، ابو داؤد صاحب السنن، محمود بن غیلان، اور محمد بن بشار وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ آپ کے شاگردوں میں طبرانی ابن حبان[5]، ابن السنی اور ابو بشر الدولابی جیسے محدثین شامل ہیں۔ مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ملیح چہرہ تھا، بڑھاپے میں بھی جسم میں خون جھلکتا تھا، خوش خوراک اتنے تھے کہ بڑے بڑے مرغ ان کے لئے خرید کر پالے جاتے اور موٹے کئے جاتے تھے[6]۔ آپ بہت خوشحال اور معزز آدمی تھے[7]۔

معیار صحت امام نسائی کا بہت بلند ہے۔ حتیٰ کہ ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن علی زنجانی سے ایک شخص کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ ثقہ ہے۔ میں نے کہا کہ نسائی تو اسے ضعیف

---

[1] ان کے سلسلہ نسب کے متعلق ابن خلکان اور مورخ ابن العماد اور حافظ ذہبی کے بیانات مختلف ہیں۔ ہم نے یہاں ذہبی سے نقل کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۱) [2] کما فی الاکمال لصاحب المشکوۃ ص ۶۲۷ (الملحق بآخر المشکوۃ) مرقاۃ ج ۱ ص ۲۲ عن جامع الاصول۔ [3] مرقاۃ ج ۱ ص ۲۲ عن طبقات الفقہاء۔ [4] دفیات ج ۱ ص ۲۱ مرقاۃ ج ۱ ص ۲۲۔ [5] ابن حبان کی شاگردی کا ذکر ذہبی نے اس مقام پر تو نہیں کیا لیکن ابن حبان کے حالات میں لکھا ہے کہ انھوں نے ابو عبد الرحمن النسائی سے بھی حدیث سنی ہے۔ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۵) [6] تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۱۔ [7] شذرات ج ۲ ص ۲۲۹

کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ عزیزمن! رجال کے سلسلہ میں ابو عبد الرحمٰن (یعنی نسائی) کی بعض شرطیں بخاری اور مسلم سے بھی سخت ہیں۔ ابو بکر بن الحداد الشافعی بڑے محدث ہیں یہ سوائے امام نسائی کے کسی سے روایت نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان نسائی کو حجت بنا کر خوش ہوں[1]

تاج الدین سبکی نے اپنے والد ماجد اور حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ امام نسائی امام مسلم سے زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں[2] اور ان کی سنن احادیث ضعیفہ کے لحاظ سے صحیحین کے بعد سب سے بہتر ہے[3]

ذہبی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے خوشحالی اور ریاست وغیرہ سب کے باوجود زہد و تقوی اور کثرت عبادت کا یہ حال تھا کہ ان کے شب و روز عبادت کرنے اور صوم داؤد (ایک دن روزہ ایک دن ناغہ) کا مصر بھر میں چرچا تھا[4]

نسائی نے تیرہ صفر سن تین سو تین ہجری (۳۰۳ھ) کو پیر کے دن وفات پائی[5] مقام وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ دار قطنی اور عبدری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ میں وفات پائی اور بیت المقدس میں دفن ہوئے[6] اور صاحب مشکوۃ نے بالجزم یہ کہا ہے کہ مکہ معظمہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں[7] ذہبی نے دار قطنی ہی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں وفات پائی اور صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہیں۔ ذہبی نے رملہ والے قول کو ترجیح دی ہے[8]

تنبیہ:۔ امام نسائی نے ایک کتاب لکھی تھی السنن الکبیر جو بہت ضخیم تھی پھر اس میں صرف صحیح روایات کا انتخاب کر کے السنن الصغیر لکھی جس کا نام المجتبیٰ یا المجتنی رکھا[9] اب جو صحاح ستہ میں شامل ہے

---

[1] تذکرۃ ج ۲ ص ۲۴۲ و ص ۲۴۳ [2] یہ گفتگو مصنف کے بارے میں ہے۔ تصنیف بلا اختلاف امام مسلم کی زیادہ صحیح ہے۔ [3] مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۲۲ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰ [4] تذکرۃ ج ۲ ص ۲۴۲ شذرات ج ۲ ص ۲۴۰ [5] شذرات ج ۲ ص ۲۳۹ و تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۳۔

[6] مرقاۃ ج ۱ ص ۲۲۔ [7] الاکمال (الملحق بآخر المشکوۃ ص ۶۲۷)۔ [8] تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۳۔

[9] مرقاۃ ج ۱ ص ۲۳ (نوٹ) آگے ابن السنی کے حالات میں بھی آپ پڑھیں گے کہ انھوں نے سنن نسائی کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام المجتبیٰ رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

وہ یہی دوسری ہے۔ لہٰذا بعض قدیم علماء جو حوالہ دیتے ہیں کہ فلاں حدیث نسائی کی سنن میں ہے اور وہ موجودہ سنن میں نہیں ملتی تو جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں انھیں پریشانی ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی روایات ان کی سنن کبیر سے ماخوذ ہوتی ہیں[۱] ـــ اس سنن کا نام علامہ سید جمال الدین نے مجتنیٰ نون کے ساتھ بتایا ہے[۲]۔ علامہ زرکشی تخریج احادیث الرافعی میں لکھتے ہیں کہ بعض نے اسے نون کے ساتھ بھی کہا ہے[۳] لیکن زیادہ مشہور باموحدہ کے ساتھ ہے۔ سیوطی کی شرح زہر الربیٰ ـــ کا قافیہ بھی باء ہی کو ظاہر کر رہا ہے اور یہی عام طور پر لکھا جاتا ہے۔ مقدمہ زہر الربیٰ میں سیوطی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل اور راجح باء موحدہ ہی کے ساتھ ہے[۴]۔

ابن ماجۃ القزوینیؒ

پیدائش ۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ الربعی القزوینی۔

ماجۃ ـ جیم غیر مشدد اور مفتوح ہے اور یہ چونکہ ان کی والدہ کا نام ہے اس لئے قاعدۂ عربیت کی رو سے اس کے ساتھ جو لفظ ابن آتا ہے اس میں الف کا لکھنا ضروری ہے یعنی صرف "یزید بن ماجۃ" نہیں لکھ سکتے[۵]۔

الربعی۔ راء اور باء دونوں کو فتح کے ساتھ۔ ربیعۃ جو چند قبائل کا نام ہے یہ ان میں سے کسی قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔

قزوینی ـ یہ ایران کے مشہور شہر قزوین کی طرف نسبت ہے۔ قاف پر فتح زای ساکن اور واو پر کسرہ۔

---

[۱] مرقاۃ ج۱ ص ۲۳ [۲] مقدمہ زہر الربیٰ ص ۸ للسیوطی [۳] ایضاً [۴] وفیات الاعیان و تذکرۃ المحدثین وغیرہ۔ [۵] ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ ج۱ ص ۲۲ میں مجد الدین فیروز آبادی سے نقل کیا ہے کہ ماجۃ ان کے والد کا لقب ہے لیکن شرح اربعین کے حوالہ سے ان کی والدہ کا نام بتایا ہے۔ [۶] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۱۹۱ ذکر ابن ابی شیبۃ

[ع] چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے تنبیہ کی ہے کہ امام عبد العظیم المنذری اور امام مزی صاحب تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف جب "اخرجہ النسائی" کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد السنن الکبریٰ ہوتی ہے ـــ (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد)

امام ابن ماجہ سن دو سو نو ہجری (۲۰۹ھ) میں پیدا ہوئے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن مغلس، ابراہیم بن المنذر الحزامی اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ ابو یعلی خلیلی کہتے ہیں کہ ابن ماجہ متفق علیہ ثقہ اور حجۃ تھے۔ آپ تفسیر میں بھی اچھا مقام رکھتے تھے اور حدیث، تفسیر اور تاریخ تینوں فنون پر آپ نے مستند کتابیں لکھی ہیں۔

ابن ماجہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب سنن لکھ کر جب ابوزرعہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے تو اکثر کتابیں بیکار ہو کر رہ جائیں گی اور پھر فرمایا کہ اس میں ایسی حدیثیں تیس سے زیادہ نہیں ہیں جن کی سند میں ضعف ہے۔ راقم سطور کہتا ہے کہ حسن ترتیب اور اختصار کے لحاظ سے یہ کتاب بہت عمدہ ہے لیکن بقول حافظ ذہبی ابن ماجہ کی سنن بڑی اچھی تھی اگر اسے چند کمزور روایتوں نے مکدر (گدلا) نہ کر دیا ہوتا۔

امام ابن ماجہ کی وفات پیر کے روز بائیس رمضان المبارک سن دو سو تہتر ہجری کا (۲۷۳ھ) کو ہوئی۔[1]

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی

پیدائش ۱۸۱ھ وفات ۲۵۵ھ

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد التمیمی الدارمی السمرقندی[1]۔ دارمی راء کے کسرے کے ساتھ۔ دارم بن مالک کی طرف نسبت ہے جو تمیم کی ایک بڑی شاخ ہے[2]۔ آپ کی پیدائش سن ایک سو اکیاسی ہجری (۱۸۱ھ) میں ہوئی اور یہی عبداللہ بن مبارک کا سن وفات ہے۔

امام دارمی نے نضر بن شمیل، یزید بن ہارون، جعفر بن عون وغیرہم سے علم حاصل کیا اور تحصیل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۹ ——— وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۸۴ شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۶۴
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳ [1] تذکرۃ ج ۲ ص ۱۰۵ [2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳

علم کی خاطر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، خراسان، شام عراق اور مصر کا سفر کیا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست میں امام مسلم صاحب صحیح اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی جیسے فن حدیث کے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ سنن کے علاوہ دوسری کتابوں میں امام نسائی نے بھی دارمی سے روایت کی ہے۔ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بھی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔

خطیب فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں تھا اور (طلب علم) کے لئے کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ثقہ، متقی اور زاہد تھے۔ آپ کو سمرقند کا قاضی مقرر کیا گیا۔ صرف ایک مقدمہ کا فیصلہ کر کے مستعفی ہو گئے۔ نیز فرماتے ہیں کہ عقلمندی اور فضل میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ دیانتداری، بردباری، محنت، جدوجہد اور عبادت میں ضرب المثل تھے[1] امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے دارمی کا ذکر ہوا تو امام صاحب نے فرمایا کہ ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی مگر انھوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ رجاء بن مرجی کہتے ہیں کہ میں نے شاذکونی کو دیکھا، اسحق بن راہویہ کو دیکھا اور فلاں فلاں (چند محدثین کے نام گنائے) کو دیکھا لیکن قوت حفظ میں کسی کو بھی عبداللہ دارمی کا ہم سر نہیں پایا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن (دارمی) اپنے اہل زمانہ کے امام تھے[2] محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ دارمی حفظ و تقوی میں ہم پر غالب آ گئے[3] حافظ ذہبی نے دارمی کے نام کے ساتھ الامام الحافظ شیخ الاسلام کے الفاظ لکھے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے والد سے سوال کیا کہ ابا جان! حفاظ کون کون ہیں؟ حضرت امام نے فرمایا عزیزمن! خراسان کے چند نوجوان تھے جو اب منتشر ہو چکے ہیں۔ صاحبزادے نے پھر سوال کیا کہ ابا جان وہ ہیں کون کون؟ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ "(۱) محمد بن اسماعیل البخاری (۲) عبداللہ بن عبدالکریم الرازی (۳) عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمرقندی (الدارمی) (۴) الحسن بن الشجاع البلخی"[4]

---

[1] تذکرۃ ج ۲ ص ۱۰۵ [2] ایضاً ص ۱۰۶ [3] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۳۰،

[4] مقدمہ سنن دارمی ص ۶ از مولانا عبدالرشید کشمیری (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۳ھ)

یہ رائے ایک نہایت مستند و ماہر ناقدین کی رائے ہے جس میں امام بخاری اور امام دارمی دونوں کو ایک فہرست میں جمع کیا گیا ہے۔ اسی طرح بندار فرماتے ہیں کہ دنیا میں (اس وقت) چار حافظ حدیث ہیں (۱) ابو زرعہ "رَیّ" میں۔ (۲) مسلم بن الحجاج نیشاپور میں۔ (۳) عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (دارمی) سمرقند میں۔ (۴) اور محمد بن اسماعیل بخارا میں[1]

محی الدین النووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ دارمی اپنے زمانے میں مسلمانوں کے حفاظِ حدیث میں سے ایک تھے۔ علم وفضل میں بہت کم کوئی ان کی برابری کر سکتا تھا۔[2]

دارمی نے اس وقت کے فرقہ باطلہ جہمیہ کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔[3] آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور کتاب سنن دارمی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کو بجائے "سنن" کے "مسند" کہا ہے[4] لیکن ملا علی قاری نے مشکوۃ کی شرح میں اس کو وہم قرار دیا ہے۔[5] صاحب کشف الظنون نے بھی شارح الفیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن الصلاح نے اس کو مسانید میں شمار کرکے غلطی کی ہے۔[6] ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ "علوم الحدیث" میں بھی اس کو مسند دارمی ہی کے نام سے ذکر کیا ہے اس پر بھی حافظ عراقی نے شرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔[7] حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کتاب کا تذکرہ "کتاب السنن المسمّٰی بمسند الدارمی" (کتاب السنن جو مسند دارمی کے نام سے مشہور ہے) کے الفاظ میں کیا ہے۔

اس کتاب کی سند صحاح کی اکثر کتابوں سے عالی ہے اس لئے اس کا مقام بہت بلند ہے اور

---

[1] مقدمہ سنن دارمی ص ۶ [2] ایضاً ص ۶ [3] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ ج ۱ ص ۶ للعلامۃ السید ابی الوزیر احمد حسن الدہلوی المتوفی ۱۳۳۸ھ (مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۵ھ) [4] سنن حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں حدیثیں فقہی ترتیب سے لکھی جائیں اور "مسند" اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور ابواب کی کوئی رعایت نہ ہو۔ [5] مرقاۃ ج ۱ ص ۲۳ ، [6] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۳۴ و مقدمہ سنن دارمی ص ۱ ، (نوٹ) صاحب کشف الظنون نے غالباً شہرت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو مسانید ہی کے تحت بیان کیا ہے۔ [7] التقیید والایضاح شرح علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح ص ۲۴ لزین الدین العراقی۔

محدثین نے بہت اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ حافظ علاء الدین مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے اس کو "الصحیح" کہا ہے اور ان سے قبل (ہماری اس کتاب الترغیب والترہیب کے مصنف) علامہ زکی الدین المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس کو "الصحیح" لکھ چکے ہیں[1]۔ بلکہ حافظ مغلطائی نے تو کہا ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت اس کو "الصحیح" کہتی ہیں[2]۔ اور بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ سنن دارمی صحیح بخاری سے پہلے لکھی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ تسلیم نہیں ہے اور جسے اس بات کا دعویٰ ہو وہ ثابت کرے۔ اس کا جواب ترکی بہ ترکی علامہ سید محمد بن اسماعیل الامیر نے اپنی شرح توضیح الافکار علی تنقیح الانظار میں دیا ہے کہ جسے صحیح بخاری کی تصنیف کے مقدم ہونے کا دعویٰ ہو وہ بھی اس کا ثبوت پیش کرے[3]۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

انه ليس دون السنن في المرتبة بل لو ضم الى الخمسة لكان اولى من ابن ماجة فانه امثل منه بكثير[4]

سنن دارمی مرتبہ میں دیگر کتب سنن سے کم نہیں ہے بلکہ اگر اسے پانچ کتابوں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) کے ساتھ ابن ماجہ کی جگہ میں لگا دیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کیونکہ یہ سنن ابن ماجہ سے بدرجہا فائق ہے

ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں حافظ ابن حجر کی رائے یہ نقل کی ہے کہ:

ينبغي ان يجعل مسند الدارمي سادسا للخمسة بدله فانه قليل الرجال الضعفاء نادر الاحاديث المنكرة والشاذة وان كان فيه احاديث مرسلة وموقوفة فهو مع ذلك اولى منه[5]

مناسب یہ ہے کہ پانچ کتابوں کے ساتھ ملا کر چھٹی کتاب مسند دارمی قرار دے دی جائے کیونکہ اس میں ضعیف راوی کم ہیں اور منکر و شاذ روایات بھی نادر ہیں اور اگرچہ اس میں چند مرسل و موقوف حدیثیں بھی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سنن ابن ماجہ سے اولیٰ ہے۔

۱؎ مقدمہ سنن دارمی ص ۷۔ ۲؎ مقدمہ سنن دارمی ص ۸۔ ۳؎ مقدمہ سنن دارمی ص ۸۔ ۴؎ تدریب الراوی ص ۲۲ للسیوطی، کشف الظنون ج ۲ ص ۲۳۴۔ ۵؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳ فی ترجمہ ابن ماجہ۔

علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے امام صلاح الدین العلائی سے نقل کیا ہے کہ

لو قدم مسند الدارمی بدل ابن ماجۃ فکان سادسا لکان اولیٰ[1]	اگر مسند دارمی کو سنن ابن ماجہ کی جگہ میں رکھ دیا جائے اور اسے چھٹی کتاب قرار دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ "بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ سنن دارمی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کی جگہ دی جائے اس لیے کہ اس میں ضعیف رجال بھی بہت کم ہیں۔ اور منکر و شاذ روایات بھی اس میں بہت نادر ہیں۔ اور اس کی سندیں عالی ہیں اور اس میں بخاری سے بھی زیادہ ثلاثیات ہیں[2]۔" ابو حاتم نے دارمی کی ثلاثیات کی تعداد پندرہ بیان کی ہے[3]۔ بالکل یہی رائے حافظ مغلطائی نے بھی ظاہر کی ہے کہ ابن ماجہ کے بجائے اگر سنن دارمی کو رکھا جائے تو بہت مناسب ہے[4]۔

راقم سطور کہتا ہے کہ سنن دارمی جامعیت، حسن ترتیب اور علو اسناد ہر لحاظ سے اس رائے کی مستحق ہے جو ان اہل علم نے پیش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ ارباب مدارس اور مشائخ حدیث اس طرف توجہ فرمائیں اور اسے درس میں شامل کریں۔

امام دارمی نے عرفہ کے دن (سن دو سو پچپن ہجری ۲۵۵ھ) میں وفات پائی اور عید اضحیٰ جمعہ کے دن تدفین ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جب امام دارمی کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ نے انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکلا حالانکہ بجز ان اشعار کے جو احادیث میں آ گئے ہیں یا جن کی ضرورت کسی لفظ کی تحقیق میں پڑ جائے آپ کبھی شعر نہیں پڑھتے تھے[5]

---

[1] قالہ الشیخ السندی فی تبتہ (مقدمہ سنن دارمی صف ۴)۔ [2] ثلاثی وہ روایت کہلاتی ہے جس کی سند اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔ [3] مقدمۃ المشکوٰۃ ص۔ [4] سنن دارمی ص ٦۔ [5] ایضاً ص۔

ان عشت تفجع بالاحبۃ کلھم
وفناء نفسك لاابالك افجع[1]

(اگر تو زندہ رہے گا تو تمام دوستوں کی موت کا صدمہ تجھ ہی کو اٹھانا پڑیگا۔ لیکن خود تیری موت کا سانحہ ان سب سے زیادہ المناک ہے)۔

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

پیدائش ۳۲۱ھ۔ وفات ۴۰۵ھ

آپ نیشاپور کے باشندے تھے اور ابن البیّع کی کنیت سے مشہور تھے جس کے معنی اردو زبان میں بیوپاری بچہ کے ہیں۔ اور چونکہ یہ قاضی تھے اس لیے حاکم لقب پڑ گیا تھا۔ آپ کی پیدائش تین ربیع الاول کی صبح کو سن تین سو اکیس ہجری (۳۲۱ھ) میں نیشاپور میں ہوئی۔ اولاً فقہ حاصل کیا پھر حدیث کی طرف توجہ ہوئی اور ایسی ہوئی کہ حدیث ہی کے ہو رہے اور اپنے زمانے کے تمام علمار حدیث کے امام قرار پائے۔ اتنے اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے کہ ابن خلکان نے لکھا کہ:

سمع من جماعة لایحصون کثرة فان معجم شیوخه یقرب من الفی رجل[2]	انہوں نے بے شمار لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا ہے کہ ان کے مشائخ کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

آپ کے شاگردوں میں دارقطنی، ابوبکر البیہقی، ابوالقاسم قشیری، اور ابو یعلی الخلیلی جیسے اکابر علمار حدیث شامل ہیں۔ امام حاکم کثرت تصانیف اور اسی کے ساتھ حسن ترتیب وسلیقہ تالیف میں بھی بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بہت سی ہیں[3]۔ جن میں سے زیادہ مشہور المستدرک ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے خیال میں ایسی روایات جمع کی ہیں جو بخاری و مسلم یا ان میں سے

---

[1] مقدمہ سنن دارمی ص۶۔ [2] وفیات الاعیان ج۱ ص۴۸۴۔ [3] حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کی تصانیف کی تعداد ابن خلکان کے حوالے سے ڈیڑھ ہزار بتائی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۲۰ پر)

کسی ایک کے شرائط پر پوری اترتی ہیں لیکن ان دونوں کی کتابوں میں وہ موجود نہیں ہیں لیکن اہل علم کو ان کا یہ دعوی تسلیم نہیں ہے۔ ذہبی نے تو "المستدرک" کی بعض حدیثوں کو موضوع تک کہا ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی نصف حدیثیں تو ایسی ہیں جو صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر پوری اترتی ہیں اور اس کا ایک چوتھائی حصہ ایسا ہے جو اگرچہ صحیحین کی شرط پر پورا نہیں اترتا مگر صحیح ہے۔ اور کتاب کا ایک چوتھائی حصہ کمزور اور منکر روایات پر مشتمل ہے۔ اور اسی ضرورت کے تحت علامہ ذہبی نے "تلخیص المستدرک" تصنیف فرمائی ہے۔ اور ہر ہر حدیث کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ حاکم کی تصحیح پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح پر اس وقت تک اعتماد نہ کیا جائے جب تک اس پر میرے تعقبات نہ دیکھ لیے جائیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس تساہل کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کا مسودہ تیار کرنے کے بعد اس کی تنقیح اور نظر ثانی کرنے سے پہلے مصنف اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ حاکم کی "المستدرک" مع ذہبی کی "تلخیص المستدرک" کے حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے اس کے علاوہ حاکم کی مشہور کتابیں معرفۃ علوم الحدیث، الاکلیل، تاریخ نیسابور، کتاب المزکیین[1] وغیرہ ہیں حافظ عراقی نے تخریج احادیث احیاء العلوم میں ایک جگہ حاکم کی کتاب "التاریخ"[2] کا حوالہ دیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۱۹ کا) (مقدمہ ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۲۶۸) لیکن یہ صحیح نہیں ہے "ابن خلکان اور سبکی وغیرہ نے ڈیڑھ ہزار جزء بیان کئے ہیں اور ایک تصنیف بہت سے اجزاء پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔ اور مولانا کو یہی چوک امام بیہقی کے حالات لکھتے وقت بھی ہوئی ہے بیہقی کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے اور تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۱۱ کے الفاظ یہ ہیں "وتوالیفہ تقارب الف جزء" یعنی ان کی تصانیف تقریباً ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہیں۔

[1] علامہ نووی نے امام مسلم کے حالات لکھتے ہوئے بطور حوالہ اس کتاب کا ذکر کیا ہے (تہذیب الاسماء ق ۱ ج ۲ ص ۹۲)۔

[2] احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۵۶ الحق الثالث من حقوق الاخوۃ والصحبۃ۔

ہو سکتا ہے اس سے یہی تاریخ نیساپور ہی مراد ہو اور ممکن ہے کوئی اور کتاب ہو۔ علامہ برکوی نے اپنی چہل حدیث کے مقدمہ میں حاکم کی ایک چہل حدیث کا بھی ذکر کیا ہے[1]۔

امام حاکم نے سہ شنبہ کے روز تین صفر سن چار سو پانچ ہجری (۴۰۵ھ) میں نیساپور میں اس طرح اچانک وفات پائی کہ غسل خانے میں غسل کے لیے گئے اور فارغ ہو کر لنگی باندھی تھی اور کرتہ نہیں پہن سکے تھے کہ ایک آہ کھینچی اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا[2]۔

ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی

(پیدائش ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ)

یہ شافعیہ کے بہت بڑے اور مشہور محدث ہیں۔ ان کی تصانیف سے شافعی مسلک کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ حاکم، ابوطاہر، ابوبکر بن فورک، ابوعلی روذباری اور عبدالرحمن السلمی وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ طلب علم کے لیے خراسان، بغداد، کوفہ اور مکہ معظمہ وغیرہ کا سفر کیا۔ علامہ ذہبی اور ابن قاضی شہبہ نے نقل کیا ہے کہ امام بیہقی علماء سلف کے نقش قدم پر تھے۔ بہت تھوڑے پر اکتفا کرنے والے زاہد و متقی عالم تھے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے تیس سال تک مسلسل روزے رکھے ہیں۔ ان کے علوم اور ان کی تصانیف سے مشرق و مغرب کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

شوافع کے بڑے عالم امام الحرمین فرماتے ہیں کہ:۔

مامن شافعی الا وللشافعی علیہ منۃ الا البیہقی	کوئی شافعی ایسا نہیں جس پر امام شافعی کا احسان نہ ہو۔ سوائے بیہقی کے کہ بیہقی کا خود امام

[1] الاحادیث الاربعین لمولانا محمد بن علی المعروف بہ برکوی بشرحہ لمولانا محمد الشہیر بالفکریانی ص۴۴

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص۲۲۷، وفیات الاعیان ج ۱ ص۴۸۴ طبقات الشافعیۃ ج ۳ ص۶۴ کشف الظنون ج ۲ ص۱۴۲۷ ترجمان السنۃ ج ۱ ص۲۶۷،

فان لہ علی الشافعی منۃ لتصانیفہ فی نصرۃ مذھبہ۔	شافعی پر احسان ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ ان کے مذہب کو مضبوط کیا ہے۔

کثرت تصانیف کے لحاظ سے بھی بیہقی کا بہت اونچا مقام ہے اور اس سے زیادہ اہم یہ چیز ہے کہ انہوں نے ایسے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا کہ سخت ضرورت کے باوجود ان کے وقت تک ان پر کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ ان کی سنن کبری (دس جلدوں میں) بہت مفید اور جامع کتاب ہے[1]۔ کتاب الاسماء والصفات کے متعلق سبکی نے لکھا ہے کہ لا اعرف لہ نظیر یعنی بے نظیر کتاب ہے اور کتاب الاعتقاد، دلائل النبوۃ، شعب الایمان، مناقب الشافعی، کتاب الدعوات الکبیر کے متعلق تو سبکی لکھتے ہیں کہ "فاقسم ما لواحد منھا نظیر" میں قسم کھاتا ہوں کہ ان میں سے کسی کتاب کی مثال نہیں ملتی۔

ان تمام کمالات اور وسعت نظر کے باوجود یہ عجیب بات ہے کہ صحاح کی مشہور کتابوں میں سے سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھیں۔ اس لیے ان تین کتابوں کی روایات سے کماحقہ وہ واقف نہیں تھے۔

امام بیہقی کی تصانیف میں سے الدعوات الصغیر، کتاب البعث والنشور، کتاب الزہد الکبیر، کتاب الاربعین، الترغیب والترہیب، کتاب الرؤیۃ[2]، فضائل الاوقات وغیرہ بھی ہیں جن میں سے بعض کے حوالے اس کتاب انتخاب الترغیب والترہیب میں بھی آئیں گے۔ بیہق بار موحدہ یار مثناۃ تحتیہ ساکنہ اور ہائے مفتوحہ کے ساتھ۔

امام بیہقی نے دس جمادی الاولی سن چار سو اٹھاون ہجری (۴۵۸ھ) میں نیشاپور میں وفات پائی اور ان کا تابوت بیہق کے سب سے بڑے شہر خسروجرد میں لاکر دفن کیا۔

---

[1] الشہاب البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ نے اس کتاب کے زوائد علی الکتب الستۃ جمع کیے ہیں (ذیل التذکرۃ ص ۳۷۹ للسیوطی)۔ [2] دیکھیے مقدمہ زیر نظر صفحہ ۴۹۔ وکشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۸۔

گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ[1]

ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی

(پیدائش ۲۶۰ھ وفات ۳۶۰ھ)

آپ نے طلب علم کے لیے حرمین شریفین، شام، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ اور اصبہان وغیرہ کا سفر کیا آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے آپ کے تلامذہ میں حافظ ابونعیم جیسے حفاظ حدیث شامل ہیں ــــ آپ کی بہت سی تصانیف میں سے بہت زیادہ مشہور ان کی معاجم ثلاثہ الکبیر، الاوسط، الصغیر ہیں۔ زیر نظر کتاب میں طبرانی کی ان کتابوں کے حوالے بہت ہیں۔ معجم کبیر کو امیر علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی النحوی الحنفی المتوفی ۷۳۹ھ نے ابواب پر ترتیب دیا ہے[2]۔ اور علامہ سمعانی نے بھی اس پر ایک کتاب لکھی ہے کتاب التحبیر فی المعجم الکبیر[3]

"الطّبرانی" طاء مہملہ اور باء موحدہ اور راء تینوں کے فتح سے یہ طبریہ کی طرف نسبت ہے۔ اور طبرستان کی طرف نسبت طبری آتی ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو بہت نفع بخش ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبرانی نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔

آپ کی تصانیف میں کتاب الدعاء، کتاب المناسک، کتاب السنۃ، دلائل نبوۃ، کتاب الاوائل اور ایک ضخیم تفسیر اور بہت سی کتابیں ہیں۔

آپ کی سکونت اصبہان میں تھی وہیں آپ نے آخر ذیقعدہ میں وفات پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۹۔ طبقات الشافعیہ ج ۲، شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۶۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۰، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۔ [2] حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۹۹ الفوائد البہیۃ ص ۱۱۸ و کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۵۔ [3] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۵۔ [4] تذکرۃ ج ۳ ص ۱۱۸ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱۵ شذرات ج ۳ ص ۳۰۔

حافظ ابوبکر بن ابی الدُّنیا القرشی

پیدائش ۲۰۸ھ وفات ۲۸۱ھ

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا القرشی، آپ کثیر التصانیف اور مشہور محدث ہیں۔ سعید بن سلیمان، علی بن الجعد اور سعید بن محمد الجرمی وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کی معیت میں آپ سے حدیثیں لکھی ہیں۔ اور آپ صدوق ہیں۔ خلیفہ معتضد اور متعدد خلفاء کے شہزادوں کے اتالیق رہے ہیں۔[1]

اس کتاب انتخاب الترغیب والترہیب میں بہت جگہ ابن ابی الدنیا کی متعدد کتابوں کے حوالے آپ کو ملیں گے۔ ان میں سے چند کے نام گذشتہ صفحات میں مآخذ کی فہرست کے ضمن میں آچکے ہیں۔[2]

حافظ ابوبکر البزار

پیدائش ــــھ وفات ۲۹۲ھ

ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصری۔ آپ نے ہدبہ بن خالد (شیخ بخاری ومسلم) عبدالاعلی بن حماد، عبداللہ بن معاویۃ الجمحی وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ آپ کے شاگردوں میں عبدالباقی بن قانع، ابوبکر الختلی، ابوالشیخ بن حیان وغیرہ محدثین ہیں۔ آپ کی مسند بزار مشہور کتاب ہے۔ جس میں علماء حدیث پر بھی کلام کیا گیا ہے اور اسی لیے حافظ ذہبی وغیرہ نے اسے "المسند المعلل" کے نام سے ذکر کیا ہے اور اسے المسند الکبیر بھی کہتے ہیں۔ ابوالعباس احمد بن ابی بکر بن اسماعیل الکنانی البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ نے اور حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲۴، [2] دیکھیے صفحہ ۴۳۔

۸۰۷ھ نے اس کتاب کے زوائد علی الکتب الستہ جمع کئے ہیں[1]۔ حافظ ہیثمی کی کتاب کا نام "البحر الزخار فی زوائد البزار" ہے[2]۔ اخیر کی عمر میں اصبہان، عراق، شام اور اس کے اطراف کے لوگوں کو علم حدیث سے فیضیاب کیا ماہ ربیع الاول ۲۹۲ھ میں رملہ میں وفات پائی[3] رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابوبکر ابن خزیمۃ

پیدائش ۲۲۳ھ وفات ۳۱۱ھ

ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ بن المغیرۃ السلمی النیساپوری آپ بچپن ہی سے علم حدیث حاصل کرنے لگے تھے۔ طلب علم کے لیے شام، حجاز، عراق اور مصر وغیرہ کا سفر کیا۔ محمود بن غیلان، محمد بن ابان المستملی، احمد بن منیع اور ابوکریب وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ اسحٰق بن راہویہ اور محمد بن حمید سے بھی حدیث سنی ہے لیکن چونکہ اس وقت عمر بہت کم تھی اس لیے ان سے روایت نہیں کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بقول حافظ ذہبی بے شمار ہے۔ جن میں امام بخاری اور امام مسلم بھی شامل ہیں لیکن صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مشہور محدث ابن حبان بھی ہیں[4]۔

ذہبی کہتے ہیں کہ خراسان میں ان کے زمانے میں مقام امامت وحفظ ان پر ختم تھا۔ ابوعثمان الزاہد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ابن خزیمہ کی بدولت اہل خراسان کی بلائیں دور کرتا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کے نام کے ساتھ امام الائمہ اور شیخ الاسلام کے الفاظ لکھے ہیں۔ مشہور محدث محمد بن حبان التمیمی کہتے ہیں کہ روئے زمین پر فن حدیث کی مہارت، اس کے صحیح الفاظ کے حفظ اور اس کے زوائد کی پہچان میں ابن خزیمہ جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں[5] ہے۔ تمام حدیثیں انہیں اس طرح محفوظ ہیں گویا آنکھوں کے سامنے رکھی ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ آپ بے نظیر امام تھے

---

[1] الضوء اللامع ج ۵ ص ۲۰۱۔ [2] ذیل التذکرۃ لابن فہد ص ۲۳۹۔ وذیل التذکرۃ للسیوطی ص ۳۷۲۔
[3] تذکرہ ج ۲ ص ۲۰۴، شذرات ج ۲ ص ۲۰۹۔ [4] تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۱۔ [5] یعنی ان کے زمانے میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

آپ کے ایک استاد ربیع کہتے ہیں کہ جتنا ہم سے ابن خزیمہ نے حاصل کیا ہے۔ اس سے زیادہ ہم نے ابن خزیمہ سے حاصل کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ذہبی نے ان کے حالات کئی صفحات میں لکھے ہیں[1]۔

امام دارقطنی کہتے ہیں کہ آپ عالی مرتبہ امام اور بے مثال محدث تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ کی تصانیف کی تعداد ایک سو چالیس سے متجاوز ہیں[2]۔

حافظ ابوحاتم ابن حبان البُستی

پیدائش سنہ ... وفات ۳۵۴ھ

الحافظ الامام ابوحاتم محمد بن حبان بن معاذ التمیمی البستی۔ آپ نے ابوعبدالرحمٰن النسائی، حسین بن ادریس الہروی، ابوخلیفۃ الجمحی، ابویعلی الموصلی اور ابوبکر ابن خزیمۃ اور بہت سے لوگوں سے علم حاصل کیا۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ مصر سے خراسان تک بے شمار لوگوں سے علم سیکھا۔ خود اپنی کتاب التقاسیم والانواع میں فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً دو ہزار استادوں سے حدیث لکھی ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مشہور محدث حاکم، محمد بن احمد بن ہارون الزوزنی اور منصور بن عبداللہ الخالدی وغیرہم ہیں۔ ابوسعید ادریسی کہتے ہیں آپ علم حدیث کے مختلف فنون کے علاوہ طب اور علم نجوم کے بھی عالم تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن حبان علم کی ایک زنبیل تھے۔ فقہ میں بھی، لغت میں بھی، حدیث میں بھی، اور وعظ وارشاد میں بھی اور بڑے ہی عقلمند شخص تھے۔ آپ نے نیشاپور میں قیام کر کے ایک خانقاہ بھی قائم کی تھی۔ آپ سمرقند اور اس کے بعد نسا کے قاضی بھی رہے ہیں۔

آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ کتاب[1] الانواع والتقاسیم، اسی کو المسند الصحیح اور صحیح ابن حبان بھی کہتے ہیں۔ کتاب[2] الثقات، کتاب[3] الضعفاء، التاریخ[4]، المنتقی[5]۔ طبقات[6]

---

[1] تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۹۔ [2] شذرات ج ۲ ص ۲۶۲۔ [3] حاشیہ الفوائد البہیۃ ص ۴۰ ۲ عن طبقات ابن شہبۃ۔

الاصبہانیہ اور فقہ الناس[۱] وغیرہ۔ ان میں سے پہلی دوسری اور تیسری کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ کتاب الانواع والتقاسیم کی ترتیب سب کتابوں سے نرالی ہے نہ ابواب پر ہے اور نہ مسانیدکے طرز پر۔ اس لیے بہت سے حضرات نے اس کو ترتیب دیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ حافظ[۱] ناصرالدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن زریق المقدسی الصالحی المتوفی ۸۰۳ھ[۲]۔ الامام المحدث المحقق۔ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج البکجری الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ[۳]۔ انہوں نے صحیح ابن حبان کو ترتیب بھی دیا ہے اور اس کے زوائد علی الصحیحین بھی ایک جلد میں جمع کئے ہیں[۲]۔ امیر علاؤالدین علی بن بلبان بن عبداللہ الفارسی الحنفی المتوفی ۷۳۹ھ یہ بہت بڑے فقیہ نحوی اور محدث ہیں انہوں نے بھی صحیح ابن حبان کو ابواب پر ترتیب دیا ہے[۴]۔ جس کا نام ہے الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان[۵]۔ حافظ نورالدین ابوبکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے اس کے زوائد علی الصحیحین جمع کئے ہیں[۶]۔ جو موارد الظمآن لزوائد ابن حبان" کے نام سے ابھی حال ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ابن حبان کی صحیح سے انتخاب کرکے حافظ عراقی المتوفی ۸۰۶ھ نے " اربعون بلدانیہ" جمع کی جو مکمل نہ ہو سکی[۷]۔ اسی طرح اس کے اطراف اور اس کے رجال پر بھی کام کیا اور وہ بھی ناتمام[۸] ہی رہ گیا۔

---

[۱] تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۵، کشف الظنون ج ۲ ص ۸۹ و ص ۲۵۵۔ [۲] ذیل التذکرہ ص ۲۳۲۔ [۳] ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۱۹۲۔ [۴] لابن فہد المکی ایضاً ۳۶۵ و ذیل التذکرہ للسیوطی ص ۳۶۶۔ [۵] حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۹۹، بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۱۔ الفوائد البہیۃ ص ۱۱۸۔ (مصری) (نوٹ) علی بن بلبان فارسی کی وفات سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں تو صحیح لکھی ہے لیکن حسن المحاضرۃ میں ۷۳۱ھ لکھی ہے تو صحیح نہیں ہے۔ اور غالباً اسی کو دیکھ کر صاحب کشف الظنون نے ۷۳۱ھ میں نقل کر دیا ہے اس لیے وہ بھی اسی غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ البتہ لفظ سنن کے تحت جبعان کا ذکر کیا ہے تو وہاں سن وفات صحیح لکھا ہے (ج ۲ ص ۳۴)۔ [۶] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۸۔ [۷] ذیل التذکرہ لابن فہد ص ۲۲۰، و ذیل التذکرہ ایضاً للسیوطی ص ۳۷۰، وکشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۰۔ [۸] ذیل التذکرہ لابن فہد ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳۔ [۹] ذیل التذکرہ لابن فہد ص ۲۲۲۔

ابن حبان کا تلفظ اکثر لوگ غلط کرتے ہیں۔ اسنوی نے لکھا ہے کہ حار مہملہ پر کسرہ ہے۔
اور اس کے بعد بار موحدہ[1] ہے۔ مؤرخ ابن العماد کہتے ہیں کہ اکثر ناقدین حدیث کی رائے یہ ہے
کہ صحیح ابن حبان سنن ابن ماجہ سے زیادہ صحیح ہے[2]۔

آپ نے بائیس شوال کو شب جمعہ ۳۵۴ھ میں وفات پائی[3]۔

حافظ ابو یعلیٰ الموصلی

پیدائش ۲۱۰ھ وفات ۳۰۷ھ

احمد بن علی بن المثنیٰ بن یحییٰ التمیمی۔ آپ نے یحییٰ بن معین، علی بن الجعد، محمد بن منہال
الضریر وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ آپ کے شاگردوں میں ابو حاتم ابن حبان، ابو علی نیشاپوری،
ابو بکر اسماعیلی اور بہت سے لوگ ہیں۔ یزید بن محمد الازدی فرماتے ہیں کہ ابو یعلیٰ صاحب صدق
وامانت اور صاحب دین وحلم تھے۔ انکی وفات کے دن تمام بازار بند کر دیے گئے تھے اور بے شمار
مخلوق جنازہ میں شریک ہوئی تھی۔ ابو عمرو الحیری نے ابو یعلیٰ کو حسن بن سفیان سے افضل
بتایا ہے۔

محدث ابن حبان نے اپنے استاد ابو یعلیٰ کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔

سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے
مسند العدنی، مسند ابن منیع اور بہت سی مسانید پڑھی ہیں لیکن وہ سب نہروں کے درجہ میں
ہیں اور ابو یعلیٰ کی مسند اس بحر ناپیدا کنار کی طرح ہے جو بہت سی نہروں کا منبع ومخزن ہوتا ہے[4]۔
آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں[5]۔ حافظ ابو بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے اور بہت سی
کتابوں کی طرح ان کی مسند کے زوائد بھی جمع کیے ہیں۔ جس کا نام ہے۔ المقصد الاعلیٰ فی

[1] شذرات ج ۳ ص ۱۶ [2] کتاب الاسماء واللغات قسم اول جلد اول ص ۶ [3] شذرات ج ۳ ص ۱۶ [4] تذکرہ ج ۲ ص ۲۷۴
[5] شذرات ج ۲ ص ۲۵۰۔

زوائد ابی یعلی[۱]

امام ابوالحسن دارقطنی

پیدائش ۳۰۶ھ وفات ۳۸۵ھ

الامام شیخ الاسلام حافظ الزماں ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی آپ نے طلب علم کے لیے بغداد، کوفہ، بصرہ، اور واسط کا سفر کیا اور بغوی، ابن ابی داؤد، ابن صاعد، حضرمی، محمد بن القاسم المحاربی اور محمد بن سلیمان المالکی وغیرہم سے استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں میں حافظ ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیاء۔ حاکم، ابوحامد اسفرائینی، تمام رازی، ابوبکر البرقانی، ابوالقاسم حمزۃ السہمی اور حافظ منذری وغیرہم ہیں

خطیب اور حاکم وغیرہ ان کے فضل وکمال کے معترف تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ دارقطنی حفظ فہم اور پرہیزگاری میں یکتائے زمانہ تھے۔ اور قرات اور نحو میں بھی امام تھے۔ اور کہتے ہیں میں نے بغداد میں آپ کے پاس چار ماہ قیام کیا اور علل وشیوخ کے متعلق استفادہ کیا۔ خطیب کہتے ہیں کہ علم روایۃ، علل واسماء الرجال کی معرفت ان پر ختم تھی۔ حافظ ابوذر الہروی کہتے ہیں کہ میں نے حاکم سے سوال کیا کہ کیا تم نے دارقطنی جیسا کوئی اور بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ خود دارقطنی نے اپنا ثانی نہیں دیکھا۔ قاضی ابوالطیب الطبری، دارقطنی کو امیرالمومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔

ابوالقاسم الازہری کہتے ہیں کہ دارقطنی کے سامنے جو بھی موضوع چھڑ جاتا اسی پر بے شمار معلومات جمع کر دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن طلحہ نعالی نے سنایا کہ میں ایک بار ایک دعوت میں دارقطنی کے ساتھ تھا۔ وہاں کہیں "لقمہ" کا ذکر چھڑ گیا اس پر جو دارقطنی نے لقمے کے عجیب وغریب چٹکلے اور واقعات بیان کیے کہ رات کا اکثر حصہ اسی میں گزار دیا۔

---

[۱] ذیل التذکرہ لابن فہد ص ۱۸۱ والسیوطی ص ۲۰۲۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اس امام کی مہارت دیکھنا ہو تو ان کی کتاب العلل پڑھو تم حیرت میں رہ جاؤ گے اور دیر تک تعجب کرو گے۔

دار قطنی نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی فہرست بقول حاکم طویل ہے۔ مشہور السنن کے علاوہ کتاب المعرفۃ بمذاہب الفقہاء، کتاب الافراد[1]۔ کتاب الرؤیۃ[2]۔ ایک کتاب ادب میں المعرفۃ بالادب والشعر۔ علامہ برکوی نے ان کی کتاب الاربعین (چہل حدیث) کا بھی ذکر کیا ہے[3]۔ ایک تصنیف فن قراءۃ میں بھی ہے۔

سنن دار قطنی پر ایک کام حافظ عراقی نے رجال سنن الدارقطنی کے نام سے کیا ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی المتوفی ۱۳۲۹ھ نے دار قطنی پر حاشیہ لکھا ہے جو "التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی" کے نام سے کتاب کے ساتھ دو جلدوں میں مطبع الفاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا ہے۔ دوسری بار یہ کتاب بلا حاشیہ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔ اس سنن کے متعلق علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں اور علامہ محمد بن جعفر کتانی نے الرسالۃ المستطرفۃ میں لکھا ہے کہ اس میں ضعیف اور منکر بلکہ موضوع روایات تک موجود ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں[4]۔

دار قطنی۔ راء مفتوحہ قاف مضمومہ اور طاء ساکنہ کے ساتھ۔ دار القطن کی طرف نسبت ہے۔ جو بغداد کا ایک بہت بڑا محلہ ہے۔ آپ نے بغداد ہی میں وفات پائی اور مشہور فقیہ ابو حامد اسفرائینی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ باب حرب میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دفن ہیں[5]۔

---

[1] بہت جگہ کتابوں میں اس کے حوالے نظر سے گذرے ہیں مثلاً تخریج احادیث الاحیاء للعراقی ج ۲ ص ۱۷۳، [2] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۷۸، [3] شرح الاحادیث الاربعین للاکرمانی ص ۴۴، [4] نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵۹ بنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص ۱۲۸ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۳۰ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۶، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳۱، شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۱۶، بستان المحدثین ذیل تذکرۃ الحفاظ لابن فہد ص ۲۲۳

حافظ ابو نعیم الاصبہانی

پیدائش ۳۳۶ھ وفات ۴۳۰ھ

احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحٰق بن موسیٰ بن مہران المہرانی الاصبہانی ان کے اساتذہ کی تعداد بہت ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ دنیا بھر کے مشائخ نے انہیں اجازت دی آپ کے اساتذہ میں ابوالقاسم الطبرانی، ابو بکر الآجری، ابوعلی بن الصواف، ابوبکر الجعابی، ابوالشیخ ابن حیان وغیرہم ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ انہیں ایسے اکابر حفاظ سے ملاقات یسر ہوئی جو کسی اور حافظ کو نہیں ہوئی اور اتنے لوگوں کی بیک وقت اجازت اور اتنے کثیر اور اہم لوگوں سے سماع بھی دنیا میں کسی کو نہیں نصیب ہوا۔ مؤرخ ابن العماد لکھتے ہیں کہ فنِ حدیث میں تبحر اور قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ علوِ اسناد کے لحاظ سے بھی آپ دنیا بھر میں منفرد تھے[۱]۔

احمد بن محمد بن مردویہ کہتے ہیں کہ ابونعیم کے زمانے میں دور دراز ملکوں میں کوئی ان جیسا حافظ نہیں تھا۔ دنیا سمٹ سمٹ کر ان کے پاس آئی تھی۔ بسا اوقات دوپہر کو کھانا کھانے کے لیے جاتے وقت شاگردوں کا ہجوم اتنا ہوتا تھا کہ راستہ میں بھی ایک دو جزء پڑھ کر انہیں سنایا جاتا تھا۔ ان کی غذا ہی سوائے سننے سنانے اور تصنیف و تالیف کے کچھ اور نہیں رہ گئی تھی۔

حافظ ابونعیم نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں سے چند اہم کتابیں یہ ہیں حلیۃ الاولیاء، معرفۃ الصحابۃ، دلائل النبوۃ، المستخرج علی البخاری، المستخرج علی مسلم، تاریخ اصبہان، صفۃ الجنۃ، کتاب الطب[۲]، فضائل الصحابۃ، کتاب المعتقد، عمل الیوم واللیلۃ، الریاضۃ[۳] اور انکے علاوہ چھوٹے چھوٹے بہت سے

---

[۱] شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۴۵۔ [۲] صاحب کشف الظنون ج ۲ ص ۸۵ نے اسکا ذکر الطب النبوی کے نام سے کیا ہے۔ [۳] اس کتاب کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے ج ۲ ص ۱۳۶۔ [۴] علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ ص ۴۵ میں حدیث امرنا ان نکلم الناس الخ کے تحت اسکا حوالہ دیا ہے کشف الظنون میں اس کتاب کا نام کتاب الریاضۃ والادب بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس پر ابو منصور محمد بن الحسام الفقیہ القرشی المتوفی ۳۶۶ھ نے رد بھی لکھا ہے (بقیہ صفحہ ۲۳۲ پر)

رسائل میں علامہ برکوی نے اپنی کتاب الاربعین کے مقدمہ میں ابونعیم کی کتاب الاربعین کا بھی ذکر کیا ہے[1]
صاحب کشف الظنون نے ابونعیم کی ایک تصنیف ریاض المتعلم بھی بیان کی ہے[2]۔ علامہ ابن الجوزی
کی کتاب صفۃ الصفوۃ ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء کی تلخیص ہے ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ کے مقدمہ میں
اسے تفصیل سے لکھا ہے[3]۔ حلیۃ الاولیاء کا دوسرا اختصار محمد بن الحسن الحسینی المتوفی ۸۶۶ھ نے کیا ہے[4]۔
جس کا نام ہے "مجمع الاخبار فی مناقب الاخیار" محمد بن الحسن الحسینی لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس
کا اختصار کیا ہے مگر وہ جامع اور حلیۃ الاولیاء کی خوبیوں کو حاوی نہیں ہے[5]۔

اللہ تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے حافظ ابوبکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ کو انہوں نے صحاح کے علاوہ
دوسری اکثر کتب حدیث کی ایک نئی اور اہم خدمت یہ انجام دی ہے کہ ان کتابوں کی وہ تمام روایات
الگ کتابی شکل میں جمع کر دی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ اس طرز خدمت کا نام محدثین کی اصطلاح
میں "زوائد" کا جمع کرنا ہے۔ پھر ان میں سے اکثر مجموعہائے زوائد کو ایک مستقل کتاب "مجمع الزوائد
ومنبع الفوائد" میں جمع کر دیا ہے جو درحقیقت بہت سی نایاب کتابوں کا بہترین بدل ہے اور پھر
خوبی یہ کہ ہر حدیث کے ساتھ اس کا درجہ اور معیار صحت بھی بیان کر دیا ہے۔ انہی حافظ ہیثمی نے
حلیۃ الاولیاء کے زوائد بھی جمع کئے ہیں[6] اور ایک کتاب میں حلیۃ الاولیاء کی احادیث مرفوعہ جمع کی ہیں
یہ کتاب ابھی مسودے کی شکل ہی میں تھی کہ حافظ ہیثمی کی وفات ہو گئی ان کے بعد ان کے شاگرد
رشید حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے تقریباً ایک چوتھائی حصہ کی تبییض کی[7]۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۱ کا حاشیہ) اس بیان کے لحاظ سے محمد بن الحسام الفقیہ کی وفات کے وقت ابونعیم
کی عمر کل اکتیس سال کی ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابونعیم نے بالکل نوعمری میں یہ کتاب
لکھی ہو گی۔ واللہ علم۔ [1] شرح الاحادیث الاربعین للاقکرمانی ص الاربعین ۳۔ [2] ۔ مقدمۃ صفۃ الصفوۃ
ج ا ص ۲۔ [3] کشف الظنون ج ا ص ۳۰۴۔ [4] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۸۱۔ [5] ذیل التذکرہ للسیوطی
ص ۳۷۰۔ [6] ذیل التذکرہ لابن فہد ص ۲۴۰۔

حلیۃ الاولیاء کی احادیث مرفوعہ کی ایک فہرست بھی کسی صاحب[1] نے تیار کی ہے جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے روایات کے ابتدائی کلمات جمع کرکے حلیۃ الاولیاء کے صفحات وجلد کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے حلیۃ جیسے سمندر میں سے روایات کا تلاش کرنا نہایت آسان ہوگیا ہے۔ اس فہرست کا نام البغیۃ ہے۔

نُعَیم۔ نون کے ضمہ اور عین کے فتحہ کے ساتھ (مصغراً) بروزن عُزیر وعُمیر۔

اَصبہانی۔ ہمزہ پر کسرہ اور فتحہ دونوں پڑھے جاتے ہیں۔ صاد مہملہ ساکن اور بار موحدہ پر فتحہ اور بار کی جگہ فار بھی بولی جاتی ہے۔ یہ لفظ دراصل فارسی کا معرب ہے "سپاہ" بمعنی لشکر اور "ہاں" برائے تبیح کسی زمانے میں اس جگہ شاہان فارسی کی بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس شہر کے آباد کرنے والے سکندر ذوالقرنین بتائے جاتے ہیں[2]۔

حافظ ابوالشیخ ابن حیان الانصاری

پیدائش ۲۷۴ھ وفات ۳۶۹ھ

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری۔ آپ نے تحصیل علم کے لیے موصل حران، حجاز اور عراق وغیرہ کا سفر کیا اور اونچے محدثین سے استفادہ کیا جن میں ابو خلیفۃ الجمحی اور ابو یعلی الموصلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں میں ابو بکر بن مردویہ، ابو سعید المالینی اور ابو نعیم وغیرہ جیسے حفاظ ہیں۔ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ ابوالشیخ ثقہ اور مامون ہیں ابو نعیم کہتے ہیں کہ آپ اونچے علماء میں سے تھے۔ آپ نے فقہ تفسیر اور حدیث میں بہت سی کتابیں

---

[1] یہ کتاب میں نے آج سے تقریباً دس گیارہ سال قبل مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت تبلیغ کے کتب خانے میں دیکھی تھی صفحات سو کے لگ بھگ ہوں گے۔ یہ کتاب مولانا مرحوم کے کتب خانہ میں اب بھی موجود ہوگی لیکن اس وقت کتاب حاصل نہ ہوسکی۔ بنا بریں صرف اسی قدر تعارف پہ اکتفا کرتا ہوں۔

[2] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۶ عن السمعانی رح

لکھی ہیں[1] مثلاً کتاب الثواب[2]، کتاب السنۃ[3]، کتاب[4] العظمۃ، کتاب[5] التوبیخ، تفسیر القرآن[6]، طبقات المحدثین[7]، کتاب الضحایا[8]، کتاب الاذان[9]، کتاب الاحکام[10]۔

قاضی شمس الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ نے "الغایۃ شرح الہدایہ" میں اور ان کے حوالے سے علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ یہ "ابن حبان" صاحب الصحیح نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ یار مثناۃ کے ساتھ ابن حیان ہے[12]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۴۷۔ [2] شذرات الذہب ج ۳ ص ۶۹۔ [3] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۱۔ [4] حاشیہ العلامۃ الکوثری علی ذیل تذکرۃ الحفاظ لابن فہد ص ۳۲۶ بضمن عبارۃ الاعلان بالتوبیخ للسخاوی، الرسالۃ المستطرفۃ ص ۴۳۔ [5] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۸۸۔ [6] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۰۔ [7] ایضاً ج ۱ ص ۲۰۴۔ [8] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۴۳۔ [9] دیکھئے ص ۸۴ کتاب ہذا۔ [10] علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کی شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۷ میں کئی جگہ اور دوسرے علماء کے یہاں بھی اس کے حوالے ملتے ہیں۔ [11] غیث الغمام ص ۱۶ مولانا عبدالحی اللکنوی۔ [12] نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۰۸

نوٹ:۔ ابو الشیخ ابن حیان رح کے نام میں اکثر لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور بجائے "حیان" کے "حبان" لکھ دیتے ہیں اور یہ غلطی اتنی عام ہو گئی ہے کہ اگر یہ نام سو جگہ لکھا ہو گا تو شاید ستر جگہ بار موحدہ کے ساتھ ہوگا۔ اکثر پرانی اور نئی کتابیں اس غلطی سے پُر ہیں۔ الترغیب والترہیب میں جہاں صرف ابو الشیخ آیا ہے اس کو چھوڑ کر پورا نام "ابو الشیخ ابن حیان" پوری کتاب میں جو اکیس جگہ آیا ہے اور میرے ذاتی نسخہ مطبوعہ مصر ۱۳۷۳ھ میں تمام مقامات پر بلا استثناء بار موحدہ کے ساتھ لکھا ہے۔ دوسرے نسخوں میں بھی کہیں بار موحدہ کے ساتھ ہے اور کہیں یار مثناۃ کے ساتھ۔ کشف الظنون میں بھی بعض جگہ بار موحدہ سے اور بعض جگہ یار مثناۃ سے ہے۔ شذرات الذہب میں بھی بار موحدہ سے ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت جگہ یہی دیکھا گیا ہے۔

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ

پیدائش سنہ ھ وفات ۲۳۵ھ

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان الکوفی۔ آپ نے قاضی شریک ابوالاحوص ابن المبارک، ابن عیینۃ اور جریر بن عبدالحمید وغیرہم سے علم حاصل کیا اور ان سے حاصل کرنے والوں میں حافظ ابوزرعہ، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابوبکر بن ابی عاصم، بقی بن مخلد بغوی اور الفریابی وغیرہم ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدوق ہیں۔ ابوزرعۃ الرازی اور الفلاس کہتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر بن ابی شیبۃ سے زیادہ بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ صالح بن محمد کہتے ہیں کہ مذاکرہ کے دوران سب سے زیادہ قوی الحافظ ہم نے ابن ابی شیبۃ کو پایا۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ کتاب کی حسن ترتیب میں ابن ابی شیبۃ بہت عمدہ آدمی ہیں۔ ذہبی نے آپ کو الحافظ عدیم النظیر اور الثبت النحریر کہا ہے[۱]۔ نفطویہ کہتے ہیں کہ جب ابوبکر بن ابی شیبۃ المتوکل کے دور میں بغداد آئے تو ان کی مجلس میں شریک ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ تیس ہزار نفوس کے قریب تھا۔ ان کے حوالے سے بخاری و مسلم وغیرہ نے بہت سی روایات جمع کی ہیں[۲]۔ آپ کی تصانیف میں المسند، المصنف، الاحکام، اور ایک تفسیر ہے[۳]۔ گذشتہ صفحات میں فہرست ماخذ کے ضمن میں ان کی ایک اور تصنیف کتاب الایمان کا ذکر آچکا ہے[۴]۔

علامہ شیخ محمد زاہد کوثری[۵] فرماتے ہیں کہ یہ کتاب "المصنف" مسانید و مراسیل کی جامع اور صحابہ و تابعین کے فتاوی پر حاوی کتاب ہے۔ ایک فقیہ کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ پوری کتاب بارہ جلدوں میں ہے[۶]۔ ابن ابی شیبۃ نے کچھ اوپر ستر برس کی عمر میں ماہ محرم میں وفات پائی[۷]۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸ ۔ [۲] شذرات ج ۲ ص ۸۵ ۔ [۳] تذکرہ ج ۲ ص ۱۸، ۱۹ ۔ [۴] دیکھیے صفحہ ۱۶۴

[۵] حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ لابن فہد ص ۱۰۸ ۔ [۶] شذرات ج ۲ ص ۸۵ سن پیدائش اندازاً ۱۶۰ھ یا اس کے لگ بھگ ہوگا۔

امام ابوالحسن رزین بن معاویۃ العبدری

ابوالحسن رزین[1] بن معاویۃ العبدری الاندلسی السرقسطی۔ آپ نے ایک عرصہ دراز مکہ معظمہ میں گذارا ہے اور وہاں رہ کر ابومکتوم عیسٰی بن ابی ذر الہروی سے صحیح بخاری اور حسین الطبری سے صحیح مسلم روایت کی ہے[2]۔ وفات ایک قول کے مطابق سن پانچ سو پچیس ۵۲۵ ہجری اور دوسرے قول کے مطابق سن پانچ سو پینتیس ۵۳۵ ہجری میں ہوئی۔ مورخ ابن العماد نے محرم ۵۳۵ھ بیان کی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اکمال میں اور انہی کے اتباع میں ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ سن پانچ سو بیس کے بعد وفات ہوئی۔ لیکن زیادہ مشہور سن وفات ۵۳۵ھ ہی ہے۔

" رزین " راء مفتوحہ اور زای مکسور کے ساتھ۔ اور عَبْدَرِی قبیلہ قریش کی ایک شاخ عبدالدار بن قصی کی طرف نسبت ہے[3]۔

آپ نے اپنی کتاب التجرید میں ابن ماجہ کو چھوڑ کر بقیہ پانچ مشہور صحاح کی کتابوں کو اور مؤطا، امام مالک کو جمع کیا ہے۔ اہل علم نے اس کتاب کی بہت قدر کی اس لئے کہ جو حدیثیں ان چھ کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں اور الگ الگ ہر کتاب میں تلاش کرنا پڑتی تھیں اب وہ یکجا مل گئیں۔ البتہ اس میں بعض حدیثیں ایسی بھی ملتی ہیں جو مذکورہ چھ کتابوں میں سے کسی میں

---

[1] ہم نے حواشی میں جہاں کہیں کتابوں کے حوالے درج کیے ہیں ان سب میں ان کا نام رزین ہی درج کیا ہے لیکن محمد عبدالعزیز الخولی کی کتاب "مفتاح السنۃ" ص ۱۱۰ میں احمد بن رزین بن معاویہ لکھا ہے ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔

[2] شذرات الذہب ج ۴ ص ۱۰۶، اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ الملحق باخر المشکوٰۃ ص ۶۲۰۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۳۴۹، خاتمہ جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۱۱ مطبوعہ میرٹھ ۱۳۴۵ھ۔ تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۶۔ [3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۲/۱

نہیں ملتیں لیکن اس کی وجہ سے نہ تو کسی محدث نے علامہ رزین پر کوئی الزام عائد کیا اور نہ کتاب کی احادیث سے انکار کیا بلکہ حافظ زکی الدین المنذری مصنف الترغیب والترہیب اور صاحب مشکوٰۃ وغیرہ نے ایسی روایات کو نقل کیا ہے اور اخیر میں رزین کا حوالہ دے دیا ہے۔ منذری نے تو یہ بھی اہتمام کیا ہے کہ رزین کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ اصل کتابوں میں یہ روایت نہیں ملی مگر رزین کی کتاب میں موجود ہے۔ ان حضرات کے اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل کتابوں میں التجرید کی بعض احادیث کے نہ ملنے سے اس کتاب پر اور اس کے مصنف پر کوئی حرف نہیں آتا۔ علامہ ابن الاثیر الجزری نے جامع الاصول میں رزین کی کتاب کی تعریف کرتے ہوئے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو مجھے اصل کتابوں میں نہیں ملیں اور اس کی وجہ خود ہی لکھتے ہیں کہ لاختلاف النسخ والطرق یعنی سندوں اور نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ایسا ہوا ہے[1]۔

بعض متاخرین نے علامہ رزین پر زبان طعن دراز کی ہے اور بعض نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بالکل کوئی وزن نہیں رکھتے[2]۔

حافظ ابوبکر ابن السنی الدینوری

پیدائش سنہ وفات ۳۶۴ھ

الحافظ الامام ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن ابراہیم بن اسباط الدینوری۔ آپ "ابن السنی" کے نام سے مشہور ہیں۔ امام نسائی کے خاص شاگرد اور ان کی سنن کے خصوصی راوی ہیں۔ ابو خلیفۃ الجمحی، زکریا الساجی، عمر بن ابی غیلان، الباغندی، الزملکانی اور ابو عروبۃ الحرانی وغیرہم سے

---

[1] کشف الظنون ج ا ص ۵۸۳ حرف الجیم۔ [2] مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ نے نے تفصیل سے اس طعن و اعتراض کا جواب دیا ہے جو جمع الفوائد مطبوعہ میرٹھ کے اخیر میں درج ہے طوالت کے خوف سے ہم یہاں اس کے صرف حوالے پر اکتفا کرتے ہیں۔

علم حاصل کیا اور تحصیل علم کے لیے بہت سے اسفار کئے۔ حافظ ذہبی نے الحافظ الامام الثقہ کے القاب سے ان کا ذکر شروع کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ بڑے متدین، نیک اور صدوق تھے۔ آپ کی بہت مشہور و معروف تصنیف عمل الیوم واللیلۃ[1] ہے جو دعوات نبویہ کے موضوع پر بے مثال کتاب ہے جس کے متعلق حافظ منذری فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ان سب سے حتیٰ کہ ابن السنی کے استاد امام نسائی کی کتاب سے بھی عمدہ ہے۔ حافظ منذری نے اس کا اختصار بھی کیا ہے جس کا ذکر منذری کے حالات میں گذر چکا ہے[1]۔ ایک کتاب المجتبیٰ[2] ہے جو سنن نسائی کا اختصار ہے، اور ایک کتاب الطب[2] النبوی ہے۔

صاحب کشف الظنون نے ابن السنیؒ کی ایک کتاب "ریاض المتعلم" بیان کی ہے[2]۔

السُّنِّی۔ سین مہملہ کے ضمہ اور نون مکسورہ کی تشدید کے ساتھ۔ ان کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ان کے صاحب زادے بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب حدیث لکھنے میں مصروف تھے۔ لکھتے لکھتے قلم قلمدان پر رکھا اور دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رخصت ہو گئے یہ واقعہ سن تین سو چونسٹھ کے اواخر کا ہے حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ کچھ اوپر اسی سال کی عمر پائی[3]۔

---

[1] یہ کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے ۱۳۱۵ھ میں اور پھر ۱۳۵۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ [2] کشف الظنون جلد ۱ ص ۵۹۰۔ [3] تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۲، شذرات ج ۳ ص ۴۷، کشف الظنون ج ۲ ص ۸۸ و ص ۱۳۶ الاکمال لصاحب المشکوۃ الملحق بآخر المشکوۃ ص ۶۲۸۔

اصطلاحاتِ حدیث

حدیث :- جمہور محدثین کے نزدیک حدیث نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور آپ کی "تقریر" کا۔ اور تقریر کا مطلب فنِ حدیث کی اصطلاح میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا یا کوئی بات کہی گئی اور آپ نے جانتے بوجھتے اس پر سکوت اختیار فرمالیا۔

اثر :- صحابہ کرام کے اقوال وافعال۔ اس کی جمع آثار آتی ہے۔

کبھی کبھی حدیث اور اثر ایک دوسرے کے لئے بھی استعمال ہوجاتے ہیں۔ بالخصوص قدماء محدثین کے یہاں تو کثرت سے حدیث کی جگہ اثر اور اثر کے لئے حدیث کا لفظ ملتا ہے۔

مرفوع :- جس حدیث کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک بلا انقطاع پہنچتا ہو۔

موقوف :- جس قول فعل یا "تقریر" کی نسبت کسی صحابی کی طرف ہو۔

مقطوع :- جس کا سلسلہ کسی تابعی پر جاکر ختم ہوجائے۔

متن :- حدیث کی عبارت یعنی فرمان نبوی علاوہ سند کے۔

سند :- حدیث کے راویوں اور نقل کرنے والوں کا سلسلہ

متصل :- جس حدیث کی سند کے درمیان سے کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

منقطع :- جس حدیث کی سند میں سے کوئی راوی چھوٹا ہوا ہو اور یہ فعل "انقطاع" کہلاتا ہے۔

معلق :- منقطع ہی کی ایک قسم ہے یعنی جس کی سند کے شروع میں سے کوئی راوی چھوٹا ہو خواہ ایک یا ایک سے زائد یا پوری سند بھی حذف کردی جائے اور اس طرح چھوڑ دینے کو تعلیق کہتے ہیں۔

مُرسَل:۔ جس حدیث کی سند میں تابعی اور رسول اللہ صلی اللہ کے درمیان صحابی کا ذکر نہ ہو۔ اور اس فعل کو ارسال کہتے ہیں مثلاً کوئی تابعی کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا" تو کہا جائے کہ فلاں تابعی نے ارسال کیا۔

مُعضَل:۔ جس کی سند میں مسلسل دو یا زیادہ راوی غائب ہوں۔

خبرِ متواتر:۔ جس کے بیان کرنے والے ہر زمانے میں اتنی بڑی تعداد میں ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عادۃً ناممکن ہو۔

خبرِ واحد:۔ جس کے راویوں کی تعداد حدِ تواتر کو نہ پہنچتی ہو۔ حدیث کی اکثر قسمیں اسی کے تحت آتی ہیں۔

صحیح:۔ وہ حدیث جس میں مندرجہ ذیل امور پائے جائیں۔

- اس کی سند متصل ہو۔ • راوی عادل یعنی عادات واخلاق کے لحاظ سے قابل اعتماد ہو۔
- بات کو پوری طرح محفوظ کرنے والا ہو۔ • نہ شاذ ہو۔ • اور نہ معلل ہو۔ اگر یہ تمام صفات

کسی حدیث کی سند میں بدرجۂ کمال وتمام موجود ہوں تو وہ "صحیح لذاتہٖ" کہلاتی ہے اور اگر کچھ کمی ہو لیکن وہ کمی دوسرے طرق سے دور ہو جاتی ہو تو ایسی روایت کو "صحیح لغیرہٖ" کہتے ہیں۔

حسن:۔ جس میں صحیح کی تمام شرطیں پائی جائیں صرف راوی کے حافظہ میں کچھ ہلکاپن ہو۔

ضعیف:۔ جس میں صحیح کی تمام یا کچھ شرطیں مفقود ہوں اور اگر مختلف سندوں سے یہ کمی پوری ہو جائے اور ضعف کا کسی درجہ میں اندمال ہو جائے تو وہ حدیث "حسن لغیرہٖ" کہلاتی ہے۔

غریب:۔ وہ حدیثِ صحیح جس کا راوی کسی دور میں ایک ہی رہ گیا ہو۔

عزیز:۔ وہ حدیثِ صحیح جس کے راوی کسی بھی دور میں دو سے کم نہ ہوئے ہوں۔

مشہور:۔ وہ حدیثِ صحیح جس کے راوی ہر دور میں تین یا اس سے زائد ہی رہے ہوں۔

شاذ:۔ جس میں کوئی ثقہ "راوی" اپنے سے قوی تر اور اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرے

مردود:۔ شاذ کے بیان میں مذکورہ راوی اگر خود ثقہ نہیں ہے تو اس کی روایت مردود کہلائے گی

محفوظ :۔ اور اگر یہ راوی ثقہ ہے تو اسباب ترجیح تلاش کئے جائیں گے مثلاً کثرت طرق یا قوتِ حفظ وغیرہ پھر جس روایت کو ترجیح ہو جائے گی وہ محفوظ کہلائے گی۔

مُنکَر :۔ دو ضعیف راوی حدیث بیان کریں اور دونوں ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہوں تو ان میں سے جو زیادہ ضعیف ہوگا اس کی روایت منکر کہلائے گی۔

معروف :۔ اور دوسرا راوی جو کم ضعیف ہے س کی روایت معروف کہلائے گی۔

مُعَلَّل :۔ جس کی سند میں کوئی ایسا دقیق اور مخفی نقص ہو جس پر متنبہ ہونا ہر محدث کے بھی بس کا نہ ہو مثلاً کسی موصول میں ارسال کا مرفوع میں وقف کا بھانپ لینا۔ اور یہ بہت اونچے درجہ کے ماہرین حدیث کا کام ہے۔

موضوع :۔ وہ حدیث جس کے کسی راوی کے متعلق کبھی بھی کسی حدیث نبوی میں جھوٹ بولنا ثابت ہوا ہو۔ خواہ یہ اس کے اپنے اقرار سے ہو یا دوسرے قرائن سے۔ ایسے شخص کی روایت ہمیشہ ہمیش کے لئے غیر معتبر ہو جاتی ہے خواہ وہ اس جھوٹ سے توبہ ہی کیوں نہ کرلے۔ ہم گذشتہ صفحات میں اس کو کسی قدر تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

صحابی :۔ وہ خوش نصیب انسان جسے حالتِ ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہو اور زندگی کے آخری سانس تک وہ ایمان پر ہی باقی رہا ہو۔

تابعی :۔ وہ شخص جو حالتِ ایمان میں کسی صحابی سے ملا ہو اور حالتِ ایمان ہی میں دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

تبع تابعین :۔ وہ شخص جس کی کسی تابعی سے حالتِ ایمان میں ملاقات ہوئی ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

نیت کی پاکیزگی اور اس کی اصلاح و نگہداشت

کام کوئی بھی ہو، اچھا ہو یا برا۔ کام کی نیت اور ارادہ ہمیشہ اس کام سے پہلے ہوتا ہے اس لئے نیت کے بگاڑ سدھار کی بحث عمل کے بگاڑ سدھار سے ظاہر ہے کہ پہلے ہونی چاہیئے ـــــ چنانچہ یہاں سب سے پہلے نیت کی اصلاح سے متعلق ارشادات نبویہ ذکر کئے جا رہے ہیں۔

نیت کی پاکیزگی اور اخلاصِ نیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انجام دینے لگے، اس کے بعد ذرا سی اور جد وجہد اور کوشش کی جائے تو اس سے آگے کا ایک یہ مقام بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ مباحات تک میں کوئی نہ کوئی نیتِ خیر پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اگر یہ مقامِ بلند نہ بھی حاصل ہو سکے تو اتنا تو ہر شخص پر فرض ہے کہ جو اعمال خالص عبادت ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکر و تلاوت وغیرہ۔ ان کے کرنے میں سوائے رضاء الٰہی کے اور کچھ مقصود نہ ہو، قرآن کریم میں اور احادیث نبویہ میں اخلاص پر بہت زور دیا گیا ہے اور مختلف عنوانات سے بار بار اس کی تلقین کی گئی ہے، ارشادِ ربانی ہے:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ۔ (سورہ بینہ)

اور انھیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ محض اللہ کی عبادت کریں اس طور پر کہ بندگی کو اسی کے ساتھ مخصوص کرنے والے ہوں اور (باطل سے ہٹ کر) پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہوں۔

احادیث نبویہ میں اعمال صالحہ کا بیان کرتے ہوئے کہیں لفظ فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) سے اور کہیں لفظ لِلّٰہ (اللہ کے لئے) سے اخلاص ہی کی طرف رہبری کی گئی ہے۔

اخلاص ہر عملِ صالح میں لازمی چیز ہے اور اس کو تباہ کرنے والی چیز دنیا کی محبت ہے، مال کا لالچ، شہرت اور نام نمود کی حرص، لوگوں کو معتقد و مداح بنانے اور ان کی رائے اپنے بارے میں بہتر کرنے کی خواہش، یہ چیزیں انسان کو اخلاص سے ہٹا کر ریا کاری اور نام آوری کے جذبات پہ ڈال دیتی ہیں۔ ان چیزوں سے نظر ہٹا کر محض رضاء الٰہی کو مقصود بنا لیا جائے۔ یہی اخلاص ہے جو ہر عمل صالح کی روح اور اصل جوہر ہے۔

اللہ کے یہاں صرف وہ عمل مقبول ہے جو محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا جائے، عمل صالح کے نتیجہ میں انسان کی صلاح و نیکی کا اگر ڈنکا بجنا ہے تو وہ بہرحال بج کر رہے گا، اگر لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت و سربلندی مقدر ہو چکی ہے تو وہ ہو کر رہے گی، لوگ اسے نیک عمل کرتے دیکھیں گے تو خود ہی اسے نیک سمجھیں گے، پھر نیت میں اس کو شامل کر کے کیوں آدمی اپنا عمل برباد کرے۔ ذیل کی روایات میں اسی دکھاوے اور نام نمود کے جذبے کی مذمت کی گئی ہے۔

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیۃ وفی روایۃ بالنیات وانما لکل امرئٍ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (رواہ البخاری ومسلم)

(۱) امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال (کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی) کا تعلق صرف نیتوں سے ہے، اور ہر شخص کو وہی کچھ ملنے والا ہے جس کی اس نے نیت کی ہوگی، لہٰذا جس کی ہجرت (اس کی اپنی نیت کے لحاظ سے) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو (اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی) اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے، اور جس کی ہجرت (خود اس کی نیت میں) دنیا کے حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہے تو (اللہ کے

نزدیک بھی) اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

(بخاری مسلم)

(تشریح) یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے یعنی بڑے بڑے اہم مسائل اور ایمانیات کی بنیادی چیزیں چند جملوں میں بیان کر دی گئی ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ حدیث آدھا دین[1] بلکہ پورے دین کی روح ہے۔ اس لئے کہ بلا اخلاص ایمان اور عمل سب کچھ ناقابل قبول ہے۔ عمل اگر خالص اسلامی طریقے کے مطابق ہے اور نیت بھی رضاء الٰہی کی ہے تو ایسا عمل جاندار اور موجب اجر و ثواب ہے اور اگر عمل اس نیت سے خالی محض لوگوں کے دکھاوے یا کسی اور دنیوی غرض کے لئے کیا گیا ہے تو وہ عمل بے جان ہے۔ اس پر کچھ اجر نہ ملے گا بلکہ یہ عمل باعث وبال عذاب ہوگا۔

اس کے بعد مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال کے طور پر ایک عظیم عبادت اور بہترین اطاعت یعنی ہجرت کا ذکر فرمایا کہ ہجرت اگرچہ افضل ترین اعمال میں سے ہے لیکن اگر ہجرت کے ذریعہ رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو وہ بھی موجب اجر و ثواب نہیں۔

ابتداء اسلام میں جب دشمنانِ اسلام کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں کے باعث مکہ میں رہتے ہوئے اسلام کے تقاضوں پر عمل کرنا از حد دشوار ہو گیا تو تمام مسلمانوں پر شرعاً یہ بات لازم کر دی گئی کہ وہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے جائیں۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی اس وقت بہت سے مسلمان تو مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور جو باقی تھے وہ بھی تیاری میں تھے۔ اسی دوران معجم طبرانی کی روایت کے مطابق ایک صاحب نے ایک عورت (ام قیس نامی) کو نکاح کا پیام بھیجا جو انہوں نے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "اگر مکہ چھوڑ کر مدینہ چلنا منظور ہے تو پیغام منظور ہے ورنہ نہیں"۔ چنانچہ وہ صاحب تیار ہو گئے۔ اور

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۰ و ص ۳۸ (مطبوعہ مصر)

مدینہ پہنچ کر نکاح ہو گیا۔ اس حدیث میں ضمنی طور پر اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

عبادات میں بہت سی عبادتیں اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے ایک ہوتی ہیں لیکن انھیں نیتوں کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے فرض اور نفل صرف نیت ہی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بلکہ عبادت اور غیر عبادت میں فرق صرف نیت ہی سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے اتفاق سے صبح سے شام تک نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا مگر روزہ رکھنے کی بھی نیت نہ تھی تو روزہ نہیں ہوگا۔ نیت نام ہے دل کے ارادے کا۔ صرف زبان سے کہہ لینے کا نام نیت نہیں ہے۔

یہاں ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ گناہ کسی بھی طرح نیت کے ہیر پھیر سے طاعت نہیں بن سکتا۔ بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہوئے نادانی یا نفس و شیطان کے فریب سے یہ سمجھے رہتے ہیں کہ چونکہ ہماری نیت اچھی ہے۔ اس لئے یہ گناہ نہیں مثلاً بعض لوگ رشوت کھاتے ہیں اور اولاد کی پرورش یا بیوی کے نان و نفقہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی نیت کر کے اسے جائز سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ شریعت نے مالِ مطلق سے اہل و عیال کا نفقہ واجب نہیں کیا ہے بلکہ حلال مال سے حقوق کی ادائیگی لازم کی ہے۔

(۲) وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صُوَرکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ (رواہ مسلم و ابن ماجۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ تو صرف تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے (مسلم، ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری مقبولیت اور محبوبیت کا دارو مدار

۱؎ رواہ الطبرانی عن ابن مسعود بسند رجالہ ثقات ــــ مرقاۃ ج ۱ ص ۴۳

تمہاری شکل وصورت یا اعمال کے ظاہری ڈھانچہ پر نہیں۔ اس کی نگاہ تو دل پر ہے۔ انسانی رائیں تو اپنے متعلق بہتر بنا سکتے ہو مگر معاملہ تو دراصل اس علیم وخبیر سے ہے جو دل کی گہرائیوں میں نہایت دبیز پردوں کے پیچھے بھی پوری طرح دیکھتا ہے۔ انسانی رائے چاہے بنی رہے یا بگڑ جائے مگر عمل کی کامیابی یہ ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کے قابل ہو ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

(۳) وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انہ قال حین بعث الی الیمن یا رسول اللہ اوصنی قال اخلص دینك یکفك العمل القلیل۔

(رواہ الحاکم فی المستدرک وابن ابی الدنیا فی کتاب الاخلاص)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں یمن کے لئے روانہ ہونے لگا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اپنے دین کو خالص رکھنا اس طرح تمہیں تھوڑا سا عمل بھی کافی ہو گا" (حاکم۔ ابن ابی الدنیا)

(تشریح) "دین[1]" نام ہے شریعت الٰہی کے جملہ احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا۔ یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک آدھ عمل میں اخلاص کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ پوری شریعت کے ساتھ جو ہمارا جذبۂ طاعت و فرماں برداری ہے اسی کو تمام گندگیوں سے پاک کر کے حضرت حق جل مجدہٗ کے لئے مخصوص کر لیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم یہ کر لو تو پھر تھوڑا سا عمل بھی بہت ہے۔

مثال کے طور پر غذا اگر عمدہ اور خالص ہو تو تھوڑی بھی بدن کے لئے بہت نفع بخش ہوتی ہے لیکن اگر اس کا اصل جوہر نکال لیا گیا ہو تو پھر اس کی بہت سی مقدار بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اخلاص پورے دین اور اس کے تمام اعمال کی روح اور اس کا جوہر ہے

[1] الدین کالملۃ لکنہ یقال اعتبارا بالطاعۃ والانقیاد للشریعۃ۔ (مفردات امام راغب اصفہانی)

جو عمل اس سے خالی ہے وہ بے جان ہے روح کی غذا کا سامان اس میں نہیں ہے۔

(۴) وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الدنیا علی الاخلاص للہ وحدہٗ لا شریک لہ واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ فارقھا واللہ عنہ راض۔

(رواہ ابن ماجۃ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ خدائے وحدہ لا شریک کے لئے مخلص تھا اور (اپنی زندگی میں) نماز پر قائم رہا اور (اگر صاحب مال تھا تو) زکوٰۃ دیتا رہا تو یہ شخص دنیا سے اس حال میں جدا ہوا کہ اللہ اس سے راضی تھا۔ (ابن ماجہ۔ حاکم)

(تشریح) یہاں اخلاص سے خالص اور بے داغ توحید مراد ہے، یعنی دنیا سے وہ ایسے حال میں رخصت ہوا کہ نہ تو اس کی توحید میں ذرہ برابر کوئی نقص تھا اور نہ احکام و فرائض اسلام میں کوئی کوتاہی تھی ــ گویا عقیدہ اور عمل دونوں درست تھے۔

(۵) وعن مُصْعَبِ بن سعدٍ عن ابیہ رضی اللہ عنہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما ینصر اللہ ھذہ الامۃ بضعیفھا بدعوتھم و صلوٰتھم و اخلاصھم۔ (رواہ النسائی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بار یہ خیال گذرا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دوسرے ساتھیوں سے بہتر ہوں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا) تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد کمزوروں ہی کی وجہ سے کرتا ہے۔ ان

کی دعاؤں، نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔ (نسائی)

(تشریح) جس طرح ایک مریض کسی اپنے ہمدرد معالج کے سامنے اپنے تمام ڈھکے چھپے حالات رکھ دیتا ہے حتیٰ کہ اخلاقی کمزوریاں تک سنا دیتا ہے اسی طرح ایک سمجھ دار طالب حق اپنے معالج روحانی کے سامنے اپنے اندرونی تمام حالات حتیٰ کہ دل میں وقتاً فوقتاً گذرنے والے خطرات تک کو سامنے رکھ دیتا ہے تاکہ اس کا علاج معلوم کرے ـــــ اور یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ انبیاء کرام کے مقدس گروہ کے علاوہ کوئی انسانی ہستی ایسی نہیں جو معصوم ہو اور ناپسندیدہ خیالات تک سے ماورا رہو۔ یہ الگ بات ہے کہ خدائے قدوس اپنے محبوب بندوں کو ناپسندیدہ افعال سے محفوظ کر لیتا ہے لیکن بشریت کی بنا پر کچھ ایسے خیالات ضرور گذرتے ہیں جو ان کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔

صحابہ کرام بھی اس بشری خاصیت سے خالی نہ تھے اور ان کے دل میں بعض دفعہ ایسی باتیں آجاتی تھیں کہ خود انکے قول کے مطابق ماینبغالظم لحن ناان یتکلم بہٖ[1] (ہمارے لیے ان باتوں کا زبان پر لانا بھی ازحد دشوار ہے)۔

ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ہم جو کچھ بھی نیک اعمال کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت لیکن کسی نہ کسی سے وہ ضرور کم بھی ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی سے زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال پیدا ہو جاتا کچھ بعید نہیں ہے کہ عمل کے لحاظ سے میں اپنے سے کم عمل والے لوگوں سے بہتر ہوں[2] ـــ چنانچہ یہی خیال حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دل میں گذرا اور انہوں نے بے تکلف مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا آپؐ نے اس خدشہ کا حل بیان فرمایا کہ آدمی یہ نہ دیکھے کہ ظاہر میں کون بہتر ہے بلکہ خدا کے نزدیک معاملہ تو عمل کی خوبی یا خامی پر ہے اور یہ کسی کو بھی یقینی طور پر معلوم نہیں ہے کہ کس کا عمل قابل قبول

---

[1] رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ فی حدیث ـــ [2] مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت خوب فرمایا ہے کہ عمل کی زیادتی سے "اکمل" تو ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ "افضل" بھی ہو۔

ہے بلکہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کی نظروں سے گرے ہوتے ہیں اور سوائے خدا کے ان کا کوئی اور سہارا نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ خدا سے وہی لوگ زیادہ لو لگاتے ہوں اور توجہ الی اللہ میں زیادہ یکسوئی اسی قسم کے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں ہی خدا کے نزدیک زیادہ مقرب ہوں ـــــ بہت سے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے لوگ جن کو کوئی دو کوڑی کو نہیں پوچھتا بارگاہ خداوندی میں اس مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (اگر خدا سے وہ کسی بات پر اڑ جائیں تو خدا ان کی بات کو ضرور پورا کر دے گا۔)

رضائے الٰہی کے ساتھ کسی اور چیز کی ملاوٹ

(۶) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارایت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر ماله فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا شیٔ له فاعادھا ثلاث مرار یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا شیٔ له ثم قال ان اللہ عزوجل لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصًا وابتغی وجھهٗ ۔ (رواہ ابوداود والنسائی باسناد جید)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صاحب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو جہاد کرے اور اس کی نیت اجر کی بھی ہو اور شہرت بھی چاہتا ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے (اللہ کے یہاں) کچھ نہیں ملے گا۔ ان صاحب نے یہی سوال تین بار کیا اور ہر مرتبہ آپ یہی جواب دیتے رہے اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو صرف اسی کے لئے کیا گیا ہو۔ اور اس میں صرف اسی کی رضا و خوشنودی

لہ رواہ احمد ومسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ـــــ الجامع الصغیر

مقصود ہو۔ (ابو داود۔ نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر کوئی عمل کیا تو گیا ہے اللہ ہی کی رضا کے لئے لیکن نیت اس میں شہرت و جاہ طلبی کی بھی شامل ہے تو یہ بھی خدا کو گوارا نہیں ہے۔ اسے تو غیر کی شرکت پسند ہی نہیں ہے اور بظاہر یہی مراد ہے اس شعر میں ؎

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

یعنی کوئی صالح عمل کر کے رضاء الٰہی اور خوشنودی مخلوق دونوں طلب کرنا جنون ہے۔ یہ مراد نہیں کہ دنیوی اسباب و وسائل اختیار کرنا خدا طلبی کے خلاف ہے۔

(۷) وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو جیش الکعبۃ فاذا کانوا ببیداء من الارض یخسف باولھم وآخرھم قالت قلت یا رسول اللہ کیف یخسف باولھم وآخرھم وفیھم اسواقھم ومن لیس منھم؟ قال یخسف باولھم وآخرھم ثم یبعثون علی نیاتھم۔
(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کے ارادے سے چلے گا۔ جب وہ لوگ میدان میں جمع ہوں گے تو شروع سے آخیر تک سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ تمام کے تمام کیوں دھنسا دیئے جائیں گے؟ جبکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو خرید و فروخت کی غرض سے ساتھ ہو گئے ہوں گے (جیسا کہ عام طور پر میلوں ٹھیلوں میں ایک کاروباری قسم شریک ہوا کرتی ہے جن کو میلے کے مقاصد سے کوئی سروکار نہیں ہوتا) اور ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو (نیت کے لحاظ سے) حملہ کرنے والوں کے ساتھی نہیں ہوں گے؟ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ (اس وقت تو) شروع سے آخر تک سب ہی دھنسا دیئے جائیں گے پھر (آخرت میں) اپنی اپنی نیتوں کے مطابق حشر ہوگا۔ (بخاری مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں نظام تکوینی کا ایک اہم قانون بیان کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی قوم یا ملک پر خداوند قدوس کی طرف سے کوئی عذاب آتا ہے یا وہ قوم کسی بلا اور وبا میں گرفتار ہوتی ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ چن چن کر صرف بدکاروں ہی کو ہلاک کیا جائے بلکہ اجتماعی آفات و بلیات کی زد میں سب ہی آجاتے ہیں اور بد چلن لوگوں کے ساتھ نیک چلن لوگ بھی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن قیامت کے روز جب عالم برزخ سے منتقل ہو کر میدان حشر میں پہونچیں گے تو ہر شخص کا اس کی نیت کے مطابق حشر ہوگا بدکار اور گنہگار ایک طرف ہوں گے اور نکوکار و فرمانبردار علیحدہ ہوں گے۔ اعلان ہوگا۔

اور اے مجرمو! آج (اہل ایمان سے) الگ ہو جاؤ۔	وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ۔ (سورہ یسین ۵۹)

دنیا میں جو سب شریک مصیبت ہوتے ہیں اس میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر صرف بدکار ہی مصائب کا شکار ہوا کریں اور نیک لوگ چھنٹ چھنٹ کر محفوظ رہ جایا کریں تو طاعت و معصیت کا رخ دنیاوی راحتوں کے حاصل کرنے اور مصیبتوں سے بچنے کی طرف ہو جائے اور ایمان بالغیب کی وجہ سے جو نیک اعمال کئے جاتے ہیں وہ نہ ہوں۔

(۸) وعن انس بن مالك رضی الله عنه قال رجعنا من غزوة تبوك مع النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان اقواما خلفنا بالمدینة ما سلکنا شعبا ولا وادیا الا وهم معنا حبسهم العذر۔

(رواه البخاری)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں ہمارے پیچھے

رہ گئے ہیں (جسمانی طور پر وہ ہم سے دور رہے لیکن اپنی نیک نیتی اور شوق کی وجہ سے اجر و ثواب میں وہ ہمارے شریک ہیں) راستہ کا جو بھی نشیب و فراز ہم نے طے کیا اس تمام سفر میں وہ ہمارے ساتھ رہے (یہ حضرات غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے) لیکن عذر نے انہیں روک دیا۔ (بخاری)

(تشریح) پیچھے حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف دلوں کو دیکھتا ہے۔ تو ان حضرات کے دلوں میں چونکہ پوری طرح یہ لگن تھی کہ کاش کسی صورت سے ہم بھی جہاد میں شریک ہو سکتے۔ مگر حالات نے بالکل مجبور کر دیا تھا اس لئے ان کے دلی جذبے کی قدر کرتے ہوئے خدائے علیم و خبیر نے انہیں بھی غازیوں میں شمار کر دیا۔

(۹) وعن ابی کبشۃ الانماری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ھذہ الامۃ کمثل اربعۃ نفر۔ رجل آتاہ اللہ مالاً وعلماً فھو یعمل بعلمہ فی مالہ ینفقہ فی حقہ ورجل آتاہ اللہ علماً ولم یوتہ مالاً وھو یقول لو کان لی مثل ھذا عملت فیہ بمثل الذی یعمل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھما فی الاجر سواء ورجل آتاہ اللہ مالاً ولم یوتہ علماً فھو یخبط فی مالہ ینفقہ فی غیر حقہ ورجل لم یوتہ اللہ علماً ولا مالاً وھو یقول لو کان لی مثل ھذا عملت فیہ مثل الذی یعمل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھما فی الوزر سواء۔

رواہ الترمذی فی اثناء حدیث وصححہ واحمد وابن ماجہ واللفظ لہ واخرجہ ابو عوانہ فی صحیحہ وھو من زیاداتہ علی مسلم(۱)

(۱) انتخاب الترغیب للحافظ ابن حجر العسقلانی رح طبع مالیگاؤں۔ ناسک ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء

حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی مثال ان چار شخصوں کی سی ہے جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا ہے اور علم سے بھی نوازا ہے اور وہ اپنے علم کی روشنی میں مال کو صحیح جگہوں پر خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے علم تو نصیب فرمایا ہے مگر اس کے پاس مال نہیں ہے اور وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح (نیک کاموں میں) خرچ کرتا جیسے یہ (پہلا شخص) کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دونوں شخص اجر میں بالکل برابر ہیں۔

تیسرا وہ شخص ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے مال تو دیا ہے مگر علم سے محروم ہے اور وہ اپنے مال کو برباد کرتا اور غلط جگہوں پر خرچ کرتا ہے۔ چوتھا شخص وہ ہے جسے نہ مال ہی ملا اور نہ علم ہی نصیب ہوا اور وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو جس طرح یہ شخص (عیاشیاں کرتا اور مزے اڑاتا ہے اور جیسے چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے میں بھی کیا کرتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دونوں شخص گناہ میں برابر ہیں۔ (ترمذی۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ ابوعوانہ)

(تشریح) اس حدیث شریف میں جن چار آدمیوں کا ذکر ہے یہ دراصل انسانوں کی چار قسموں کی تمثیل ہے اور ان میں سے ذکر خاص طور پر یہاں دوسری اور چوتھی قسم کا مقصود ہے کہ دوسری قسم کے لوگوں نے اگرچہ مال کچھ نہیں خرچ کیا لیکن اجر و ثواب میں اس قسم کے ساتھ ہیں جس نے لاکھوں روپے راہ خدا میں لٹائے ہیں اسی طرح چوتھی قسم نے اگرچہ مال کی قسم کی کوئی بدعملی نہیں کی لیکن پھر بھی وہ ان بدعملوں میں شمار ہے جو خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کی حکم عدولیوں میں خرچ کرتے ہیں ــــــ اور یہ محض اس وجہ سے ہوا کہ ان میں سے دوسرے کی نیت اچھی تھی اور چوتھے کی نیت خراب تھی۔ یہی مفہوم ہے انما الاعمال بالنیات کا

کہ مؤمن بغیر کچھ کئے بھی بسا اوقات صرف نیت کی ہی اصلاح سے بہت کچھ پالیتا ہے۔ اگلی حدیث سے اس مضمون پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

(۱۰) وعن ابن عباسؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال فیما یروی عن ربه عزوجل ان اللّٰه کتب الحسناتِ والسیئاتِ ثم بین ذٰلك فمن همّ بحسنة فلم یعملها کتبها اللّٰه عنده حسنةً کاملةً فان همّ بها فعملها کتبها اللّٰه عنده عشرة حسنات الیٰ سبعمائة ضعف الیٰ اضعاف کثیرةٍ ــــ ومن هم بسیئة فلم یعملها کتبها اللّٰه عنده حسنة کاملة وان هو همّ بها فعملها کتبها اللّٰه سیئة واحدة۔

وفی روایة کتبها اللّٰه سیئة او محاها ولا یهلك علی اللّٰه الا هالك۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں ایک فیصلہ لکھ دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر کسی وجہ سے اُسے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو کر گذرا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ دس نیکیوں سے سات سو تک بلکہ اس سے بھی بہت آگے تک لکھ دیں گے ــــ اور جو کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اللہ کے خوف سے اس کے کرنے سے (بالقصد) باز آجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک

نیکی لکھ دیں گے۔ اور اگر ارادہ کے بعد اس نے وہ گناہ کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے نام پر صرف ایک ہی گناہ لکھے گا (اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ وہ گناہ لکھا ہی رہ جائے بلکہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے یا محض اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ) اس گناہ کو بھی مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی اس قدر عنایات اور مہربانیوں کے باوجود) پھر اگر کوئی تباہ ہوتا ہے تو وہ وہی ہوتا ہے جو (اپنی انتہائی سرکشی اور حد درجہ خدا فراموشی کے باعث) اپنی تباہی کی خود ہی ٹھان چکا ہو۔ (بخاری۔ مسلم)

(تشریح) خدا کے اوپر اس طرح کا کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی کہ ہم نے تیرا کام کیا اور تو ہماری اجرت دے۔ وہ اعمال صالح پر جو کچھ دیتا ہے محض اپنے فضل و کرم سے دیتا ہے۔ اگر وہ کچھ بھی نہ دے تب بھی اسے اختیار ہے اور وہ اپنے اس فعل میں حق بجانب ہوگا۔ ہمارے بے حقیقت اعمال اس کے ایک معمولی احسان کے ہزارویں حصے کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے۔ اس لحاظ سے گویا خداوند کریم کے احسانات کا ہمارے اوپر ایک بار ہے۔

اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ نیکی ایک کریں اور ثواب دس گنا اور یہ ترقی کا کم از کم درجہ ہے ورنہ پانچ سو اور سات سو اور سات لاکھ تک بھی بڑھتا ہے مسند احمد میں تو حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ گنا تک بڑھایا جاتا ہے[1] اور اس پر مزید یہ کہ واللّٰہ یُضاعِفُ لِمَن یشاء (اور جس کے لئے چاہتا ہے اور بھی زیادہ کر دیتا ہے) اور پھر یہ کس قدر کرم کی انتہا ہے کہ گناہ کرنے پر صرف ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اسے بھی ہزار بہانوں سے مٹانے کو تیار ہے۔ توبہ استغفار سے تو معاف کر ہی دیتا ہے۔ کوئی اگر نیکیاں کرے تو ان نیکیوں

---

[1] جامع العلوم والحکم ص ۲۵۵ للحافظ ابن رجب

کے ذریعہ بھی معاف کر دیتا ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ سورہ ہود آیت ۱۱۵)۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس قدر بے پایاں نوازشوں کے باوجود جو شخص خدا کی رحمت کا مستحق نہ بن سکے سمجھ لو کہ وہ کتنا بدنصیب ہے۔ گویا کہ نیکیاں کرنا تو درکنار نیکیوں کا خیال اور ارادہ تک کبھی نہیں کرتا ورنہ صرف ارادے پر بھی نواز دیا جاتا ہے

ہم تو مائل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

(نوٹ) ترجمے میں "اور جو کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اس کے کرنے سے باز آجائے" کے اندر ہم نے "بالقصد" کا اضافہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کوئی گناہ کرنا چاہتا تھا مگر اتفاقی طور پر اسباب مہیا نہ ہو سکے تو اس صورت میں اسے کوئی اجر نہ ملے گا اور یہی مطلب ہے ان روایات کا جن میں گناہ کا ارادہ اور گناہ نہ کرنے پر کچھ نہ لکھا جانا بتایا گیا ہے[1]۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس ترک معصیت میں اس کی کوشش کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور جب گناہ کا چھوڑنا بالارادہ ہو گا تو چونکہ وہ ایک نفسانی خواہش کا قربان کرنا ہے لہٰذا اس پر اجر یقیناً ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

اخلاص کی برکت سے تین جانوں کی نجات کا عجیب و غریب قصہ

(۱۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انطلق ثلاثة نفر ممن کان قبلکم حتی اواهم المبیت الی غار۔ وفی روایة اذ اصابهم مطر فأووا الی غار ــــ فدخلوا فانحدرت صخرة من الجبل فسدت علیهم الغار فقالوا انه لا ینجیکم من

[1] بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ (الترغیب)

هذه الصخرة الا ان تدعوا الله بصالح اعمالكم فقال رجل منهم: اللّٰهم كان لى ابوان شيخان كبيران وكنت لا اغبق قبلهما اهلا ولا مالا فنأى بي طلب شجر يوما فلم اَرُح عليهما حتى ناما فحلبت لهما غبوقهما فوجدتهما نائمين فكرهت ان اَغْبُقَ قبلهما اهلا او مالا، فلبثْتُ والقدح على يدى انتظر استيقاظهما حتى برق الفجر ـــــ زاد بعض الرواة والصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمِيْ فاستيقظا فشربا غبوقهما، اللّٰهم ان كنتُ فعلت ذلك ابتغاءَ وجهك ففرِّج عنّا ما نحن فيه من هذه الصخرة فانفرجت شيئا لا يستطيعون الخروج منها۔ قال النبى صلى الله عليه وسلم قال الآخر اللّٰهم كانت لى ابنةُ عم كانت اَحَبَّ الناس اليَّ فاردتها عن نفسها فامتنعت منى حتى اَلَمَّتْ بها سَنَةٌ مِن السِّنينَ فجاءتنى فاعطيتها عشرين ومائة دينار على ان تُخَلِّيَ بيني وبين نفسها ففعلت حتى اذا قدرت عليها قالت لا يحل لك ان تَفُضَّ الخاتَمَ الا بحقه فتحرَّجْتُ من الوقوع عليها فانصرفتُ عنها وهى اَحَبُّ الناس اليَّ وتركت الذهب الذى اَعطيتُها اللّٰهم ان كنت فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرُج عنّا ما نحن فيه فانفرجت الصخرة غير انهم لا يستطيعون الخروج منها۔ قال النبى صلى الله عليه وسلم وقال الثالث اللّٰهم انى اِستاجرت اُجَرَاءَ واعطيتهم اجرهم غير رجل واحد ترك الذى له وذهب فثمَّرْتُ

أَجْرَهُ حتى كثرت منه الاموالُ فجاءني بعد حين فقال لي يا عبدَ الله اَدِّ اِلَيَّ اجري فقلت كلُّ ما ترى من اجرك من الابلِ والبقرِ والغنمِ والرقيق، فقال لي يا عبد الله لا تستهزئ بي فقلت اني لا استهزئُ بِك فاخذه كله فاقه فلم يترك منه شيئًا اللهم ان كنت فعلت ذالك ابتغاء وجهك فافرج عنا ما نحن فيه فانفرجت الصخرة فخرجوا يمشون۔

(رواه البخاري ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تم سے پہلی کسی امت کا واقعہ ہے کہ تین آدمی چلے جارہے تھے چلتے چلتے رات ہوگئی اور وہ رات کاٹنے کی غرض سے (اور ایک روایت کے مطابق بارش کی وجہ سے) ایک غار میں گھس گئے اوپر پہاڑ پر سے ایک چٹان لڑھک کر آئی اور ان کے غار کا منہ بند کردیا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اب اس چٹان سے نجات پانے کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ ہم اپنے بہتر سے بہتر عمل کے وسیلے سے خدا سے دعا کریں۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

(۱) اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میں شام کو آکر نہ خود ان سے پہلے دودھ پیتا تھا اور نہ بیوی بچوں کو دیتا تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ درختوں (یعنی بکریوں کے چارے) کی تلاش میں بں دور نکل گیا اور آتے آتے اتنی دیر ہوگئی کہ وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے حسب معمول دودھ

دوہا اور جب انہیں سوتے ہوئے پایا تو نہ تو مجھے یہی گوارا ہوا کہ (انہیں سوتے سے جگاؤں[1] اور نہ مجھے یہ اچھا لگا کہ) ان سے پہلے بیوی بچوں کو پلادوں پس اسی حال میں میں پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا (اور بچے میرے پیروں میں پڑے بلکتے رہتے[2]) اور میں (رات بھر) ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی صبح کو وہ اٹھے اور انہوں نے وہ دودھ پیا۔ پس اے خدا! اگر میں نے یہ کام صرف تجھے خوش کرنے کے لئے کیا تھا (اور تو جانتا ہے کہ سوائے اس کے میرا اور کوئی مقصد نہیں تھا) تو ہمیں اس چٹان کی مصیبت سے نجات عطا فرما۔ پس وہ چٹان تھوڑی سی سرکی لیکن نکلنے کے لئے کافی نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (ان تین میں سے) دوسرا بولا۔ اے اللہ! ایک میرے چچا کی لڑکی تھی جو مجھے دنیا بھر سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تیار نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر (مجبور ہو کر) وہ میرے پاس (روپیے لینے آئی) میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس اشرفیاں دیں کہ وہ مجھے تنہائی میں اپنے سے ملنے کا موقع دے گی۔ وہ غریب مجبوراً تیار ہوگئی چنانچہ جب میں (اس کے پاس گیا اور تنہائی میں) وہ پوری طرح میرے قابو میں آگئی (اور ظاہری رکاوٹ کوئی باقی نہ رہی) تو اس نے (خدا کا خوف دلاتے ہوئے) مجھ سے کہا کہ کسی کی مہر کو ناحق توڑنا اچھا نہیں۔ پس میں (اتنا سنتے ہی) اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور چلا آیا حالانکہ وہ اب بھی مجھے دنیا بھر سے زیادہ عزیز تھی۔ اور میں نے وہ سونا بھی جو دیا تھا اسی کے پاس چھوڑ دیا۔ اے خدا! اگر میں نے یہ کام محض تجھے خوش کرنے کے لئے کیا تھا تو ہماری مشکل کو دور فرما۔ وہ چٹان فوراً تھوڑی سی اور ہٹ گئی لیکن نکلنے کے قابل اب بھی نہ ہوئی۔ نبی کریم

[1] [2] اس روایت میں تو نہیں لیکن ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تیسرے نے کہا۔ اے اللہ! میں نے کچھ مزدور رکھے تھے اور (کام ہونے کے بعد) سب کی مزدوری بھی ان کے حوالہ کر دی لیکن ان میں سے ایک شخص اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا میں نے اس کے پیسوں کو (کاروبار میں لگاکر) خوب بڑھایا حتیٰ کہ اس سے بہت سا مال ہو گیا کچھ دن بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے بندے! میری مزدوری دیدے۔ میں نے کہا یہ جو کچھ اونٹ، گائیں۔ بکریاں اور غلام تجھے نظر آرہے ہیں۔ یہ سب تیری مزدوری ہے اس نے کہا اے بندۂ خدا! مجھ سے مذاق نہ کر میں نے کہا کہ میں تم سے مذاق بالکل نہیں کر رہا ہوں بس یہ سنا تھا کہ وہ تمام (ریوڑ کا ریوڑ) ہانک کر لے گیا۔ اور کچھ بھی نہ چھوڑا۔ پس اے خدا اگر میں نے یہ کام تجھے خوش کرنے کے لئے کیا تھا تو ہماری اس مشکل کو دور کر دے، بس وہ چٹان ہٹی اور وہ لوگ نکل کر چلے گئے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مذکورہ بالا تینوں اعمال کو گہری نظر سے دیکھئے ہر ایک اپنی جگہ کسقدر بلند عمل ہے اور رضائے الٰہی کے مقابلے میں نفسانی خواہش کو قربان کرنے کی کتنی بلند مثال ہے ایک شخص سارے دن کا تھکا ہارا رات کو گھر آئے یقیناً اسے بھوک بھی لگی ہوگی آرام کا بھی شدید تقاضہ ہوگا لیکن وہ نیک بندہ پوری رات ماں باپ کے سرہانے کھڑا اس حال میں کاٹ دیتا ہے کہ معصوم بچے اس کے قدموں میں پڑے بھوک کے مارے بلک رہے ہیں اسی طرح ایک نوجوان آدمی کسی لڑکی پر دل و جان سے فدا ہو اور سالہا سال کی کوششوں کے بعد ایک قیمتی موقع اپنی امنگیں پوری کرنے کا ہاتھ آجائے اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے اس وقت میں ایک شخص صرف خدا کے خوف سے اس بدعملی سے باز آجائے آپ ذرا سوچئے کہ اس شخص کے دل میں کیا کوئی معمولی خوفِ خدا ہوگا؟ اور کیا کوئی معمولی ایمان والا ایسے وقت میں نفس و شیطان کا مقابلہ کرسکتا ہے؟ اسی طرح ایک اجنبی

پردیسی کی مزدوری اور وہ بھی ایک عرصہ کے بعد جبکہ نہ کوئی گواہی نہ پرچہ نہ کوئی اور ثبوت اور نہ ہی اس کے پاس وصول کرنے کی کوئی طاقت ایسے میں صرف مزدوری دیدینا ہی کون سا معمولی کام تھا چہ جائے کہ اس کا سیکڑوں گنا خوشی سے اس کے حوالے کر دینا۔ یہ کام کوئی معمولی دیندار نہیں کر سکتا ـــــ ان اعمال کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے بارگاہ خداوندی میں انہیں بطور وسیلہ پیش کرنے کی جرأت کی۔

اس حدیث شریف سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی عمل کے بارے میں یہ اندازہ رکھتا ہو کہ یہ میری زندگی کے چند گنے چنے نیک اعمال میں سے ہے تو اس کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ سے دعا مانگ سکتا ہے۔

نام و نمود اور دکھاوے کی مذمّت

(۲۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول الناس یقضی یوم القیامۃ علیہ رجل اُستُشْھِدَ فاتی بہ فعَرَّفہ نعمتہ فعَرَفھا قال فما عملت فیھا؟ قال قاتلت فیک حتے اُستشھِدْ تُّ قال کذبت ولکنک قاتلت لان یقال جرئٌ فقد قیل ثم امر بہ فسُحِب علی وجھہ حتی القی فی النار ورجلٌ تعَلَّمَ العلم وعلَّمہٗ و قرأ القرآن فاتی بہ فعرّفہ نعمہ فعرفھا قال فما عملت فیھا؟ قال تعلمت العلم وعَلَّمْتُہٗ وقرأت فیک القرآن قال کذبت ولکنک تعلمت العلم لیقال انک عالم وقرأت القرآن لیقال ھو قارئ فقد قیل ثم امر بہ فسحب علی وجھہ

حتے القی فی النار، ورجل وسّع اللّٰہ علیہ واعطاہ من اصناف المال کلہ فاتی بہ فعرّفہ نِعَمَہٗ فعرفھا قال فما عملت فیھا؟ قال ما ترکت من سبیل تُحِبّ ان ینفق فیھا الّا انفقت فیھا لك قال کذبت ولکنك فعلت لیقال ھو جوادٌ فقد قیل ثم امر بہ فسحب بہ علی وجھہ ثم القی فی النار۔

(رواہ مسلم والنسائی والترمذی وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت میں سب سے پہلے جس شخص کے دوزخ میں ڈالے جانے کا فیصلہ عدالت خداوندی سے سنایا جائے گا وہ ایک ایسا شخص ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید ہوا ہوگا۔ یہ شخص پیش ہوگا۔ خدا تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا کیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے انہیں استعمال کیا) وہ کہے گا میں نے زندگی کے ہر ہر مرحلہ پر تیری مرضی کو پیش نظر رکھا حتیٰ کہ) میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو جہاد میں صرف اس لئے شرکت کی تھی کہ لوگوں میں تیری بہادری کے چرچے ہوں۔ چنانچہ (تیرا مقصد پورا ہو چکا) اور تیرے چرچے ہو چکے۔ پھر حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا ـــــ اور ایک وہ شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور اسی کی لوگوں کو تعلیم دی ہوگی اور قرآن مجید کا بھی پڑھنے والا ہوگا۔ وہ بھی خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں گنوائے گا وہ سب نعمتوں کا اقرار کرے گا اللہ تعالیٰ پوچھے گا بتا تو نے میری ان نعمتوں کو کس کام میں

استعمال کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری ہی رضا کے لئے قرآن کریم پڑھتا رہا اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو غلط کہتا ہے تو نے تو علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ قاری قرآن کہا کریں۔ سو تیرے عالم اور قاری ہونے کے چرچے دنیا میں ہو چکے (تیرا مقصد جو تھا وہ حاصل ہو چکا) اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور اسے بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔۔۔ اور (جہنم میں جانے والی اسی پہلی کھیپ میں) ایک وہ شخص ہوگا جس کو خدا تعالیٰ نے خوب دولت بخشی ہوگی اور ہر طرح کا مال عطا کیا ہوگا۔ وہ بھی خدا کی جناب میں پیش کیا جائے گا اور اس کو بھی خدائے کریم اپنی نعمتیں یاد دلائے گا (کہ میں نے تجھے ان ان نعمتوں سے نوازا تھا) وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ عرض کرے گا اے مولیٰ! میں نے کوئی ایک راہ بھی ایسی نہیں چھوڑی جہاں پر مال کا خرچ کرنا تجھے پسند ہو اور میں نے وہاں نہ خرچ کیا ہو اور یہ صرف تجھے خوش کرنے کے لئے کیا۔ خدا فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے (تو نے میری رضا کے لئے نہیں کیا) یہ سب تو تو نے اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہت سخی مخیر اور بڑا فیاض کہیں چنانچہ (تیرا مقصد حاصل ہو چکا) اور تیری فیاضی کے چرچے ہو چکے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے بھی (یہی) حکم ہوگا اور اسے بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ صحیح ابن حبان)

(تشریح) خدا کی پناہ! جو جتنا اونچا چڑھتا ہے وہ اگر پھسل جائے تو چوٹ بھی دوسرں سے زیادہ ہی کھاتا ہے اور اگر کامیاب ہو جائے تو دوسرے اس کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اسی وجہ سے جو جتنی بلند منزل پر ہے اسے اتنا ہی زیادہ سنبھل کر رہنے اور بہت

پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی حدیث کی بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا ابوہریرۃ ایسے تین آدمی ہوں گے جن سے ابتداءً جہنم کی آگ سلگائی جائے گی ــــ اس حدیث کے ایک راوی عقبہ بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب اس حدیث کے بیان کرنے کا ارادہ کیا تو میدان حشر کے تصور سے اُن کی ہچکیاں بندھ گئیں اور غشی طاری ہوگئی پھر جب افاقہ ہوا اور دوبارہ بیان کرنے کا ارادہ کیا تو پھر یہی کیفیت طاری ہوتی۔ اسی طرح تین بار ہوا۔ یہی حدیث جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنی تو فرمایا کہ جب ان تین شخصوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا تو پھر باقی لوگوں کا کیا ٹھکانا ہے؟ اور یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ برا حال ہوگیا اور دیکھنے والوں کو ان کی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔

اس حدیث میں جن تین عملوں کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اسلام میں ان تینوں اعمال کا درجہ بہت بلند ہے اور سیکڑوں حدیثوں میں ان اعمال کی مختلف قسم کی فضیلتیں اور انعامات بیان کئے گئے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ اعمال ہیں بھی بہت ہی بلند۔ لیکن یہی اعمال جو شخص نیت کی خرابی کے ساتھ کرتا ہے تو دوسرے بڑے بڑے گنہگاروں سے بھی پہلے جہنم میں پھینکا جاتا ہے اور سب سے زیادہ خدائی قہر کا مستحق بنتا ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

اگر بلا ارادہ لوگوں میں شہرت ہو جائے تو؟

(۱۳) عن ابی ذرؓ رضی اللہ عنہ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمدہ الناس علیہ۔ وفی روایۃ ویحبہ الناس علیہ قال تلک عاجل بشری المومن۔

(رواہ مسلم[1])

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۴۵۴

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کوئی نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس شخص کی اس نیکی کی وجہ سے تعریف کرتے ہیں ۔۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ۔۔ اس نیکی کی وجہ سے لوگ اس شخص سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ (یعنی کیا اس شخص کا عمل بھی برباد ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو (اس شخص کو آخرت میں ملنے والے انعامات کی) پیشگی خوشخبری ہے۔ (مسلم)

(تشریح) نام و نمود اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار ارشادات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ بہت سہم گئے تھے اور اپنے اعمال کو زیادہ سے زیادہ خالص اور شائبہ ریا سے بہت زیادہ پاک رکھنے کی کوشش کرتے تھے چونکہ مذکورہ بالا قسم کی حدیثوں سے شبہ ہوتا تھا کہ جس عمل پر دنیا ہی میں لوگ تعریف کرنے لگیں اور عمل کرنے والے کی نیکی کا چرچا ہو جائے اس کا بدلہ آخرت میں نہیں ملے گا۔ اس لئے سوال کیا گیا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اس شخص کی نیت خالص ہے اور اس کے ارادہ کے بغیر لوگ اس کی نیکی اور تقویٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی علامت اور خوش خبری ہے کہ آخرت میں بھی اس عمل پر بہت کچھ انعامات ملنے والے ہیں۔

اور اگر ایک شخص لوگوں میں ایسا مقام رکھتا ہے کہ لوگ جو کچھ اسے کرتا دیکھیں گے خود بھی کرنے لگیں گے تو ایسے شخص کو لوگوں کو دکھا کر نیک اعمال کرنے میں اجر و ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ یہ عملی تعلیم ہے بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی پیش نظر ہوتا تھا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دل جذبۂ ریا سے بالکل پاک ہو ورنہ دوسروں کی فکر میں کہیں خود اپنی عاقبت تباہ نہ ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک شبہ اور اس کا جواب

(۱۴) وعن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ بینا انا فی بیتی فی مصلای

اذ دخل علیّ رجل فاعجبنی الحال التی رآنی علیها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمك اللہ یا ابا ھریرۃ لك اجران اجرالسر واجر العلانیۃ ۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی)[1]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا ایک شخص گھر میں داخل ہوا (اور اس نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا) مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ مجھے اس نے ایسے (اچھے) حال میں دیکھا (اس کے متعلق کیا ارشاد ہے) آپ نے فرمایا ابوہریرہ! اللہ تم پر رحم کرے، تم کو تو دوہرا اجر ملا۔ تنہائی میں نیکی کرنے کا بھی اور لوگوں کے سامنے نیک عمل کرنے کا بھی۔ (ترمذی)

(تشریح) حضرت ابوہریرہ تنہا نماز پڑھ رہے تھے ظاہر ہے کہ اس وقت کسی کو دکھانے کی نیت ہوہی نہیں سکتی اب اتفاق سے کوئی شخص آگیا اور اس نے آپ کو نماز میں مشغول پایا تو یہ ایک طبعی چیز ہے کہ آدمی اپنے دوست احباب اور دوسرے لوگوں کے سامنے کسی گھٹیا اور گری ہوئی حالت میں آنا پسند نہیں کیا کرتا۔ لہٰذا یہ خوشی طبعی اور فطری ہے جو اخلاص کے منافی نہیں۔ ہاں اخلاص کے منافی یہ بات ہوگی کہ آدمی عمل کے اندر کسی کو دکھانے کی غرض شامل رکھے یا عمل کے دوران کوئی شخص دیکھ لے تو ذرا بہتر طریقہ سے کرنے لگے جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ہے۔

چھپا ہوا شرک

(۱۵) عن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ایھا الناس ایاکم وشرك السرائر قالوا یارسول اللہ

---

[1] ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ روایت کے یہ الفاظ شرح السنۃ کے ہیں اور ترمذی کے یہاں یہی مفہوم دوسرے الفاظ میں ہے۔ مرقاۃ ج ۵ صفحہ ۲۱

وماشرك السرائر قال يقوم الرجل فيصلي فيزين صلوته لما يرى من نظر الناس اليه فذلك شرك السرائر۔

(رواه ابن خزيمة في صحيحه)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ لوگو! پوشیدہ شرک سے بچو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ پوشیدہ شرک کسے کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ پوشیدہ شرک یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کی نظریں اپنی طرف اٹھی دیکھ کر نماز کو بہترین بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ)

(تشریح) گذشتہ حدیث میں کسی کے دیکھنے پر خوشی پیدا ہونے کو معیوب نہیں قرار دیا گیا تھا اور یہاں لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے جو نماز میں مزید خوبی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو اسکو معیوب اور ایک قسم کا شرک قرار دیا گیا ہے۔ فرق دونوں میں ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں دوسرے کے دیکھنے کی وجہ سے صرف دل میں خوشی ہوئی اور اس حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے نماز کو بہتر بنایا گیا ہے ـــــ اس طرح پہلی روایت کا مضمون طبرانی اور ابن حبان وغیرہ کی اس روایت کے مطابق ہوا۔

اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مؤمن۔	جب تجھے اپنی نیکیاں پسند ہوں اور بدعملیوں سے نفرت ہونے لگے تو سمجھ لے کر تو مؤمن ہے۔
(رواه احمد وابن حبان والطبراني والحاكم والبيهقي في شعب الايمان عن ابي امامة رض)	

چھوٹا شرک (۲) عن محمود بن لبيد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا وما الشرک الاصغر یا رسول اللہ؟ قال الریاء یقول اللہ عزوجل اذا جزی الناس باعمالھم اذھبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظروا ھل تجدون عندھم جزاءً۔

(رواہ احمد باسناد جید وقال الہیثمی[1] رجالہ رجال الصحیح وابن ابی الدنیا والبیہقی فی الزہد وغیرہ)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ خوف تمہارے متعلق شرک اصغر (چھوٹے شرک) کا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شرک اصغر کسے کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا ریاکاری کو! اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے چکے گا تو ریاکاروں سے کہے گا کہ جاؤ انہی لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھا دکھا کر تم عمل کیا کرتے تھے۔ پھر دیکھو کہ ان کے پاس عمل کا کوئی بدلہ ہے؟ (احمد، ابن ابی الدنیا، بیہقی)

(تشریح) شرک اکبر تو ہے ایمان وعقیدے میں خدا کے ساتھ کسی غیر کو خدا تعالیٰ کے اختیارات کے اندر شریک ماننا اور شرک اصغر یہ ہے کہ عقیدہ میں تو توحید ہے اور خدائی میں اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہے لیکن عمل میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو خوش کرنے وغیرہ کی نیت بھی شامل ہے ــــ خدا کو راضی کرنے کی نیت چونکہ ہر عمل کی جان ہے اور وہی جب خالص نہ رہی اور غیر خدا کی خوشنودی اسمیں شامل ہوگئی تو ایسا عمل بے جان اور خدا کی نظر میں بالکل ناقابل توجہ ہو جاتا ہے۔

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو تنبیہ

(۱۷) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین، یلبسون للناس

---

[1] مجمع الزوائد ج۔۱۔ ص۔۱۰۲۔

جلود الضان من اللین۔ السنتھم احلیٰ من العسل وقلوبھم قلوب الذئاب یقول اللّٰہ عزوجل أبی یغترون ام علیّ یجترؤن ؟ نبی حلفت لابعثن علی اولئک منھم فتنۃ تدع الحلیم حیران۔

(رواہ الترمذی ورواہ مختصرا من حدیث ابن عمر وقال حدیث حسن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخری زمانے میں کچھ ایسے (بدباطن) لوگ پیدا ہوں گے جو دنیا کو دین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کریں گے۔ لوگوں کے سامنے وہ نہایت سکنت، سادگی اور بھولے پن کے حلیہ میں نمودار ہوں گے۔ زبانیں توان کی شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (انہی بدبختوں کے بارے میں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ لوگ (اپنی نادانی کی وجہ سے) میرے (ڈھیل دینے) سے دھوکہ کھارہے ہیں۔ یا (دیدہ ودانستہ) میرے سامنے ڈھٹائی دکھارہے ہیں۔ مجھے اپنی ذات پاک کی قسم! میں انہی میں سے اُن (شریروں) کے مقابلہ میں ایک ایسا فتنہ کھڑا کردوں گا جوان کے عقلمند اور اہل تدبر لوگوں کو بھی حیران پریشان کرکے چھوڑ دے گا۔

(تشریح) ریاکاری کی برائی تو گذشتہ احادیث سے معلوم ہو ہی چکی ہے اس حدیث میں ریاکاری کی ایک خاص قسم کا بیان ہے کہ آدمی اندر سے تو کورا دنیادار اور نفس پرست ہو مگر عابدوں زاہدوں کی سی صورت بناکر انہی کی سی باتیں بنا بناکر بھولے بھالے مسلمانوں کو پھانسے اور اپنی دنیا ایسے طریقے پر بنالے کہ لوگ یہی سمجھتے رہیں اس نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اس طرح یہ شخص خدا کے سادہ لوح بندوں کو جال میں پھانس کران سے دنیا کماتا ہے اور لوگ اسے دیندار، متقی اور پرہیزگار سمجھتے رہتے ہیں۔

دینداروں کے جس طبقے میں بھی یہ مرض پیدا ہوگا اور جس تحریک و تنظیم میں بھی اخلاص کی کمی اور مفاد پرستی اور دین کے ذریعہ دنیا کمانے کا رجحان پیدا ہو جائے گا۔ خدائے قدوس قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں ایسے لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک ایسا فتنہ کھڑا کر دوں گا کہ ان کے اچھے اچھے سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی حیران و پریشان ہو کر رہ جائیں گے اور سلجھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی آج آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتے جائیے اور اس حدیث کی صداقت و حقانیت کی داد دیتے جائیے۔

کتاب اللہ اور اُسوۂ رسولؐ کی پیروی کی فضیلت

اور ان دو بنیادوں کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی راہ پر چل پڑنے کی مذمت

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قرآن کریم صرف ایک علمی کتاب نہیں جس کا مقصد صرف علمی طور پر اس کو سمجھ لینا اور عمل کر لینا ہو بلکہ وہ دنیائے انسانیت کے لیے دستورِ زندگی ہے جسے زندگی کے ایک ایک شعبہ میں نافذ کرنا ہے۔ اس لئے رسول کی تعلیم کے بعد ایک اور ضرورت بھی باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے اس کا عملی نقشہ دنیوی علوم و فنون کا بھی عموماً یہی حال ہے کہ بغیر عملی مشق کے یا تو وہ سمجھ ہی میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں آ بھی جائیں تو اس وقت تک عمل میں نہیں لائے جا سکتے۔ جب تک کہ ان کا عملی نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ جیسے مختلف قسم کے سائنسی تجربات ہیں کہ بغیر عملی مشاہدے اور تجربے کے انہیں محض علمی طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ تو جب ان معمولی انسانی علوم کا یہ حال ہے تو پھر ربانی علوم کی باریکیاں اور نزاکتیں بغیر کسی ربانی معلم کے کیسے سمجھی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کے ساتھ عملی نقشہ دکھانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔	بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے

معلوم ہوا کہ کتاب اللہ ماننا اسوۂ رسول کے ماننے بغیر نامکمل ہے اور اسوۂ رسول کا

تسلیم کرنا کتاب اللہ کو ماننے بغیر بے سود ہے ذیل کی روایات میں دونوں پر ایمان لاکر اپنے ظاہر و باطن کو ان کے حوالے کر دینے کی نفضیلت و اہمیت اور ان سے ہٹ کر خواہشات نفس کی راہوں پر چلنے کی مذمت کا بیان ہے۔

(۱۸) عن العرباض بن سارية رضی الله عنه قال وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون فقلنا يا رسول الله صلى الله كانها موعظة مودع فاوصنا قال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان تامر عليكم عبد وانه من يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل بدعة ضلالة۔

(رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة وابن حبان فی صحیحه وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ سن کر دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو آج (ایسے رعجیب انداز سے) نصیحت کی جیسے کوئی جانے والا (بہت ہی اہتمام سے اپنے لوگوں کو آخری) ہدایات دیا کرتا ہے لہٰذا کچھ اور نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پرہیزگاری کی اور امیر کی بات سننے کی نصیحت کرتا ہوں اگرچہ کوئی غلام (یا معمولی درجہ کا آدمی ہی) تمہارا امیر کیوں نہ بن گیا ہو۔ اور دیکھو تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت سے اختلافات دیکھے گا لیس (میں تم کو تمام غلط راستوں سے بچنے کا ایک ہی اصول بتائے دیتا ہوں کہ) تم میرے طریقے کو اور میرے ہدایت یاب خلفاء (جانشین حضرات) کے

طریقے کو اختیار کرلینا اور اسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ اور دیکھو! دین کے اندر نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا۔ اس لئے کہ دین کے اندر پیدا ہونے والی ہر نئی بات گمراہی ہے۔ (ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان)

(تشریح) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری دور میں اپنی تقریروں کے اندر بہت سی ایسی باتیں بیان فرمائی ہیں جو دین میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں انہیں میں سے آپ کا یہ اہم وعظ بھی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے تقویٰ کی نصیحت فرمائی۔ تقویٰ دراصل وِقَایَۃٌ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی تکلیف دینے والی چیزوں سے محفوظ رکھنا امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ جن چیزوں کا خوف ہے ان سے نفس کو بچایا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا یعنی تقویٰ تو یہاں ہوتا ہے اور سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ دل ہی پورے جسم پر حکمرانی کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ برائیوں سے بچنے اور بھلائیوں کی طرف بڑھنے کے جذبات اگر دل ہی میں نہیں ہوں گے تو اعمال بھی کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وظیفۂ قلب یعنی تقویٰ کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی۔

دوسری اہم نصیحت یہ فرمائی کہ سننے اور ماننے کا جذبہ پیدا کرو۔ آپ ہر طبقہ کی اہم ہستیوں اور مختلف جماعتوں کے ممتاز رہنماؤں کے باہمی اختلافات کی گہری نظر سے جانچ کیجئے اور ان کی تہ تک پہنچئے تو انمیں بہت سے اختلافات ایسے ملیں گے کہ جن کی بنیاد صرف اتنی سی ہوگی کہ لوگ اپنے رہنماؤں کی بات سننا اور ماننا نہیں چاہتے۔ باتیں ہزار پیدا کی جائیں گی اور باہمی نزاع کے اسباب سیکڑوں سامنے آئیں گے لیکن اصل بنیاد یہی جذبہ ہوگا۔ ہو رہا ہوگا سب کچھ اسی کی وجہ سے لیکن منظرِ عام پر چند ایسی معقول وجہیں آئیں گی جن کو ہر شخص تسلیم کرے گا ـــ آدمی میں جس قدر صلاحیتیں ہوتی ہیں عموماً اسی قدر اس میں سننے اور ماننے کا جذبہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ خداوند عالم جس کو اپنی رحمت سے باکمال بھی بنائے اور حق بات کے ماننے کا جذبہ بھی ودیعت

نزدیک تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ انسان اس کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان اس کا شکر ادا بھی کیا کرسکتا ہے۔

لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔	خالق کا حکم توڑ کر کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔

(رواہ احمد والحاکم عن عمران وعن الحکم بن عمرو الغفاری وروی نحوہ الشیخین وابوداؤد والنسائی عن علی)

آدمی کو اپنے بڑے کی بات ماننا اس وقت اور زیادہ دشوار ہوتا ہے جبکہ وہ بڑا کوئی معمولی درجہ کا آدمی ہو لیکن اگر وہ بات صحیح کہتا ہو اور اپنے ماتحتوں کو ٹھیک ٹھیک لے کر چل رہا ہو تو کسی بڑے سے بڑے باکمال کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی خلاف ورزی کرے اور اس کی بات ماننے سے انکار کردے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ایسا کیا ہے کہ نوجوان صحابہ کو ان کی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر بڑے اہم اور اونچے عہدے عطا فرمائے اور ان سے زیادہ عمر والے صحابہ کرام ان کے ماتحت رہے۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ کو جس وقت آپ نے مکہ کا امیر و قاضی بنایا ہے اس وقت ان کی عمر کل بیس سال تھی۔[1] اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جس وقت آپؐ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا ہے اس وقت آپ کی عمر میں اکیس سال بھی نہیں تھی[2] لیکن بڑے بڑے معمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اپنا بڑا تسلیم کیا۔ درحقیقت باکمال وہی شخص ہے جو حق و صداقت کے سامنے جھک جائے اور انانیت کے خالص نفسانی جذبہ پر فتح حاصل کرلے۔

تیسری نصیحت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ پیدا ہونے والے ایک بہت اہم سوال کا جواب دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں جو اختلافات پیدا ہونے والے تھے اور مختلف لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے والے تھے اس انتشار و

---

[1] شرح احیاء العلوم للسید محمد مرتضی الزبیدی ج ۲۔ ص ۳۴۲ [2] ایضاً۔

بے اطمینانی کے زمانے میں طالب حق جائے تو کدھر اور مانے تو کس کی جبکہ ہر شخص اپنے کو حق ثابت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے صالح انسانوں کے لئے ایک بہترین راستہ بتا دیا کہ لوگ دعوے کچھ بھی کریں اور اپنی حقانیت کا کتنا ہی اظہار کریں لیکن تم ان میں ایسے لوگوں کو تلاش کرو جو میرے اور میرے خلفاء کے طریقۂ زندگی کو معیار اور نمونہ بنا کر چلتے ہوں بس جو اس پیمانے پر پورا اترتا ہے۔ وہ اپنے دعوائے حقانیت میں بھی سچا ہے اور جو اسوۂ رسول اور خلفاء راشدین کے طرزِ زندگی سے جتنا ہٹا ہوا ہے۔ اتنا ہی وہ راہِ حق سے پھرا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا طریقہ آپ نے بتا دیا کہ اسکے ذریعہ سے آدمی ہر جماعت اور نظریہ کو جانچ کر اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔

اسی طریقے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ :-

عَضُّوا علیها بالنواجذ۔ | اس کو اپنی ڈاڑھوں کے ذریعہ مضبوطی سے تھامے رہو۔

آدمی کے پاس کسی چیز کو زیادہ سے زیادہ مضبوط پکڑے رہنے کے لئے آخری گرفت دانتوں ہی کی ہوتی ہے اس لئے مقصد یہاں پر یہی ہے کہ ہر ممکن صورت اختیار کر کے میرے طریقہ کو میرے ہدایت یافتہ خلفاء کے طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور اسی پر عمل کرنا۔

آخیر میں آپ نے انتہائی اہم پرہیز یہ بتایا کہ دین کے اندر نئے نئے شوشے نہ پیدا کرنا۔ بدعت اصل لغت کے اعتبار سے ہر نئی چیز کو کہہ سکتے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں بدعت نام ہے اس عقیدے یا عمل کا جو نہ تو دورِ صحابہ و تابعین میں اس کا وجود یا اس کی نظیر کا وجود ملتا ہو اور نہ شرعی دلائل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہو۔[1]

بدعت کا اصل مفہوم سامنے آنے کے بعد ـــــــــ یہ بات واضح ہو گئی ـ کہ بعض ناسمجھ لوگ جو بات بات پر ہر کھانے پینے اور برتنے کی چیز کو بدعت کہہ ڈالتے

---

[1] علامہ جرجانی لکھتے ہیں۔ البدعۃ ہی الامر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابۃ والتابعون ولم یکن مما اقتضاہ الدلیل الشرعی۔ (التعریفات للجرجانی ص ۴۷)

ہیں اور اپنے خیال میں بدعت سے بچنا تقریباً ناممکن قرار دیدیتے یہ بدعت کے مفہوم سے کس قدر ناواقفیت کی بات ہے۔ جو حلال طریقے پر استعمال کی جارہی ہیں اور اسے دین کا تقاضہ یا ثواب کا کام نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ محض ایک ضرورت کی چیز سمجھ کر عمل میں لائی گئی ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی نئی ہو اور خواہ کہیں بھی ایجاد ہوئی ہو اس کا استعمال جائز و مباح ہے اور نہ صرف جائز و مباح بلکہ اگر وہ چیزیں نصرتِ دین اور تکمیلِ مقاصدِ شریعت کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ تو باعث اجر و ثواب ہیں اور وہی چیزیں واجب اور فرض کے درجہ میں بھی آجائیں گی جبکہ ان کے بغیر شرعی مقاصد کی تکمیل نہ ہوتی ہو۔ یہ ریل، موٹر ہوائی جہاز اور تمام جدید سواریاں اور ہر قسم کے نئے نئے ہتھیار اور نو ایجاد مشینیں یہ سب کی سب اگرچہ نئی چیزیں ہیں۔ لیکن ان کو بدعت میں شمار کرنا یا تو پرلے درجے کی نادانی ہے اور یا پھر دین کے ساتھ مذاق ہے۔

(۱۹) وعن ابی شریح الخزاعی قال خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال الیس تشہدون اَنْ لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ؟ قالوا بلیٰ قال ان ھٰذا القرآن طرفہ بید اللّٰہ وطرفہ بایدیکم فتمسکوا بہ فانکم لن تضلوا ولن تھلکوا بعدہ ابداً۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد جید)

حضرت ابو شریح خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ ہم نے عرض کیا ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھو! یہ قرآن (اللہ کی رسی ہے) اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں بس اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ بس اس کو پکڑنے کے بعد نہ تو گمراہ ہوگے اور نہ تباہ و برباد ہوگے۔ (طبرانی فی الکبیر)

(تشریح) کیسی عمدہ مثال ہے کہ جس نے خدا کی رسّی مضبوطی سے پکڑلی وہ خدا کی راہ پر ہے اور جس سے یہ چھوٹ گئی وہ تباہ ہو گیا۔ حدیث شریف کے آخری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر قرآن حکیم کا صحیح اتباع کیا جائے تو یہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تباہی سے حفاظت کرتا ہے۔

(۲۰) وعن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیباً وعمل فی سُنّۃٍ وامن الناس بوائقہٗ دخل الجنۃ قالوا یا رسول اللہ ان ھذا فی امتک الیوم کثیر قال وسیکون فی قوم بعدی۔

(رواہ الترمذی وابن ابی الدنیا والحاکم واللفظ لہ وقال صحیح الاسناد)[1]

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حلال روزی کھائی اور (میری اور میرے اصحاب کی) سنت کے مطابق عمل کیا۔ اور لوگ اس کے شر سے مطمئن رہے وہ (یوں سمجھو کہ) جنت میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بات آج کل تو آپ کی امت میں بہت پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ میرے بعد بھی بہت سے لوگوں میں پائی جائے گی۔ (ترمذی۔ ابن ابی الدنیا۔ حاکم)

(تشریح) کہنے کو تو ہیں یہ صرف تین باتیں لیکن تقریباً پوری ہی زندگی اس میں آگئی ہے۔ جنتی اور خدا کا پسندیدہ بننے کے لئے پہلی چیز تو یہ بیان ہوئی کہ کمائی حلال طریقہ سے ہو اور دوسری چیز یہ کہ زندگی کے تمام اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوں اور تیسری چیز یہ ہے کہ لوگ اس کی طرف سے بے فکر ہوں کہ اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں ایک یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ صرف اتنا کافی نہیں ہے

[1] الترغیب والجامع الصغیر

اس شخص سے لوگوں کو نقصان نہ پہونچتا ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے قول و فعل اور طرز عمل سے یہ ثابت کر دے کہ اس سے لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

صحابہ کرام کے پوچھنے کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ جنت کا پروانہ اگر صرف اتنی سی بات پر مل سکتا ہے تو ایسے تو آج کل الحمد للہ بہت ہیں آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاں یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ خدا کے بندے ایسے ہوتے رہیں گے جن میں یہ خوبیاں موجود ہوں گی۔

(۲۱) وعن عابس بن ربیعۃ قال رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقبّل الحجر (یعنی الاسود) ویقول انی لاعلم انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقبّلک ما قبلتک۔

(رواہ البخاری ومسلم وابوداود والترمذی والنسائی)

عابس بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجر اسود کو چوم رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ (اے حجر اسود!) میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک معمولی پتھر ہے نہ کچھ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی نہ چومتا۔

(بخاری، مسلم۔ ابوداود، ترمذی، نسائی)

(تشریح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے غیر مسلموں کی تو یہ غلط فہمی ختم کر دی کہ مسلمان اس پتھر کو عظمت کی وجہ سے چومتا ہے یا اس سے کچھ نفع نقصان کا تعلق سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ سبق دیدیا کہ مسلمان کی دلی تعظیم اور جبہ سائی کا مستحق سوائے خدا کے اور کوئی نہیں اور یہ چومنا بھی اگر نبی علیہ السلام سے ثابت نہ ہوتا تو جائز نہ ہوتا علاوہ ازیں اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ جہاں چومنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو وہاں جائز نہیں ہے[1]۔

(1) حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر)

(۲۲) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔

(رواہ البیھقی من روایۃ الحسن بن قتیبۃ ورواہ الطبرانی من حدیث ابی ھریرۃ باسناد لاباس بہ الا انہ قال فلہ اجر شہید)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری امت میں بگاڑ آجانے کے دور میں میرے طریقہ پر مضبوطی سے جما رہے گا اسے سنو شہیدوں کا ثواب ملے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے شہید کا ثواب ملے گا۔

(تشریح) غور کیجئے کہ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے ضلالت و گمراہی کو دنیا سے مٹانے کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنا مال و دولت حتی کہ اپنی جان تک اس کے لئے قربان کردے ایسے شخص کو جو اجر و ثواب خداوند کریم عطا فرمائیگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا پھر جس شخص کو ایسے سنو شہیدوں کا اجر و ثواب ملے اس کے مقام و تقرب کا کیا ٹھکانا یہ خوش نصیب شخص وہی عامل بالسنۃ ہی تو ہے جس نے اپنی متاعِ ایمان و عمل کو ایسے وقت میں محفوظ اور بے داغ رکھا جبکہ امت میں بگاڑ آچکا ہو اور عوام و خواص سب اسوۂ رسول سے ہٹتے چلے جارہے ہوں اور ضلالت و گمراہی کی سخت آندھیوں سے ایمان کے چراغ کا بچائے رکھنا سخت مشکل ہورہا ہو۔ ایسے نامساعد حالات میں جو شخص اسوۂ رسول پر جما رہے گا وہ بلاشبہ سنو شہیدوں کے اجر کا مستحق ہوگا۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہاں "سنت" کے لفظ سے کوئی ایک دو مسنون عمل مراد نہیں بلکہ سنت کا لفظ یہاں "اسوۂ رسول" کا مرادف ہے۔ مستدرک حاکم میں آپ

(حاشیہ ۲۷۹ کا) لہ آدمی اپنی بیوی کو بھی چومتا ہے اور اولاد کو بھی لیکن اول تو یہ عظمت کے ساتھ نہیں۔ بیوی کو شہوت کے ساتھ اور اولاد کو شفقت کے ساتھ چومتے ہیں دوسرے یہ دونوں باتیں آپ سے ثابت بھی ہیں اس لئے جائز بلکہ مستحب ہیں۔

کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے

ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی (حاکم عن ابی ہریرۃؓ)	میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑ رہا ہوں کہ ان کو پکڑ لینے کے بعد کبھی تم گمراہ نہ ہوگے۔ کتاب اللہ اور اپنی سنت

یہاں سنت سے سوائے اسوۂ رسول کے کچھ مراد ہی نہیں ہوسکتا۔

اتباع سنّت میں صحابۂ کرام کا مثالی کردار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی امت کے لئے نمونہ تھی جو اس نمونہ کے مطابق جتنا زیادہ پورا اترگیا اتنا ہی زیادہ قرب الٰہی کے مقام میں آگے بڑھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ اتباعِ سنت میں یہاں تک پہنچے ہوئے تھے کہ اگر کبھی کوئی کام آپ سے بلاارادہ بھی صادر ہوگیا تو انہوں نے اس کو بھی زندگی کے آخری سانس تک پکڑے رکھا اور اس میں ذرہ برابر کمی بیشی کو ہرگز گوارا نہ کیا یہاں مثال کے طور پر صرف چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

(۲۳) عن عروۃ بن عبد اللہ بن قشیر قال حدثنی معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال اتیت رسول اللہ علیہ وسلم فی رھط من مزینۃ فبایعناہ وانہ لمطلق الأزرار، قال عروۃ فما رأیت معاویۃ ولا ابنہ قط فی شتاء ولاصیف الا مطلقی الأزرار۔

(رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہٗ)

معاویۃ بن قرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینۃ کے کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے (گریبان کے) بٹن کھلے ہوئے تھے حدیث کے راوی عروۃ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے گرمی ہو یا سردی کبھی معاویہ اور ان کے لڑکے کے بٹن لگے ہوئے نہیں دیکھے۔ (ابن ماجہ و ابن حبان)

(تشریح) ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بٹن کھولے رکھنا کوئی عبادت کے طور پر نہ تھا لیکن یہ صحابۂ کرام کا جذبۂ اتباع تھا کہ ان کی نسل تک نے بٹن لگانا چھوڑ دیئے اس سے اندازہ کیجئے کہ ان حضرات نے جب ایسی چیزوں تک میں اتباع کر کے دکھادیا تو ان فداکاروں نے ان معاملات میں کیا کچھ نہ کیا ہوگا جن میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کا حکم دیا تھا۔

دراصل ضروریاتِ دین اور فرائض و واجبات پر جمے رہنے کی پوری توقع اسی شخص سے کی جاسکتی ہے جو سنن و مستحبات تک کو مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ عبادات کے کامل اتباع کی امید اسی وقت کی جاسکتی ہے جبکہ آپ کی اتفاقی عادات تک کے اتباع کو اپنا معمول بنایا جائے۔ زر و جواہرات کو چور کے ہاتھ سے وہی شخص بچاسکتا ہے جو چور کا سایہ تک اس پر نہ پڑنے دے اور اگر سایہ پڑنے کے مواقع دیئے جائیں گے تو ایک نہ ایک دن چور کا ہاتھ بھی وہاں تک ضرور پہونچ کر رہے گا۔

(۲۴) وعن زيد بن اسلم قال رأيت ابن عمر يصلي محلولا ازرارہ فسالته عن ذلك فقال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله۔

(رواه ابن خزيمه في صحيحه والبيهقي وغيره)

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو گریبان کھلے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ (ابن خزیمہ۔ بیہقی)

(۲۵) وعن مجاهد قال كنا مع ابن عمر رضي الله عنهما في سفر فمر بمكان فحاد عنه فسئل لم فعلت ذلك؟ قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل هذا ففعلتُ۔ (رواه احمد والبزار باسناد جيد)

مجاہد کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھے (ہم نے دیکھا کہ)

آپؓ چلتے ہوئے ایک مقام پر ذرا اٹک کر نکلے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس مقام پر) ایسا ہی کرتے دیکھا تھا اس لئے میں نے بھی کیا۔ (احمد۔ بزار)

(تشریح) سبحان اللہ! اتباعِ رسول کی مثال قائم فرمادی۔ خدا ئے شکور ان پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے۔

(۳۷) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ کان یاتی شجرۃ بین مکۃ والمدینۃ فیقیل تحتہا ویخبر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلک۔ (رواہ البزار باسناد لاباس بہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپؓ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک درخت کے نیچے تشریف لاتے اور آرام فرماتے تھے اور بتلاتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح (اس درخت کے نیچے آرام) فرمایا کرتے تھے (بزار)

(تشریح) ان مذکورہ تمام چیزوں میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم و ضروری نہیں ہے لیکن جن امور میں آپ کا اتباع ضروری ہے ان کے لئے اس میں تقویت کا سامان ضرور ہے اس لئے کہ جو شخص غیر مقصود چیزوں تک میں آپ کے طرز عمل کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنی زندگی میں جاری کرتا ہو اس سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اہم اور مقصود چیزوں میں وہ آپ کے اتباع سے غافل ہوجائے ــــ بس یہ چیزیں جب تک اس علم و اعتقاد کے ساتھ کی جائیں گی نہایت قابل قدر رہیں گی اور اتباعِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے برکات و ثمرات حاصل ہوں گے اور جہاں ترتیب بدلی اور غیر مقصود کو مقصود سے زیادہ اہم اور غیر ضروری کو ضروری سمجھا اور کہا جانے لگا وہیں سے گمراہی شروع ہو جائے گی اور پھر جب اس الجھن کے ساتھ انہی جیسی چیزوں کو کیا جائے گا۔ جو حضرت

ابن عمرؓ سے منقول ہیں اور مقاصد شریعت سے بے توجہی برتتے ہوئے ایسی چیزوں کو اپنایا جائے گا تو بجائے قرب خداوندی کے گمراہی کی ظلمتیں اترنے لگیں گی اور اجر و ثواب کے بجائے یہی لوگ قہر و عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اللھم الھمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا۔

اسوۂ رسولؐ سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ جانے کی مذمت

(۲۷) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے طریقہ (زندگی) سے منہ موڑا وہ میرے (گروہ میں) سے نہیں ہے۔ (مسلم)

(۲۸) و عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے ان (دینی) معاملات میں کوئی ایسی چیز پیدا کی جو اس میں کی نہیں ہے وہ مردود ہے۔ (بخاری مسلم)

(تشریح) جس نے کوئی ایسی نئی چیز پیش کی جو نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ میں ہے نہ الفاظ میں ہے اور نہ وہ کتاب و سنت سے سمجھ میں آتی ہے بلکہ محض ایک دماغی پیداوار ہے تو وہ مردود ہے۔ دین و شریعت میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :-

من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردٌّ۔	جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے وہ مردود ہے۔

"لیس علیہ امرنا" کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کوئی ایسا کام جو صراحۃً تو اصول شریعت سے

نہیں ٹکراتا لیکن امت کا توارث اور شریعت کا مجموعی ڈھانچہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا تو وہ ناجائز ہوگا۔[1]

(۲۹) وعن ابی رافع قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا اَلفِیَنَّ اَحدَکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللّٰہ اتبعناہ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والبیہقی فی دلائل النبوۃ)[2]

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم میں سے کسی کے پاس میرے احکامات پہنچیں خواہ ان میں کسی کام کے کرنے کا حکم ہو یا کسی برائی سے روکا گیا ہو اور وہ شخص اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا (میرے احکام کو سن کر) کہنے لگے "ہم کچھ نہیں جانتے بس ہمیں تو جو کچھ کتاب اللہ میں ملے گا اسی کا اتباع کریں گے"

(احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجۃ، بیہقی)

(تشریح) ایک دوسری روایت میں تقریباً اسی مضمون کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے۔

اَلا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ[3]	دیکھو مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی کچھ ہے۔

احکام شریعت کی پابندیوں سے گھبرانے والے آزاد طبیعت لوگوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ انھوں نے شریعت کو بہت محدود کر دینے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں سب سے پہلا حملہ ان لوگوں کا احادیث رسول پر ہوتا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس ذہن کے لوگوں نے معراج[4]، عذاب قبر اور

---

[1] مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۱۷۸ [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

[3] رواہ ابوداود والترمذی والدارمی وابن ماجۃ عن المقدام بن معدیکرب، مشکوٰۃ المصابیح و شرح ج ا ص ۱۹۵ [4] بعض فلسفی ذہن رکھنے والوں نے معراج کا صرف اتنا ہی حصہ مانا جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ان کے علاوہ حدیث شریف سے ثابت شدہ بہت سے احکام کو ماننے سے انکار کر دیا اور آج بھی بہت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو حدیث سے اپنا دامن چھڑا لینا چاہتے ہیں ــــ اس ذہن کے لوگوں کو آپ ہمیشہ دیکھیں گے کہ قرآن کے اتباع کا خوب چرچا کرتے ہیں لیکن اصلت ان کا مقصد اتباع نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم شریعت کے اصول و کلیات بیان کرتا ہے اور عموماً تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے اس لئے الفاظ و تعبیرات میں بہت کچھ لچک ہوتی ہے اور اس قسم کے لوگوں کے لئے ان الفاظ کو کھینچ تان کر کے اپنی خواہشات کے طابع بنا لینا آسان ہوتا ہے بخلاف احادیث نبویہ کے اس لئے کہ حدیث کلام اللہ کے اجمال کی تفصیل کر دیتی ہے اور حکم قرآن کا عملی نقشہ متعین کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل ع ۶ آیت ۴۴)	اور نازل کیا ہم نے آپ کے پاس ذکر (یعنی کتاب اللہ) تاکہ آپ لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیں وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے

یہاں قرآن کریم کو کھول کھول کر بیان کرنا نزولِ قرآن کے مقاصد میں شمار کیا گیا ہے دوسری آیت میں تلاوتِ کتاب کے علاوہ تعلیم کتاب بھی آپ کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے ایک آیت میں ہے:-

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	رسول جو کچھ تمہیں دے اسے قبول کرو اور جس بات سے روکے اس سے رک جاؤ۔

امت کے اہل حق لوگوں نے کبھی سنت کو قرآن سے الگ کوئی دوسری چیز نہیں سمجھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سنت کتاب اللہ کے اجمال کی تفصیل ہے اسی لئے حدیث کے ہر حکم کی اصل قرآن کریم میں ضرور موجود ہوتی ہے۔ امام شاطبی لکھتے ہیں:۔

ليس فى السنة الا اصله فى القرآن [1]	حدیث میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کی اصل قرآن میں نہ ہو۔

[1] ترجمان السنة ج ۱ ص ۱۱۶

اور حقیقت یہ ہے کہ سنت کو ماننے بغیر کتاب اللہ کے ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں ہے کسی حکم کو تسلیم کرنا اور اس کی عملی شکل کو تسلیم نہ کرنا درحقیقت اس حکم ہی کے انکار کے مرادف ہے، اپنی امت کے صالح لوگوں کو پہلے ہی متنبہ فرمادیا، اس فرمان نبوی کے وقت کون جانتا تھا کہ ایک دور ایسا بھی آسکتا ہے لیکن آج ہم اسی دور سے گذر رہے ہیں۔[1] یا للأسف

(۳۰) وعن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون هواہ تبعا لما جئت بہ

(رواہ البغوی فی المصابیح وشرح السنۃ وابوالقاسم الاصفہانی فی کتاب الحجۃ وصححہ النووی فی اربعینہ ورواہ ابونعیم فی اربعینہ التی التزم فیہا بصحۃ الاخبار والطبرانی وابوبکر بن ابی عاصم الاصفہانی)[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔

(شرح السنۃ، طبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کا کمال اور اس کے انوار و برکات اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ انسان اپنے تمام میلانات اور خواہشات کو پوری طرح ہدایت نبوی کے تابع کردے ــــــ ھوٰی (خواہشات نفس) اور ھدیٰ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے تمام سلسلہ کی بنیاد ہے، قدرت نے یہ دونوں راستے انسان کے سامنے رکھ دئے ہیں وَھدینٰہُ النجدین اور ان دونوں راستوں میں ایک راستہ پر چلنے کا اور دوسرے سے بچنے کا حکم دے دیا ہے، اب ہوئی اور ہدیٰ کے اسی دوراہے پر انسان کا امتحان ہے۔ اتباع ہوا اپنے ہی جذبات کی پیروی کا نام ہے اس لئے اس میں مزہ

---

[1] مقدمہ کتاب میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ــــ وشرح الاربعین النوویۃ لعلی القاری ص ۲۲۸

آتا ہے لیکن اس سے بچنے کی تاکید کر دی گئی ہے اور اتباع ہدیٰ چونکہ جذبات نفس کے خلاف راستہ پر چلنے کا نام ہے اس لئے اس پر چلنا دشوار ہے لیکن حقیقی کامیابی اسی راہ پر چلنے میں ہے اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ (جاثیہ آیت)	پھر ہم نے آپ کو دین کے راستہ (ہدیٰ) پر رکھا ہے آپ اسی پر چلتے رہیئے اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلئے جنھیں کچھ خبر نہیں ہے۔

ھَوٰی اور ھُدٰی دو بالکل متضاد حقیقتیں ہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں مصالحت ہو جائے جو لوگ ہویٰ اور ہدیٰ کے درمیان اتفاق و سازگاری کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

وہ درحقیقت ہویٰ ہی کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

(۳۱) وَعن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا ان من کان قبلکم من اھل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملۃ وان ھذہ الامۃ ستفترق علی ثلاث وسبعین، ثنتان و سبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ (رواہ احمد وابوداؤد) وزاد فی روایۃ وانہ سیخرج فی امتی اقوامٌ تتجاری بھم الاھواء کما یتجاری الکَلَبُ بصاحبہ لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان (وعظ و نصیحت کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگو! تم سے پہلے جو لوگ اہل کتاب گذرے ہیں وہ بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ

امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی (جن میں سے) بہتر فرقے تو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ ایک بڑی جماعت ہو گی۔

اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ میری امت میں آئندہ کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کے اندر نفسانی خواہشات اس طرح رچی ہوئی ہوں گی جیسے پاگل کتے کے کاٹے ہوئے کی ہر ک آدمی کی ایک ایک رگ اور ایک جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے۔ (احمد، ابوداود)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاری جس طرح اصل دین سے غافل ہو کر مختلف ٹولیوں میں بکھر گئے اسی طرح میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو دین کی راہ سے غفلت برت کر الگ الگ اپنی مختلف ٹولیاں بنالیں گے لیکن ان سب میں صحیح اور سیدھی راہ انہی لوگوں کی ہوگی جو کتاب و سنت کے مطابق اجتماعیت کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے۔
یہ تو وہ قسم ہوئی جو نوعِ انسانی میں سب سے بہتر ہوگی اور ایک قسم انسانوں کی وہ بھی ہوگی جن کے رگ و ریشے میں نفسانی خواہشات اور شیطانی اثرات خون کی طرح دوڑ رہے ہوں گے یہ لوگ خدا کی مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے۔

حدیث کا مقام صحت یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے جن کی تعداد پندرہ تک پہونچتی ہے جن میں سے آٹھ صحابہ کرام کی روایات صحیح یا حسن کے درجہ میں آتی ہیں اور بقیہ روایات اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر تعددِ طرق کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا[1]

نجات پانے والے ہدایت یافتہ لوگوں کا طریقہ اور اسلام کا صحیح نقشہ جاننے کے لئے ہمیں کسی فرقہ یا کسی جماعت کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ اسلام کی صحیح شکل دنیا کے سیکڑوں فرقوں میں سے تلاش کی جاسکتی ہے اس کے لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی

[1] ترجمان السنۃ جلد اول ص ۲۱ تا ۲۸ میں اس حدیث کے طرق پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

اور بالکل صاف ستھری راہ بتادی کہ اسلام کا راستہ اور تمام نجات پانے والوں کا راستہ — ہے

جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں	ما انا علیہ واصحابی (ترمذی)

اب یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے کیا اعمال تھے کیا عقائد تھے اور ان کی زندگی کا کیا نصب العین تھا مقصد حیات کیا تھا عبادات و معاملات، تجارت و زراعت حکومت اور سلطنت، مصاحبت اور معاشرت، آداب اور اخلاق غرض زندگی کے ہر ہر شعبے میں کیا طرز تھا یہ سب کتاب وسنت اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے اور دورِ نبوت سے لے کر آج تک اہلِ علم اور اہلِ عمل کی ایک جماعت ایسی موجود رہی ہے جس نے کتاب وسنت کو حرزِ جاں بنایا اور جنابِ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اور آپ کے صحابہ کے طرزِ زندگی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا اسی پر جیئے اور اسی پر مرے۔

حدیث شریف میں سب فرقوں کو چھوڑ کر صرف ایک جماعت کے متعلق فرمادیا کہ نجات پانے والے یہ لوگ ہوں گے۔ بس جو نجات کا طالب ہو وہ کتاب وسنت کو اپنا نصب العین بنالے اور اسی کو حق وباطل کے پرکھنے کا ذریعہ بنائے جو اس کے مطابق ہے وہ حق ہے اور جو اس سے ہٹا ہوا ہے وہ باطل ہے۔

بہتر فرقوں کی حقیقت

فرقۂ ناجیہ اور جماعت حقہ کے متعین ہوجانے کے بعد اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ وہ بہتر فرقے کونسے ہیں جو جہنمی ہیں؟ احادیث میں ان بہتر فرقوں کے نام نہیں بتائے گئے۔ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو تعداد بہتر سے بھی کہیں زیادہ ہوجاتی ہے اور اگر کچھ چھوٹے چھوٹے فرقوں کو نظر انداز کرکے حساب لگایا جائے تو اس تعداد کا پورا کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

ہمارے نزدیک ان فرقوں کی تعیین کی کوشش اندھیرے میں تیر مارنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس سلسلہ میں کوئی تعیین منقول نہیں ہے اور بغیر اس کے محض عقل سے اس کی تعیین ہو نہیں سکتی اس لئے یہ ایک بالکل غیر ضروری کوشش ہے اگر

یہ کوئی دین کا اہم جز رہوتا تو خود ہی آپ اس کی تفصیل بیان فرما دیتے۔

اس عدد کا صاف و صریح مصداق متعین کرنے کے سلسلے میں طویل ورق گردانی کے بعد جو بات سب سے زیادہ وزن دار معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ متکلم جب گفتگو کرتا ہے تو اعداد و شمار صرف ایک وقتی استحضار اور ذہنی اعتبار کی ایک بات ہوا کرتی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں ہدایت و ضلالت کا کیا معیار رہا ہوگا اور کس درجہ کی گمراہی کے بعد ایک فرقے کو گمراہ فرقوں کی فہرست میں شامل کیا ہوگا، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے ان تمام فرقوں کے قائدین کے نام اور پتے بتا دئیے تھے جن کے ساتھ تین سو یا اس سے زیادہ کی جماعت ہوگی[1] —— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اعداد و شمار بیان کرتے وقت ضرور کوئی معیار ہوتا ہے جس کا ذکر اتفاق سے یہاں آگیا ہے اور اکثر جگہ نہیں آیا ہے۔

اہل حق کی پہچان

اس حدیث سے ایک بڑی اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ دین کی مکمل تصویر دیکھنے کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا طرز عمل بھی ضرور دیکھنا چاہیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل کتاب و سنت کی وہ عملی شکل ہے کہ اس کے بعد کتاب و سنت کے ظاہر الفاظ سے پیدا ہونے والے اوہام و شبہات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ بس دین کی صحیح تصویر دیکھنی ہو تو اسوۂ رسول اور اس کی شرح اسوۂ صحابہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اہل باطل کی پہچان

اہل باطل کو پہچاننے کا اصولی طریقہ یہ ہے کہ ان کے قول و فعل عقائد و اعمال اور دیگر مسائلِ زندگی کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے اگر اس کے مطابق ہے تو حق ہے اور اگر اس سے ہٹا ہوا ہے تو جس قدر اس سے ہٹا ہوا ہے اسی قدر وہ باطل ہے —— لیکن اس اصولی طریقے کے علاوہ اہل علم نے چند علامات بھی

---

[1] مشکوٰۃ عن ابی داؤد —— مرقاۃ ج ۵ ص ۱۴۲

بتائی ہیں کہ جس فرقے میں یہ پائی جائیں اسے باطل سمجھا جائے۔ مثلاً:۔

(۱) ان کے اندر آپس میں بغض وعناد اور باہم ٹکراؤ ہوتا ہے۔

(۲) وہ لوگ ہمیشہ شریعت کی الجھی ہوئی اور غیر ضروری چیزوں کو لئے پھرتے ہیں۔

(۳) ہر مسئلہ میں بجائے کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ کے ان کے پیش نظر خواہش نفسانی کا اتباع ہوتا ہے۔

(نوٹ) دور ماضی میں مسلمانوں میں سیکڑوں فرقے پیدا ہوئے اور اہل حق سے ان کا ٹکراؤ رہا اس کے متعلق حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے بہت سے قوی دلائل وشواہد سے لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر یا تو سیاسی پارٹیاں تھیں جنھوں نے اس وقت کی عام فضا کی وجہ سے مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا اور یا کچھ نئے مسلمانوں کی کج فہمیاں تھیں کہ انھوں نے اپنے سابقہ مذاہب کے ساتھ اسلام کو جمع کرنے کی کوشش کی اور چند آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس دور میں جتنے بھی اختلافات ملیں گے تقریباً سب کے سب یا اکثر اسی قسم کے اسباب کا نتیجہ ہیں[1]

(۳۲) وعن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته۔

(رواه الطبرانی واسناده حسن وابن ماجة وابن ابی عاصم عن ابن عباس بغیر لفظه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بدعتی سے توبہ کو روکے رکھتا ہے جب تک کہ وہ بدعت کو چھوڑ نہ دے۔ (طبرانی، ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

(تشریح) توبہ کو روکے رکھنے سے یا تو مراد یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس کی توبہ اور دیگر اعمال خیر قبول نہیں ہوتے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی مراد

[1] مولانا گیلانی مرحوم کی کتاب "مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ" اس موضوع پر قابل مطالعہ ہے

ہوسکتی ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اور تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ ہر وہ گناہ جو گناہ سمجھ کر کیا جاتا ہے اس سے کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور انسان کا ضمیر اسے غیرت دلا کر کبھی نہ کبھی اس برائی سے رک جانے پر آمادہ کر دیتا ہے لیکن بدعت چونکہ ایک ایسی معصیت ہے جس کو معصیت نہیں سمجھا جاتا بلکہ آدمی دین سمجھ کر اس میں مبتلا رہتا ہے اس لئے نہ اس کا ضمیر اسے کبھی ملامت کرتا ہے اور نہ وہ اس دلدل سے کبھی نکلتا ہے ــــــ ہاں اگر طبیعت انصاف پسند پائی ہو اور آدمی اپنے طرز عمل کا کبھی کبھی جائزہ لیتا رہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں آیا یہ تقاضائے ہدیٰ ہے یا اتباع ہویٰ اور احتساب میں کبھی اسے اپنی غلطی پر تنبہ ہو جائے اور وہ اپنے رویہ میں تبدیلی کر لے تو یقیناً اس کے اور توبہ کے درمیان سے قدرتی آڑ ہٹ جاتی ہے اور اسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔

اعمال میں ترقی اور تنزّل کی حدیں

(۴۲) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل عمل شِرَّۃٌ ولکل شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ فمن کانت فترتہ الی سنتی فقد اھتدی ومن کانت فترتہ الی غیر ذلک فقد ھلک۔ (رواہ ابن ابی عاصم وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عمل میں (بسا اوقات آدمی کو) چستی اور نشاط ہوتا ہے اور ہر چستی کے بعد (ایک نہ ایک وقت ضرور) سستی بھی آتی ہے۔ پس جس شخص کا (عمل) سستی کے زمانہ میں میری سنت (کی حدود) کے اندر اندر رہ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس کا سستی کے زمانہ کا (عمل) سنت سے ہٹ گیا وہ تباہ ہو گیا۔

(ابن ابی عاصم، صحیح ابن حبان)

(تشریح) یہ ایک بہت اہم اصول ہے، بالخصوص شریعت میں اور بالعموم پوری زندگی میں انسان کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ ہر نیک عمل اور ہر بھلائی کی ایک نو

اونچی سے اونچی آخری سطح ہوتی ہے اور ایک نیچی سے نیچی آخری حد ہوتی ہے اور ان دونوں سرحدوں کے درمیان میدان عمل ہوتا ہے آدمی میں جتنی ہمت ہو اسے بہتری کی اونچی سے اونچی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جب پائے طلب میں کسی وجہ سے سستی اور کمزوری آئے تو اس وقت بڑی بیدار مغزی اور چوکنے پن سے یہ دھیان رکھے کہ میں سست ہوتے ہوتے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے کہیں اس مقام تک نہ پہنچ جاؤں کہ جہاں کتاب وسنت کی یاد دوسرے لفظوں میں شریعتِ خداوندی کی آخری نچلی حد ہے، بس ترقی میں تو انسان کو اختیار ہے کہ جہاں تک چاہے پرواز کرے لیکن تنزل اور کمزوری اگر حدودِ شریعت سے نیچے اتر گئی تو ہلاکت ہی ہلاکت اور بربادی ہی بربادی ہے ——— مثال کے طور پر نماز کے سلسلہ میں آدمی کو ترقی کرنے کے لئے بہت بڑا میدان ہے کہ وہ حسب استطاعت تمام وقتیہ غیر وقتیہ نوافل تک کا اہتمام کرے اور کیفیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھے لیکن سستی کے زمانہ میں اس کی نچلی حد یہ ہوگی کہ وہ فرائض وواجبات کو نہ چھوٹنے دے اس لئے کہ نماز کے سلسلہ میں شریعت کی نچلی آخری حد یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کو ادا کر لیا جائے۔ لہٰذا اگر کسی کی کاہلی اور سستی یہاں تک بڑھی کہ فرائض اور واجبات بھی چھوٹنے لگے تو سمجھ لو کہ وہ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔

(۳۴) وعن العرباض بن سارية رضي الله عنه انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لقد تركتكم على مثل البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها الا هالك۔ (رواه ابن ابي عاصم في كتاب السنة باسناد حسن)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو ایسے سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح بالکل روشن ہے، اس سے منہ وہی موڑے گا جس کے لئے (پیدائشی طور پر ہی) ہلاکت وتباہی مقدر ہو چکی ہو۔ (ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ)

(تشریح) سیدھے اور صاف راستے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بالکل واضح اور صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اور کسی بھی معاملہ کو الجھا ہوا نہیں چھوڑا ہے، ہر سلیم الطبع انسان بڑی آسانی سے اس کے مطابق اپنی زندگی گذار سکتا ہے، اور جو بدنصیب اس سے منہ موڑ رہا ہے اور اپنے عقیدے یا عمل سے اس کی خلاف ورزی کر رہا ہے وہ اپنی بدبختی اور محرومی کی وجہ سے تباہی کے راستے پر جا رہا ہے۔

اچھے کاموں میں پیشقدمی کرنے اور انھیں رواج دینے کی فضیلت اور بُرے کاموں کو رواج دینے کی مذمت

(۳۵) عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال کنا فی صدر النہار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاءہ قوم عراۃ[1] مجتابی النمار والعباء متقلدی السیوف عامتہم من مُضَرَ بل کلہم من مُضَرَ فتمعر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی ما بہم من الفاقۃ فدخل ثم خرج فامر بلالاً فاذن واقام ثم خطب فقال! یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ الی آخر الآیۃ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔ والآیۃ التی فی الحشر، اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تصدق رجل من دینارہ من درہمہ من ثوبہ من صاع بُرّہ من صاع تمرہ حتی قال ولو بشق تمرۃ قال فجاء رجل من الانصار بصرۃ کادت کفہ تعجز بل قد عجزت قال ثم تتابع الناس حتی رأیت

---

[1] متعدد نسخوں میں یہ لفظ "عُرَاۃ" ملتا ہے عراۃ بالمہملتین صحیح ہے جیسا کہ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۲ (مطبع نظامی دہلی ۱۳۱۷ھ) پر شائع شدہ صحیح نسخہ میں ہے۔

كومين من طعام وثياب حتى رأيت وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم يتهلل كأنه مذهبة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شيء ومن سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شيء۔

(رواه مسلم والنسائی وابن ماجۃ والترمذی باختصار القصۃ)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو (تقریباً) برہنہ تھے صرف وہ اپنے کمبلوں کو درمیان سے سوراخ کرکے گردنوں میں ڈالے ہوئے تھے تلواریں ان کے شانوں پر لٹکی ہوئی تھیں تقریباً وہ سبھی یا اکثر قبیلہ مضر کے تھے، ان کی اس تنگدستی اور فاقہ مستی کا دیکھنا تھا کہ (بیکرِ رحمت ورأفت رحمۃ للعالمین جناب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔ آپؐ (شاید کچھ دیکھنے کے لئے گھر میں) تشریف لے گئے اور (کچھ دیر میں) باہر آئے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ (اذان کہیں) انھوں نے اذان کہی اور پھر اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد وعظ فرمایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (تا آخر آیت) ترجمہ: "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (بیوی) پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلائے، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور رشتہ داری (میں بدسلوکی کرنے

سے) بھی ڈرو، بلاشبہ اللہ تمہارا نگہبان ہے" اور (آپ نے وعظ و تقریر کے دوران) سورہ حشر کی یہ آیت بھی پڑھی :- یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ ولتنظر ـ (تا آخر آیت ـ) | ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا ذخیرہ بھیج رکھا ہے، بے شک اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔" (راوی کا بیان ہے کہ) ہر شخص نے (حسبِ حیثیت) دینار، درہم، کپڑے، ایک (دو) صاع گیہوں، کھجور دئے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا خواہ کھجور کی ایک پھانک ہی دیدو (یعنی کسی نہ کسی درجہ میں اس کارِ خیر میں شرکت ضرور ہوجانی چاہیئے۔ یہ مت خیال کرو کہ اتنی سی چیز کیا دیں) حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری ایک اتنا بڑا تھیلا لیکر آئے کہ ان کے ہاتھوں سے اٹھ نہیں رہا تھا اور چھوٹ چھوٹا جارہا تھا، پھر اس کے بعد تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ (لوگ اتنا لائے کہ) غلے اور کپڑوں کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور میں نے دیکھا کہ آپ کا روئے انور مارے خوشی کے دمک اٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سونے کی ڈلی۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا "جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کو رواج دیا اسے اپنے اس عمل کا بھی ثواب ملے گا اور جتنے اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان سب کے اجر کے برابر ان کا حصہ کاٹے بغیر اس رواج دینے والے کو بھی ملے گا۔ اور جس نے کسی برے طریقے کو رواج دیا اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں جتنے لوگ اس میں مبتلا ہوں گے سب کے برابر اسے بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی

(مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) اس سے ان لوگوں کو بڑی عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو طرح طرح کی رسمیں تراش تراش کر عوام میں جاری کرتے ہیں اور بعد کے تمام آنے والوں کے گناہوں میں برابر کے

شریک ہوتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن سے امت میں کوئی بہتر طریقہ زندہ ہو جائے، اور قیامت تک آنے والوں کے اجر و ثواب میں ان کا حصہ ہو جائے۔

(۳۶) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دعی الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من اتبعہ لا ینقص ذلک من اجورھم شیئا ومن دعی الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من اتبعہ لا ینقص ذلک من آثامھم شیئا۔

(رواہ مسلم)[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اچھے کام کی طرف لوگوں کو آمادہ کرے گا اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کا اتباع کریں گے اور ان لوگوں کے اجر و ثواب میں اس کی وجہ سے کوئی کمی نہ ہوگی، اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے گا اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جنھوں نے اس معاملہ میں اس کا اتباع کیا ہوگا اور اس سے ان لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی ——— (مسلم)

(تشریح) بدعملی آدمی اگر تنہا کرے تو اس کا گناہ تو اکہرا ہی رہتا ہے لیکن اگر وہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے کر ڈوبتا اور اپنی گمراہی دوسروں تک پھیلاتا ہے تو یہ اب ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے گناہ اپنے سر لینے کی کوشش کر رہا ہے جو تنہا برائی میں مبتلا رہنے سے ہزارہا درجہ زیادہ تباہ کن ہے۔

---

[1] ذکرہ الحافظ ابن حجر فی انتقاء الترغیب۔

کتاب العلم

علم کی نشر و اشاعت اور حاملینِ علم کے فضائل و مناقب

(۳۷) عن معاویہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمالیتا ہے۔ اسے دینی سمجھ بوجھ عطا فرمادیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) دین کا علم حاصل ہوجانا اور دین کی سمجھ بوجھ کا مل جانا، یہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، کتابوں یا اساتذہ سے چند معلومات کو حافظہ میں جمع کرلینے والا ضروری نہیں کہ دین کی صحیح سمجھ بھی رکھتا ہو، دراصل ہر کام میں جب آدمی ایک عرصۂ دراز تک مستقل لگا رہتا ہے اور شب و روز اس کا وہی مشغلہ رہتا ہے اور گویا وہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے تو اسے اس کام میں ایک خاص ملکہ حاصل ہوجاتا ہے یہی اس کام کی سوجھ بوجھ ہوتی ہے، اسی طرح علوم شرعیہ کے طویل انہماک اور عرصۂ دراز تک اس سے لگاؤ کے بعد وہ علوم اس کے دل و دماغ میں رچ بس جاتے ہیں۔ اور آدمی مزاج شریعت سے آگاہ ہوجاتا ہے اور ذہن ایک ایسی لائن پر پڑجاتا ہے کہ اگر کبھی کسی معاملہ میں کوئی علمی روشنی آفتابِ نبوت سے نہ بھی ملے تب بھی یہ شخص وہی کرے گا جو شریعت کا منشاء و مقتضیٰ ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر

ذہن انسانی زندگی کی نئی نئی راہوں میں بھی صحیح راستہ نکال لینے کی قابل ہوجاتا ہے جس کو اصطلاحِ فقہ میں مقامِ اجتہاد کہتے ہیں۔

علم کی تلاش

(۲۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ بہ طریقا الی الجنۃ۔ (اخرجہ مسلم فی حدیث)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم کی تلاش کے سلسلہ میں کوئی راستہ طے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص کے لئے جنت کی راہ آسان کردے گا ـــــــ (مسلم)

(تشریح) علم کی تلاش و جستجو کے لئے جو بھی قدم اٹھے گا خواہ کوئی دور دراز کا سفر ہو یا چند قدم چلنا ہو سب اس فضیلت میں آئے گا، اور علم خواہ ایک مسئلہ اور دین کی ایک بات کا ہو یا پورے علوم شرعیہ و اسلامیہ کا حاصل کرنا مقصود ہو۔ سب طلب علم ہے اور ہر ایک پر حسب مراتب اجر و ثواب ملے گا۔

(۳۹) وعن صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد متکئ علی برد لہ احمر فقلت لہ یارسول اللہ انی جئت اطلب العلم فقال مرحبا بطالب العلم ان طالب العلم تحفہ الملائکۃ باجنحتھا ثم یرکب بعضھم بعضا حتی یبلغوا السماء الدنیا من محبتھم لما یطلب۔ (رواہ احمد والطبرانی باسناد جید واللفظ لہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے

تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں، فرمایا طلبگار علم کے لئے مبارکباد، طالب علم کو فرشتے اپنے پروں کے اندر لے لیتے ہیں اور پھر اس کثرت سے آکر اوپر تلے جمع ہو جاتے ہیں کہ آسمان تک ان کا سلسلہ پہنچ جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اس شخص کی مطلوب شے (علم) سے محبت ہے ۔۔۔ (احمد، طبرانی، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) فرشتوں کا طالب علم کو اپنے پروں میں لے لینا اور پھر زمین سے آسمان تک اس نورانی مخلوق کا بھر جانا درحقیقت طالب علم کے لئے انتہائی عظیم الشان فضیلت ہے، اور پھر اگر روزانہ کوئی شخص تلاش علم کا مشغلہ رکھتا ہے تو گویا روزانہ اسے فرشتوں کی نورانی محفل میں رہنے کا موقع ملتا ہے، لیکن علوم نبویہ کی عظمت و شوق اور مقصد کی پاکیزگی ضروری ہے۔

(۴۰) وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع ۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلا ہو وہ واپس لوٹنے تک راہِ خدا میں ہے ۔۔۔ (ترمذی)

حاملینِ علم کا مقام

(۴۱) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان احدھما عابد والآخر عالم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وملائکتہ واھل السمٰوٰت والارض حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر ۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں

کے متعلق سوال کیا گیا جن میں سے ایک عبادت گذار ہے اور دوسرا علم کی طلب و جستجو میں لگا ہوا ہے (کہ ان میں سے کونسا افضل و بہتر ہے؟) ارشاد فرمایا کہ عالم کا مقام عابد کے مقابلہ میں وہ ہے جو تم میں سے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں میرا مقام ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور زمین اور آسمان کی تمام مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اور پانی کی مچھلیاں تک سب اس شخص کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو اچھی باتیں سکھاتا ہو۔ (ترمذی)

(تشریح) اہل علم کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ اس حدیث سے ظاہر ہے لیکن یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جس کا مقام جتنا بلند ہے اس کے لئے خطرات بھی اتنے ہی زیادہ ہیں بیل گاڑی کا مسافر تھوڑی سی مسافت بھی بہت دیر میں طے کرے گا لیکن اگر گرا تو کپڑے جھاڑ کر پھر کھڑا ہو جائے گا اس کے برخلاف ہوائی جہاز سے پرواز کرنے والا دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کرتا ہے لیکن اگر گر جائے تو ہڈیوں کے بھی ریزے ریزے ہو جائیں۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے اپنے مقام علم و فہم کے بقدر خدا سے ڈرتے رہنا بھی چاہیئے لیکن ——— ان نزاکتوں کی وجہ سے اپنے جہل پر قناعت کئے رہنا اس سے زیادہ بڑی ہلاکت و تباہی ہے۔

(۴۲) وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدیٰ والعلم کمثل غیث اصاب ارضا فکانت منھا طائفۃٌ طیبۃ قبلت الماء وانبتت الکلأ والعشب الکثیر فکان منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا منھا وسقوا وزرعوا واصاب طائفۃً اخریٰ منھا انما ھی قیعانٌ لاتمسک ماءً ولا تنبت کلأً فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ تعالیٰ ونفعہ ما بعثنی اللہ بہ نعلم

وعلّم، ومثل من لم یرفع بذلک راساً ولم یقبل ھدی اللہ الذی اُرسلتُ بہ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس علم وہدایت کو دے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک زمین پر بارش برسی، اس زمین کا ایک حصہ تو بہت عمدہ تھا جس نے اپنے اندر پانی کو (بقدر ظرف) جذب کرلیا اور اس سے گھاس اُگی اور دور تک سبزہ ہی سبزہ ہوگیا۔ اس زمین کا ایک حصہ نشیبی تھا جس نے پانی کو اپنے اندر محفوظ کرلیا جس سے خدا نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ انھوں نے اس میں سے پیا بھی اور آب پاشی کرکے کھیتی بھی کی، اور وہی بارش زمین کے ایک ایسے حصہ پر بھی پڑی جو بالکل بنجر تھا کہ نہ تو پانی ہی اس میں آکر محفوظ ہوا اور نہ کچھ گھاس پھونس ہی اُگا، یہ ہے مثال اس شخص کی جس نے خدا کے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی اور اسے میرے لائے ہوئے علوم سے نفع پہنچا کہ اس نے انھیں خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا، اور اس شخص کی جس نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور میری لائی ہوئی ہدایتِ الٰہی کو قبول نہ کیا۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) جس طرح اس حدیث میں زمین کی مختلف قسمیں بتائی گئی ہیں بالکل اسی طرح اس زمین سے پیدا کئے ہوئے انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں، کچھ تو وہ مبارک اور بلند ہستیاں ہیں جن کے پاس جب علم پہنچا ہے تو انھوں نے اس میں چار چاند لگا دیئے اور اس کی روشنی میں وہ اصول وضوابط مقرر کئے کہ پوری انسانی زندگی کے لئے خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی ایک مکمل آئین تیار ہوگیا اور رہتی دنیا تک کے لئے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جس کا کوئی حکم فروعی یا اصولی طور پر بیان نہ ہوگیا ہو۔

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے گذرے ہیں کہ گو انھوں نے اس علم سے کچھ زیادہ اجتہاد

واستنباط نہ کیا لیکن اسے پوری طرح اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور دوسروں تک پہنچایا، خود بھی فیضیاب ہوئے اور دوسرے بندگان خدا کے لئے علوم کا سرچشمہ ثابت ہوئے۔

تیسری ایک بدنصیب قسم انسانوں کی وہ بھی ہے جس نے اس نور ہدایت اور شمع رسالت کو قبول نہ کیا اور جہالت وگمراہی کی اندھیریوں میں ٹھوکریں کھاتے رہے۔

علم کی نشرواشاعت

(۴۳) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نَضَّرَ اللہ امْرَأً سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعیٰ من سامع۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وصححہ وابن حبان فی صحیحہ ولفظہ رحم اللہ امْرَأً)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے اس شخص کو جو ہم سے کوئی بات سنے اور اسے جیسا سنا تھا ویسا ہی دوسروں تک پہنچا دے، کیوں کہ بہت سے وہ لوگ جنھیں بات پہنچائی جاتی ہے (ان پہلے) سننے والوں سے زیادہ محافظ (وسخن شناس) ہوتے ہیں۔ (ابوداود، ترمذی، ابن حبان)

(۴۴) وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ

(رواہ البزار وابن حبان فی صحیحہ ولفظہ من دلّ علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ دکھانے والا اجر وثواب میں نیکی کرنے والے کے برابر ہوتا ہے۔ (بزار، ابن حبان)

(تشریح) بعض علمی ودینی کام ایسے ہوتے ہیں کہ بہت سے لوگ انھیں خود تو نہیں کر سکتے لیکن دوسروں سے کرا سکتے ہیں یا مشورے دے سکتے ہیں یا اور کسی طرح سے

تعاون اور رہنمائی کر سکتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ کتنا قیمتی موقع ہے کہ محض رہنمائی کرنے ہی سے عمل کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

علم کو چھپانے کا وبال

(۴۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ اُلجم یوم القیامۃ بلجام من نار (رواہ ابوداوٗد والترمذی وحسنہ وابن ماجۃ والبیھقی وابن حبان والحاکم وصححاہ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے کسی نے کوئی علمی بات پوچھی (اور وہ اسے جانتا تھا لیکن) اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

(ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) جس طرح خدا نے انسان کی جسمانی ضروریات پانی، ہوا اور آگ وغیرہ کو بالکل عام رکھا ہے اسی طرح خدا اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ انسان کی روحانی ضروریات علم وہدایت پر کوئی پابندی لگائے اور دوسروں تک نہ پہنچنے دے، اس لئے مختلف طریقوں سے اسے عام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے روکنے والوں کو طرح طرح کی وعیدیں سنائی گئی ہیں ——— لیکن اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ علم دین میں بعض وہ نازک بحثیں بھی ہوتی ہیں جنکو بہت سے لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اس کا غلط مطلب سمجھ بیٹھتے ہیں اس لئے صاحب علم کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اُس طالب علم کی صلاحیت کو ملحوظ رکھے اور اُس کے ذہن وصلاحیت کے لحاظ سے بتائے ——— چنانچہ اصول ہے کلّموا الناس علیٰ قدر عقولھم[1]۔ یعنی لوگوں سے ان کی عقل کے بقدر بات کرو۔

---

[1] یہ مضمون دیلمی اور ابوالحسن التمیمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور امام بخاری نے حضرت علی سے موقوفاً (مقاصد حسنہ ص ۵۴ امرنا ان نکلم الخ)

علماء کی تعظیم و تکریم

(۴۶) عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس من امتی من لم یجل کبیرنا و یرحم صغیرنا و یعرف لعالمنا۔ (رواہ احمد باسناد حسن والطبرانی والحاکم وصححہ لکن قال لیس منا)

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص میرا امتی نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کا احترام واکرام اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور علماء کی قدر و منزلت نہ پہچانے۔ (احمد، طبرانی، حاکم)

(تشریح) گویا امتی ہونے کی شان یہ ہے کہ آدمی ان شریفانہ اعمال کا پابند ہو۔ کوئی اپنے سے بڑا نظر آئے تو اس کا احترام ہو خواہ وہ جان پہچان کا ہو یا کوئی اجنبی ہو، کوئی اپنے سے چھوٹا ہو تو اس کے ساتھ شفقت ورحم کا معاملہ کیا جائے اور عالم دین تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گویا جانشین اور آپ کے بعد امت کا رہنما ہے اس لئے اس کا احترام کرنا ضروری ہے ——— فرض کیجئے اگر کوئی عالم اپنے علم کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو دوسروں کو اس کے علم کا بہرحال احترام کرنا چاہیئے اور احترام کے ساتھ مناسب طریقے پر اگر ہم اسے توجہ دلا سکتے ہیں تو توجہ دلائیں ورنہ خاموش ہو جائیں، کوئی شخص اگر اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہے تو ہم کم از کم اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔

(۴۷) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البرکۃ مع اکابرکم۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والحاکم وصححہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "برکت" تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔ (طبرانی، حاکم)

(تشریح) برکۃ" کا صحیح مفہوم ہے ثبوت الخیر الالٰھی فی الشیٔ[1]۔ یعنی کسی

---

[1] مفردات امام راغب اصفہانی۔ علی ہامش النہایۃ ج ا ص ۹۱۔

چیز میں خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی خوبی و بہتری، گویا ہر معاملہ میں اگر آدمی یہ معلوم کرنا چاہے کہ قدرتی خیر و خوبی کس طرف ہے تو دیگر شرعی و عقلی علامتوں کے ساتھ ایک موٹی سی پہچان یہ بھی ہے کہ جس طرف بڑے لوگ ہوں اسی طرف بہتری ہے۔

اور بڑے سے مراد یہاں علم و تجربہ اور عمر ہی کی بڑائی ہے، آج کل جو کرسی اور دولت کے لئے بڑائی کا لفظ بولا جانے لگا ہے یہ دنیا پرستی اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

(۸) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث لا یستخف بھم الا منافق ذوالشَّیْبَۃِ فی الاسلام و ذوالعلم و امام مقسط۔

(رواہ الطبرانی من طریق حسنہا الترمذی لغیر ھذا المتن)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جنھیں حقیر سمجھنے والا سوائے منافق کے اور کوئی نہیں ہو سکتا (اول) وہ شخص جسے مذہب اسلام میں بڑھاپا آگیا ہو (یعنی اس کی پوری زندگی دین اسلام پر گذری ہو۔ دوسرے) صاحب علم (تیسرے) منصف حاکم۔ (طبرانی)

(تشریح) خدا ہم سب کی حفاظت فرمائے موجودہ دور میں یہ منافقانہ روش بہت عام ہوتی جارہی ہے۔

علوم دینیہ حاصل کرنے کی غرض

(۹) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضًا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ یعنی ریحھا۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم وصححہ علی شرط البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جس نے وہ علم جو صرف خدا کی رضا کے لئے حاصل کرنا چاہیئے تھا محض دنیا کے کچھ ساز و سامان کے حاصل کرنے کی غرض سے سیکھا وہ شخص جنت کی ہوا تک نہ پا سکے گا۔ (ابو داود، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) دنیا کے مال و دولت اور اس کی نعمتیں کوئی ناجائز و حرام نہیں ہیں اور نہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ وہ حاصل نہ کی جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ علم جو رضاء الٰہی کا ذریعہ تھا اسے اس حقیر مقصد کے لئے استعمال کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ سوائے دنیا کمانے کے کوئی دوسری غرض ہی اس علم سے نہ ہو یہ غلط ہے۔ آدمی دنیا کمائے ان طریقوں سے جو دنیا کمانے کے جائز طریقے ہیں اور دین کو حاصل کرے ان ذرائع سے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کئے ہیں۔ ممانعت صرف اس بات کی ہے کہ خالص خدا طلبی کے طریقے کو خالص دنیا طلبی میں نہ استعمال کیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نٹ کو دیکھا کہ رسّی پر چل کر لوگوں کو کرتب دکھا رہا ہے اور پیسے مانگ رہا ہے، فرمایا کہ یہ شخص ان لوگوں سے بہتر ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کماتے ہیں۔

(۵۰) وعن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ناسا من امتی سیتفقھون فی الدین یقرؤن القرآن یقولون ناتی الامراء فنصیب من دنیاھم و نعتزلھم بدیننا ولا یکون ذلک کما لا یجتنی من القتاد الا الشوک کذلک لا یجتنی من قربھم الا ___ قال ابن الصباح کانہ یعنی ___ الخطایا۔

(رواہ ابن ماجۃ ورواتہ ثقات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو علوم دینیہ حاصل کریں گے اور قرآن کریم پڑھیں گے (دنیا کے عہدہ داروں کے پاس دنیا طلبی کی غرض سے جایا

کریں گے اور جب انھیں کوئی ٹوکے گا تو) کہیں گے ہم عہدے داروں کے پاس
جاتے ہیں (تو کیا حرج ہے ؟) ہم ان کی دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے دین
کو ان سے محفوظ رکھتے ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) ایسا کبھی نہیں
ہو سکتا جس طرح قتاد (نہایت خار دار درخت) سے سوائے کانٹے کے اور
کچھ نہیں ملتا اسی طرح ان لوگوں کی ہم نشینی سے سوائے برائی کے اور کچھ نہیں
مل سکتا۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) مقصد یہ ہے کہ جو شخص صاحبِ علم و تقویٰ ہے وہ دینی رہنما کے مقام پر
ہے اور یہ جب محتاج بن کر اور ان کی دنیا کا لالچ دل میں لے کر ان سے ملے گا تو ایسا ہو نہیں
سکتا کہ وہاں سے اپنے مقامِ تقویٰ و امامت کو پوری طرح صحیح سالم لے آئے اس لئے کہ
احتیاج کی زبان کبھی آزاد نہیں رہ سکتی۔

اس کے برخلاف ایک شخص علم و تقویٰ کے ساتھ اپنی دنیا کے معاملے میں بے نیاز ہے،
اور اسی شانِ بے نیازی کے ساتھ دنیا کے امراء و سلاطین سے ملتا ہے اور حسبِ موقع انھیں ان
کی کجرویوں پر حکیمانہ انداز سے ٹوکتا ہے تو ایسا شخص اس وعید کے تحت نہیں آئے گا ——
لیکن خدا عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس غرض سے ملتا ہے۔ ان اللہ علیم
بذات الصدور۔ اس لئے عالم کو محلِ شبہ سے بھی بچنا چاہیئے۔

اہلِ علم کے لئے چند آدابِ علم

(۵۱) عن أبي بن کعب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قام موسیٰ
خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا اعلم فعتب اللہ
علیہ اذ لم یرد العلم الیہ الحدیث۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابن ابی کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تقریر فرما رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ "لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم کون ہے؟" فرمایا "میں" خدا تعالیٰ (کو یہ بات پسند نہ آئی اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار ناپسندیدگی فرمایا گیا۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) واقعہ کے لحاظ سے یہ بات صحیح تھی اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص علوم شریعت کا جاننے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر نہ تھا لیکن بتانا یہاں پر یہ ہے کہ تقاضائے عبدیت اور شانِ تواضع یہ تھی کہ نظر علم الٰہی کی طرف جاتی اور یہ کہا جاتا کہ خدا ہی جانے اس کا کونسا بندہ سب سے زیادہ عالم ہے۔

(۵۲) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترك المِرَاء وهو مبطِلٌ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فی رَبَضِ[1] الجَنَّةِ ومن تركه وهو مُحِقٌّ بُنِيَ لهٗ فِي وَسطها ومن حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ له فی اعلاها۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ واللفظ لہ وابن ماجہ والبیہقی)

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلطی پر ہوتے ہوئے جھگڑا (دینی معاملات میں بحث ومباحثہ) ختم کر دے اس کے لئے جنت کے زیرِ سایہ ایک محل تیار ہو جائے گا اور جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑنا چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے بیچوں بیچ ایک محل بن جائے گا اور (ان میں سے بھی) جس نے اپنے اخلاق کو بہتر بنا لیا اس کا ٹھکانا جنت کے بلند مقامات میں ہوگا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

(تشریح) حق وصداقت کو واضح کرنے اور نکھارنے کی غرض سے یا دوسرے کی غلط فہمی

---

[1] ھو بفتح الباء ماحولھا خارجا عنھا۔ (نہایہ)

کو دور کرنے کی غرض سے افہام و تفہیم کرنا، تبادلۂ خیالات کرنا بہت مفید اور نتیجہ خیز عمل ہے لیکن جہاں دونوں فریق یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میں سو فیصد حق پر ہوں اور دوسرا جان بوجھ کر غلطی پر اڑا ہوا ہے ـــــ تو ایسے دو آدمیوں کی باہم گفتگو ہمیشہ فضول بے نتیجہ اور بسا اوقات بڑے بڑے فتنوں کا سبب بن جاتی ہے، عقلمند آدمی تھوڑی دیر گفتگو کر کے آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ میرا مخاطب جو رائے رکھتا ہے یہ بے دلیل محض غلط فہمی ہے یا دلائل کے ساتھ اس کا یہی نظریہ اور مسلک ہے۔ پس اگر یہ معلوم ہو جائے کہ

۱۔ یہ محض غلط فہمی ہے تو اسے اس وقت تک دور کرنے کی کوشش کی جائے جب تک کہ گفتگو خوشگوار ماحول میں ہو اور جب تلخی شروع ہو جائے بحث بڑی خوبصورتی کے ساتھ ختم کر دی جائے۔

۲۔ یا اگر مخاطب کی وہ رائے دلائل کی روشنی میں ہے مگر طبیعت میں سلامتی ہے اور وہ اپنے خلاف صحیح دلائل سننے کو خوشی سے تیار ہے تو اسے صحیح بات پوری طرح سمجھائی جائے۔

۳۔ اور اگر مخاطب دلائل کے ساتھ یا بغیر دلائل کے ایک رائے پر جما ہوا ہے اور اسے چھوڑنے کو تیار نہیں ہے تو خوش اسلوبی سے دلائل تو اس کے سامنے واضح کر دئے جائیں لیکن پیچھے نہ پڑا جائے اور لوگوں میں اس کے چرچے نہ کئے جائیں کہ فلاں شخص گمراہی پر اڑا ہوا ہے، ہاں البتہ لوگوں کو مناسب طریقے سے اس کی گمراہی سے محفوظ رکھنے کی تدبیر کی جائے۔

ہمارے خیال میں یہی تیسری قسم کا جھگڑا ہے جس کے ختم کرنے کی حدیث میں ترغیب دی گئی ہے، اس قسم کے مباحث جب طول پکڑتے ہیں تو اکثر تلاشِ حق کا جذبہ تو دب کر رہ جاتا ہے اور نفسانیت ابھر آتی ہے اور پھر یہ جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں۔ حدیث شریف کے آخر میں لفظ من حسن خلقہ الخ (جس نے اپنے اخلاق کو بہتر بنا لیا) فرمایا ہے۔ اس ارشاد سے لطیف اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ حق پر ہوتے ہوئے

خاموشی اختیار کر لینا اگرچہ بڑی اونچی اور بلند حوصلگی کی بات ہے لیکن اخلاقی بلندیاں ابھی اور باقی ہیں اور وہ یہ کہ مثلاً اختلاف رائے کے باوجود اخوتِ اسلامی کو برقرار رکھنا اپنا مخاطب جس مرتبہ اور حیثیت کا بھی ہو — اس کا لحاظ کرنا، اپنی نجی سے نجی گفتگوؤں میں بھی اس کی خوبیوں کا برملا اعتراف کرنا وغیرہ

یہ وہ خوبیاں ہیں کہ بڑے سے بڑے مخالف کو بھی گہرا دوست بنا دیتی ہیں۔ ایک سچے مومن اور بالخصوص داعی الی اللہ کی تو یہ شان ہونی چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا بری طرح پیش آئے تو اس کے مقابلہ میں وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو مثلاً غصہ کے جواب میں تحمل و بردباری، بدکلامی کے جواب میں تہذیب و شائستگی سے پیش آنا۔ رب العالمین کا فرمان ہے:۔

لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

(حم السجدہ آیت)

نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتیں۔ جواب میں وہ طرز اختیار کرو جو اس سے بہتر ہو۔ پھر تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی بہت گہرے اور گرمجوش دوست بن گئے ہیں۔

(۵۳) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل قوم بعد ھدًی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل۔

(رواہ الترمذی وصححہ وابن ماجۃ وابن ابی الدنیا فی الصمت)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی کوئی قوم اپنی سابقہ راہِ ہدایت سے بھٹک جاتی ہے اس میں باہمی نزاع اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا)

(تشریح) یہ قوموں کے عروج و زوال کی بہت بڑی پہچان ہے کہ جو صلاح و فلاح کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ صحیح راستہ پر گامزن ہیں اور جو عملی زندگی سے ہٹ کر زبانی جمع خرچ بحث مباحثہ جھگڑے بازی میں لگے ہوئے ہیں سمجھ لو وہ خدا کی نظر میں مبغوض ہیں، اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰہِ الْاَلَدُّ الْخَصِمِ ـــــ (بخاری و مسلم) یعنی خدا کی نظر میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ وہی شخص ہے جو جھگڑالو ہو۔

(۵۴) وعن اَبِی بَرْزَۃَ الاسلمی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتزال قدما عبدٍ حتی یُسْئَالُ عن عمرہ فیم افناہ وعن علمہ فیم فعل فیہ وعن مالہ من این اکْتَسَبَہٗ وفیم انفقہ وعن جسمہ فیم ابلاہ۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی کے بھی قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہل سکیں گے جب تک کہ ان سوالات کا جواب نہ دے دے۔ (۱) عمر کہاں خرچ کی؟ (۲) اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟ (۳) مال کہاں سے کمایا اور کہاں لگایا؟ (۴) اور جسم کہاں کھپایا؟ (ترمذی)

(تشریح) ضروری نہیں کہ یہ سوال بہت طویل عمر والوں، بہت بڑے اہل علم، بڑے بڑے صاحبِ ثروت اور بڑے زور آور اور قوی ہیکل لوگوں ہی سے ہو بلکہ خدا کی یہ نعمتیں جس کو جتنی بھی ملی ہیں اس سے اسی کے متعلق سوال ہوگا۔ اس لئے ہر شخص کو ان سوالات کے جواب کی تیاری میں لگے رہنا چاہیئے۔

(۵۵) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی دینی بات بغیر علم کے بتائی تو اس (کے نتیجہ میں ہونے والی غلطی) کا گناہ بتانے والے کو ہوگا۔ اور جس نے اپنے بھائی کو کسی بات کا مشورہ دیا یہ جانتے ہوئے کہ اس کے نزدیک بہتری کسی اور بات میں تھی تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (ابوداؤد)

(تشریح) کسی شخص نے اگر بھول چوک کی وجہ سے مسئلہ غلط بتادیا تو یہ معذور ہے لیکن اب اس کی ذمہ داری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی تصحیح کرے۔ اور اگر اس وجہ سے بتادیا کہ اگر نہ بتاؤں تو لوگ کیا سمجھیں گے تو یہ سخت نا سمجھی کی بات ہے آخرت کے بوجھ کے علاوہ اس نادان نے دنیا کی جس نیک نامی کی وجہ سے غلط مسئلہ بتایا ہے وہ بھی ایک دن خاک میں مل جاتی ہے، جب اس پوچھنے والے کو کبھی تو معلوم ہو ہی جائیگا کہ یہ بات فلاں صاحب نے غلط بتائی تھی تو یہ بات زیادہ بدنامی کی باعث ہوگی اور اگر خدانخواستہ یہ غلط بات پھیلی تو جب تک لوگ اس گمراہی میں مبتلا رہیں گے سب کا وبال اسی کے اوپر ہوگا۔

اگر کوئی شخص تم سے کسی معاملے میں مشورہ کرتا ہے تو جو بات تمہارے نزدیک اس کے حق میں مفید ہو اس کا بتانا ضروری ہے۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ تم اپنی کسی مصلحت سے اسے غلط مشورہ دیدو مثلاً تم ایک چیز کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو اب ایک دوسرا شخص تم سے اسی چیز کے متعلق مشورہ کرتا ہے کہ بتائیے اسے کس طرح حاصل کیا جائے تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اسے کسی دوسری چیز میں الجھا کر آپ اپنی راہ صاف کرلیں بلکہ یا تو صحیح صحیح وہ طریقے بتائے جو اس کے حاصل کرنے کے آپ کو معلوم ہیں یا عذر کر دیجئے کہ میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں۔ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ اِنْ شَاءَ اَشَارَ وَاِنْ شَاءَ لَمْ يُشِرْ[1] یعنی جس سے مشورہ لیا جاتا

---

[1] جامع صغیر عن سمرۃ بن جندب رضؓ۔

ہے وہ شخص (مشورہ لینے والے کے نزدیک) قابل بھروسہ آدمی ہوتا ہے لہٰذا اسے چاہیئے کہ یا تو (ٹھیک ٹھیک) مشورہ دیدے یا انکار کردے۔

(۵۶) وعن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الاغلوطات۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم اور الجھی ہوئی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

(تشریح) یعنی ایسے سوالات نہ کئے جائیں جن کا مقصد دوسرے کو مغالطے میں ڈالنا اور انھیں الجھانا ہو۔ یہی ممانعت ایسے جوابات پر بھی جاری ہوگی جو مسائل کو مغالطوں میں الجھانے والے ہوں۔

کتابُ الطہارۃ

طہارت وپاکیزگی کی اہمیت اور شریعت میں اس کا مقام

(۷۵) عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطھور شطر الایمان الحدیث۔ (رواہ مسلم والترمذی واحمد)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاکی جزوِ ایمان ہے۔ (مسلم، ترمذی، احمد)

(تشریح) طہارت وپاکیزگی شریعت کی نظر میں جہاں نماز وتلاوت کے لئے ایک لازمی شرط ہے وہیں یہ خود بھی بہت پسندیدہ اور مطلوب صفت ہے۔ خدائے تعالیٰ نے پاکبازوں کے متعلق فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ (بقرہ آیت ۲۲۲)	یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک وصاف رہنے والوں سے۔

قبا میں بسنے والے صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم نے ان کے اس وصف کو خاص اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ:۔

فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۰۹)	اس میں ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ ایسے بندوں سے محبت رکھتا ہے جو خوب پاک وصاف رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ظاہر کی پاکی اور باطن کی پاکیزگی کا آپس میں بہت گہرا ربط ہے جو شخص شریعت کے مطابق ہمیشہ اپنے جسم کو پاک رکھتا ہے ایک عرصہ کے بعد اس کا باطن بھی پاک و صاف اور منور ہو جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

طهروا هذه الاجساد طهركم الله (طبرانی[۱])	اپنے جسموں کو پاک و صاف رکھا کرو اللہ تعالیٰ (تمہارے باطن کو بھی) پاک کردے گا۔

استنجے کے متعلق ضروری ہدایات

(۵۸) عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلثۃ احجار ونھی عن الروث والرمۃ ونھی ان یستطیب الرجل بیمینہ۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والدارمی والشافعی بالفاظ متقاربۃ[۲])

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا کہ ایک باپ اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے (کہ بچے کے کام آنے والی ہر چھوٹی بڑی بات بتاتا ہے۔اس لئے) میں تمہیں (ہر طرح کی دینی و اخلاقی و معاشرتی باتیں) سکھاتا ہوں کہ جب تم قضاء حاجت کے لئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھو اور نہ پیٹھ، (حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں) اور آپ نے (استنجے میں) تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا اور لید اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے بھی روکا۔(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

---

[۱] مجمع الزوائد ج اول ص ۲۲۶ [۲] المشکوٰۃ بشرح المرقاۃ ج ۱ ص ۲۸۹ والجامع الصغیر۔

(تشریح) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر گندی اور گھناؤنی معلوم ہوتی ہیں نہ تو اجنبی آدمی ان کی طرف توجہ دلاتا ہے اور نہ آدمی دوسرے سے ان چیزوں پر روک ٹوک سننا پسند کرتا ہے لیکن باپ اپنے بچوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور بظاہر گندی اور گھناؤنی چیزوں کے متعلق بھی سمجھاتا بجھاتا رہتا ہے، لیکن جو بات خود ان باپوں کو نہ معلوم ہو اور جس تہذیب و شائستگی سے دنیا کے ارباب عقل وخرد بھی نا آشنا ہوں وہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی بتا سکتے ہیں اس لئے کہ ان کا درجہ تمام انسانوں کے لئے بالکل باپ کی طرح ہوتا ہے اور جس طرح ذرا ذراسی بات باپ اپنے بچوں کو بے جھجک بتا دیتا ہے اسی طرح نبیؐ بھی اپنی امت کو کوئی بات بتاتے ہوئے نہیں جھجکتا۔ اسی بنا پر آپ نے یہ باتیں تھوڑی سی تمہید کے ساتھ ارشاد فرمائیں تاکہ سننے کے بعد لوگوں میں شرم نہ محسوس ہو اور سا انھیں معلوم ہو جائے کہ اچھی باتوں کے بتانے یا پوچھنے میں شرمانا نہیں چاہیئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ مذکورہ چار باتیں ارشاد فرمائیں۔

(۵۹) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی الخلاء اتیتہ بماء فی تور او رکوۃ فاستنجی ثم مسح یدہ علی الارض ثم اتیتہ باناء آخر فتوضاء۔ (رواہ ابوداؤد)[1]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لاکر دیا کرتا تھا۔ پانی کے برتن تور میں (جو پیتل یا پتھر سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا برتن ہوتا تھا) یا رکوہ (چھاگل) میں آپ اس سے استنجا فرماتے تھے، پھر ہاتھ کو مٹی پر رگڑ کر دھوتے تھے، پھر میں دوسرا برتن لاکر دیتا تھا تو آپ اس سے وضو فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

(تشریح) پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھیلوں سے استنجے کا حکم فرمایا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجا فرماتے تھے،

[1] المشکوٰۃ

گذشتہ روایت کے مطابق اگر کوئی صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرلے تب بھی کافی ہے لیکن لطافت وپاکیزگی کی بات یہ ہے کہ دونوں استعمال کئے جائیں۔

قضاء حاجت کی نامناسب جگہیں

(۶۰) عن ابی ھریرۃ رضؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اتقوا اللاعنین قالوا وما اللاعنان یا رسول اللّٰہ؟ قال الذی یتخلی فی طرق الناس او فی ظلھم (رواہ مسلم وابو داؤد وغیرھما)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت وملامت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں یا ان کی سایہ دار جگہ میں قضاء حاجت کرے۔ (مسلم، ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے جن جگہوں پر پاخانہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہو اور وہ لعنت ملامت کریں ایسی جگہوں سے بچ کر بیٹھنا چاہیئے، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں موارد کا بھی ذکر ہے جس سے پنگھٹ اور وہ تمام جگہیں مراد ہیں جہاں لوگ پانی لینے یا نہانے دھونے آتے ہوں، مقصد یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں قضاء حاجت کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہو اس سے بچنا چاہیئے۔ غسل خانوں اور پیشاب خانوں میں بعض نادان لوگوں کا پاخانہ کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

(۶۱) وعن جابر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ نھی ان یبال فی الماء الراکد۔

(رواہ مسلم وابن ماجۃ والنسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(تشریح) طبرانی[1] کی ایک روایت میں جاری پانی میں بھی پیشاب کرنے کی ممانعت آئی ہے، کوئی بھی نفاست پسند طبیعت یہ بات گوارا نہ کرے گی علاوہ ازیں جاری پانی میں پیشاب کرنے سے نادیدہ جراثیم کے جسم میں داخل ہونے کا اندیشہ بھی تو ہے اکثر دیکھا گیا ہے دریا میں منہ سے پانی پینے سے جونک پیٹ میں چلی گئی لیکن اگر ٹھہرے ہوئے تھوڑے پانی میں پیشاب پاخانہ کیا گیا تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لئے ٹھہرے ہوئے پانی میں پاخانہ پیشاب کرنے میں زیادہ قباحت ہے۔

(۶۲) وعن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یبول الرجل مستحمہ وقال ان عامۃ الوسواس منہ۔ (رواہ احمد والترمذی واللفظ لہ والنسائی وابن ماجۃ قال الحافظ المنذری اسنادہ صحیح متصل)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اکثر اسی سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(تشریح) یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ غسل خانہ کچا ہو اور اس میں پانی کے بہہ جانے کا راستہ نہ ہو اس لئے کہ پیشاب جب وہاں بھرا رہے گا اور وہیں پھر غسل بھی کیا جائے گا تو بدن پر ناپاک چھینٹیں بھی پڑیں گی۔ اور اس سے وہم پیدا ہوگا۔ اور اگر غسل خانہ پختہ بنا ہوا ہے اور اس میں پانی فوراً بہہ جاتا ہے تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے[2] لیکن مسجد کے غسل خانوں میں اس کو مستقل عادت بنا لینا بہرحال مکروہ رہے گا اس لئے کہ ایک عرصہ تک مسلسل پیشاب کرتے رہنے سے پختہ غسل خانوں میں بھی

---

[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید عن جابر رضی اللہ عنہ کما فی الترغیب۔

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹۲

بد بو پیدا ہو جاتی ہے[1] جو غسل کرنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔

(۶۳) وعن عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبال فی الجحر۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) جانوروں کے سوراخ ہوں یا زمین میں پڑجانے والی دراڑیں، ان میں پیشاب کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا اس لئے کہ ہوسکتا ہے اس میں کوئی کیڑا مکوڑا ہو اور نکل کر ڈس لے اور نہ بھی ڈسے تب بھی اس جانور کو تکلیف تو بہرحال ہوگی اور ہمارے لئے یہ کب زیبا ہے کہ ہماری وجہ سے خدا کی کسی بھی ذی روح مخلوق کو تکلیف پہنچے۔

قضائے حاجت کے وقت بات چیت

(۶۴) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یتناجیٰ اثنان علی غائطھما ینظر کل واحد منھما الی عورۃ صاحبہ فان اللہ یمقت علی ذٰلك۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ واللفظ لہٗ وابن خزیمۃ فی صحیحہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمی پاخانہ کرتے ہوئے آپس میں باتیں نہ کریں کہ دونوں ایک دوسرے کے ستر کو دیکھتے جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر ناراض ہوتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ)

[1] منتظمین مساجد کو چاہیئے کہ وہ مسجد کے قریب پیشاب خانوں اور بیت الخلاء کا بھی انتظام کیا کریں۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں اس کا بڑا اچھا انتظام ہے۔

(تشریح) بڑی ہی بدتہذیبی اور جہالت کی بات ہے کہ آدمی دوسرے آدمی کے سامنے بے پردہ ہوکر رفع حاجت کرے اور مزید بے غیرتی یہ کہ آپس میں بات چیت بھی کرتے جا رہے ہوں، یہ دونوں باتیں الگ الگ بھی معیوب ہیں لیکن اگر دونوں جمع ہوجائیں تو گناہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ چیز دیہات کے جاہل مرد عورتوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔

ناپاکی سے بے احتیاطی پر عذابِ قبر

(۷۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبرین فقال انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر، بلیٰ انہ کبیر اما احدہما فکان یمشی بالنمیمۃ واما الاٰخر فکان لا یستتر من بولہ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی ایسے گناہ پر نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا کچھ بہت زیادہ مشکل ہو (یعنی اس سے آسانی سے بچا جا سکتا تھا لیکن پرواہ کسے تھی ؟) لیکن یہ گناہ (اللہ کے نزدیک) بہت بڑا ہے، ان دونوں میں سے ایک کا گناہ تو یہ ہے کہ یہ چغلی کھاتا پھرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچاؤ کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مُردوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے جن میں سے ایک تو چغلی ہے جو بدترین اخلاقی جرم اور مفسدانہ عادت ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کچھ ہی دن میں دوست نہ دشمن سب کی نظروں سے گر جاتا ہے اور خدا کے نزدیک بھی سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ چغل خوری اور عیب جوئی ایسی خبیث

اور کمینہ حرکت ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد آدمی دنیا کے کسی بھی بڑے کام کے قابل نہیں رہتا اور گویا وہ انسانیت سے گر جاتا ہے۔

دوسرے کا گناہ آپ نے یہ بتایا کہ یہ پیشاب سے احتیاط نہ کرتا تھا، معلوم ہوا کہ لباس و جسم کو پیشاب اور ہر طرح کی ناپاکی و گندگی سے محفوظ رکھنا اللہ کے اہم احکامات میں سے ہے جس میں بے احتیاطی کی وجہ سے قبر کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

جنابت اور غسلِ جنابت

یہ ایک فطری[1] تقاضہ ہے کہ جب انسان کوئی شہوانی و بہیمی تقاضے کو پورا کرتا ہے تو اس کی پاکیزہ طبیعت اپنے اندر ایک خاص قسم کی کدورت و ظلمت محسوس کرتی ہے اور ایسی حالت میں انسان اپنے کو کسی خالص نورانی اور مقدس کام کے قابل نہیں سمجھتا اور جب تک وہ اپنے

[1] متجسس نظر رکھنے والے لوگ اسی قسم کی چیزوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان میں غور و فکر کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بہت سے ان جانوروں کو بھی جو ذرا لطافت پسند ہیں یہ فطری ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ کچھ کچھ وقفے سے اپنے جسم و لباس کی صفائی و ستھرائی کی طرف توجہ کرتے رہتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ایک "اچھوت جانور" مکھی جس کی مرغوب غذا ہی گندگی ہے، اس کی فطرت کو بھی خدا نے یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ جب کہیں کچھ دیر وہ سکون سے بیٹھتی ہے تو اپنے چھیوں ہاتھ پیر ایک دوسرے سے مل مل کر خوب جھاڑتی ہے اور پھر اپنے دونوں پروں کو اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی بڑی احتیاط کے ساتھ پونچھتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے رات دن کبوتروں اور چڑیوں کو حوض اور تالابوں کے کنارے باقاعدہ غسل کرتے دیکھتے ہیں، یہ رب العالمین کی وہ فطری تعلیم ہے جو ان جانوروں کو اس نے "تکوین" کے ذریعہ اور انسانوں کو "تشریع" کے ذریعہ دی ہے اور یہی وہ فطری تعلیمات ہیں جو "دینِ فطرت" یعنی اسلام سکھاتا ہے۔

اوپر سے اس اثر کو دھو نہ ڈالے سکون نہیں پاتا۔

پھر طبیعت انسانی کی یہ آلودگی ایک تو معمولی ہے جو چوبیس گھنٹے کے چھوٹے موٹے معمولی تقاضوں کے پورا کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اور دوسری قسم آلودگی کی وہ ہے جس کے اثرات نسبتہً زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں اور سلیم الطبع انسان کی فطرت اس کا احساس بھی زیادہ کرتی ہے، بس پہلی قسم کی کدورت د آلودگی کو شریعت کی اصطلاح میں حدث اصغر اور دوسری قسم کو حدث اکبر کہتے ہیں، اور اسی تناسب سے ان کے اثرات کے دور کرنے میں بھی فرق ہے، پہلی قسم یعنی حدث اصغر تو جسم کے صرف کناروں کے دھونے سے دور ہو جاتا ہے لیکن دوسری قسم کی گندگی کو صاف کرنے کے لئے پورے جسم کے ایک ایک بال کا دھونا ضروری ہے۔

حالتِ جنابت کے احکام

(۶۶) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئاً من القراٰن۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ[1])

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی (مرد و عورت) قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۶۷) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَجِّھُوا ھٰذِہِ البیوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب (رواہ ابو داؤد[2])

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان گھروں کا رخ مسجدوں کی طرف سے پھیر دو اس لئے کہ کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی آدمی کے لئے (خواہ عورت ہو یا مرد) مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] المشکوٰۃ بشرح المرقاۃ ج ۱ ص ۳۳۲ [2] المشکوٰۃ بشرح المرقاۃ ج ۱ ص ۳۳۴

(ابوداؤد)

(۶۸) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال لقینی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معه حتی قعد فانسللت فاتیت الرحل فاغتسلت ثم جئت وهو قاعد فقال این کنت یا ابا هریرة ؟ فقلت له فقال سبحان الله ان المؤمن لا ینجس۔ (رواه البخاری)[1]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بار ایسی حالت میں ملاقات ہوئی کہ میں جنبی تھا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، جب آپ ایک جگہ جاکر بیٹھ گئے تو میں چپکے سے وہاں سے کھسک آیا اور قیام گاہ پر آکر میں نے غسل کیا اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ (اس وقت تک وہیں) تشریف رکھتے تھے آپ نے (مجھے دیکھ کر پوچھا ابوہریرہ کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے پورا واقعہ سنا دیا تو آپ نے (اظہارِ تعجب کے طور پر) فرمایا سبحان اللہ! مومن کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔ (بخاری)

(۶۹) عن عائشة رضی الله عنها قالت کان النبی صلی الله علیه وسلم یذکر الله علی کل احیانه۔ (رواه مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں خدا تعالیٰ کا ذکر اس کی یاد کرتے رہتے تھے۔ (مسلم)

(تشریح) مرد و عورت جب جنبی ہوں یعنی ان پر غسل واجب ہو یا جب عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو اس وقت ان کے لئے بعض اعمال ممنوع ہیں جیسے نماز، تلاوت اور مسجد کے اندر داخل ہونا لیکن ان کی یہ ناپاکی ایسی نہیں ہے کہ ظاہری ناپاکی کی طرح ان کے چھونے سے بھی دوسرا آدمی ناپاک ہو جائے چنانچہ آپ نے جو فرمایا کہ "مومن ناپاک نہیں ہوتا" اس کا

[1] المشکوٰۃ بشرح المرقاۃ ج ۱ ص ۳۳۰

مطلب یہ ہے کہ اس کی ناپاکی ایسی نہیں ہوتی کہ دوسرا بھی اس سے ناپاک ہوجائے بلکہ حکمی ناپاکی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ چند مخصوص عبادتوں کے قابل نہیں ہوتا۔

حالت جنابت میں آدمی کے لئے کھانا پینا، سونا، قرآن مجید کے علاوہ دوسرے ذکر اذکار کرنا سب جائز ہے البتہ ایسی حالت میں زیادہ دیر تک رہنا منع ہے۔

غسلِ جنابت میں دیر کرنے کی مذمت

(۷۰) عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں (جاندار کی) تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی آدمی ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن حبان)

(تشریح) یہاں جنبی سے وہ مراد ہے جو کسی نماز کا وقت گذرنے تک بھی غسل نہ کرے اور سستی کرکے وقت ٹالتا رہے۔ اگر ایک شخص عشاء کے بعد جنبی رہا اور فجر کی اذان کے وقت غسل کرکے اس نے جماعت سے نماز ادا کرلی تو کچھ حرج نہیں ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ جنابت کی حالت پیش آنے کے بعد اس وقت وضو کرلے اور پھر جب موقع ہو غسل کرلے۔

غسل کا طریقہ اور اس کے متعلق ہدایات

(۷۱) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اغتسل من الجنابۃ بدأ فغسل یدیہ ثم یتوضأ کما یتوضأ للصلوٰۃ ثم یدخل اصابعہ فی الماء فیخلل بھا اصول شعرہ ثم یصب علی راسہ ثلاث غرفات بیدیہ ثم یفیض الماء علی

جلد ۱ ص ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو اس طرح شروع فرماتے تھے کہ پہلے ہاتھ دھوتے پھر نماز کے وضو کی طرح پورا وضو کرتے پھر اپنی انگلیاں تر کرکے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے تھے (یعنی بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) پھر دونوں ہاتھوں کے لپ بھر بھر کر تین بار سر پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد پھر پورے بدن پر پانی بہاتے تھے۔

(بخاری، مسلم)

(تشریح) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی پوری کیفیت ہے۔ ایک دوسری روایت ...... کے مطابق شروع میں پورا وضو نہیں فرماتے تھے بلکہ کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد پورے جسم پر پانی بہاتے اور اس کے بعد غسل کی جگہ سے ذرا ہٹ کر پیر دھوتے تھے[۲] دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اگر غسل کسی ایسی جگہ کیا ہے جہاں پانی کے بہنے کی جگہ نہیں اور کچھ پانی قدموں کے نیچے جمع ہو رہا ہے تو پیر بعد میں وہاں سے ہٹ کر دھوئے جائیں۔ اور اگر کسی پتھر یا چوکی یا پکے فرش پر بیٹھ کر غسل کیا ہے اور پانی قدموں میں جمع نہیں ہوا تو شروع ہی میں پورا وضو کر لیا جائے[۳]

(۷۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت کل شَعرۃٍ جنابۃٌ فاغسلوا الشعر وانقوا البَشرۃ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسم کے ہر ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے اس لئے بالوں کو (اچھی طرح) دھویا کرو اور بدن کی کھال کو خوب صاف کیا کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

---

[۱] المشکوۃ بشرح المرقاۃ ج ۱ ص ۳۲۳ [۲] المشکوۃ عن ابن عباس رض [۳] المرقاۃ ج ۱ ص ۳۲۴ بزیادۃ

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جنابت کا اثر انسان کے جسم کے ہر ہر حصے پر ہوتا ہے اس لئے جسم کو پورے اہتمام سے دھونا چاہیئے تاکہ کوئی بال برابر حصہ بھی خشک نہ رہنے پائے۔ لفظ "انقوا" کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف پانی بہانے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اچھی طرح مل مل کر خوب صاف کیا جائے۔

غسل کرتے وقت پردے کا اہتمام

(۳۰) عن یعلی بن امیۃ رضؓ قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً یغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال ان اللہ حیی ستیرٌ یحب الحیاء والتستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)[1]

حضرت یعلی[2] بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (بالکل برہنہ) غسل کر رہا تھا تو آپ نے (قریب ہی کسی مناسب موقع پر) منبر پر خطبہ دیا اور (معمول کے مطابق) حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرمیلا اور حیا شعار ہے اور حیا شعاری اور پردہ داری ہی کو پسند فرماتا ہے اس لئے (تم اس کا خیال رکھو کہ) جب کوئی غسل کیا کرے تو پردے کے ساتھ کیا کرے۔ (لوگوں کے سامنے ہی بے پردہ نہ ہوجایا کرے) (احمد، ابوداؤد، نسائی)

---

[1] المشکوۃ لبشرح المرقاۃ ج ۲ ص ۳۲۸ تیسیر الوصول ج ۳ ص ۱۰۵، الجامع الصغیر للسیوطی۔

[2] مشکوۃ شریف میں یہ نام صرف "یعلی" نقل ہوا ہے اور اس نام کے دو صحابی ہیں یعلی بن امیہ رضؓ اور یعلی بن مرۃ رضؓ۔ اس لئے مشکوۃ کے شارح ملا علی قاری ؒ کو اس میں شبہ ہوگیا ہے کہ یہ یعلی بن امیہ ہیں یا یعلی بن مرۃ ؓ لیکن ابن الدیبع الشیبانی نے تیسیر الوصول ج ۳ ص ۱۰۵ میں اور علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں یہ روایت یعلی بن امیہ ہی سے نقل کی ہے۔

(۴) عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یدخل الحمام الا بمئزر ومن کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یدخل حلیلتہ الحمام۔

(رواہ النسائی والترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ علی شرط مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ حمام میں بغیر تہبند کے نہ جائے اور جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ بھیجے۔ (ترمذی، نسائی، حاکم)

(تشریح) حدیث شریف میں جو لفظ "حمام" آیا ہے اس سے یہ غسل خانے مراد نہیں ہیں جو عام طور پر گھروں میں بنائے جاتے ہیں بلکہ ایک خاص قسم کے غسل خانے مراد ہیں جن میں گرمی سردی کے غسل کا انتظام ہوتا ہے اور نہلانے والے مرد عورت مقرر ہوتے ہیں جہاں پردے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا چنانچہ متعدد احادیث میں ان غسلخانوں کی یہ چند خصوصیات ذکر کی گئی ہیں:۔

(۱) ان غسلخانوں کا رواج عرب میں بالکل نہ تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد ہی مسلمان عموماً ان سے واقف ہوئے[1]

(۲) اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شروع شروع میں انکی پوری کیفیت نہ تھی چنانچہ ایک بار تو بالکل منع فرما دیا تھا پھر جب صحابہ کرام نے اس کے فائدے ذکر

[1] ستفتح علیکم ارض العجم وستجدون فیھا بیوتا یقال لھا الحمامات الحدیث۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو۔ وعند الطبرانی فی الاوسط عن عائشۃ مرفوعاً انہ سیکون بعدی حماماً الحدیث ذکرھا المنذری

کئے تو تہبند کے ساتھ نہانے کی اجازت دے دی۔[1]

(۳) بیماروں کے لئے ان غسلخانوں میں نہانا مفید ہوتا ہے۔[2]

(۴) ان غسل خانوں میں شور و شغب بہت ہوتا تھا اور بے پردگی عام تھی۔[3]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حمام میں جاتے تھے اور نہلانے والا آپ کے بدن پر میل چھڑانے کی کوئی چیز ملتا تھا تو جب وہ کوکھوں تک پہنچتا تھا تو آپ اس سے کہہ دیتے تھے "أُخرج" "تم باہر چلے جاؤ"۔[4]

حضرت ابن عمر کے اس طرز عمل کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا بتاتا ہے کہ عام لوگ اتنی احتیاط نہ کرتے تھے ــــــ اگر پردے کا اہتمام کیا جائے تو اس قسم کے غسل خانوں میں نہانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قید کے ساتھ اجازت دی ہے۔

اور جو غسل خانے عام طور پر گھروں میں بنائے جاتے ہیں جن میں ایک آدمی تنہا غسل کرتا ہے اور پردے کا مکمل انتظام ہوتا ہے ان میں غسل کی عام اجازت ہے۔ خواہ مرد نہائیں یا عورتیں اور ان میں تہبند باندھنا بھی ضروری نہیں۔

ہم نے "حمام کے متعلق کسی قدر تفصیل سے اس لئے لکھا ہے کہ بعض لوگ ان حماموں میں اور

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم احذروا بیتاً یقال لہ الحمام قالوا یا رسول اللہ صلعم انہ ینقی الوسخ قال فاستتروا۔ رواہ البزار عن ابن عباس، ذکرہ المنذری

[2] قالوا یا رسول اللہ انہ یذھب الدرن وینفع المریض وفی لفظ بین اوی فیہ المریض الحدیث۔ رواہ الحاکم والبزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس کما فی الترغیب ومجمع الزوائد ص ۲۷۷ و ص ۲۷۸ ج ۱

[3] شر البیوت الحمام ترفع فیہ الاصوات وتکشف فیہ العورات۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ ذکرہ المنذری والھیثمی ص ۲۷۸ ج ۱

[4] رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۹۔

ہمارے گھریلو غسل خانوں میں کچھ فرق نہیں سمجھتے بالخصوص ہندوستان کے وہ علاقے جہاں عام گھریلو غسل خانوں کو بھی "حمام" ہی کہتے ہیں۔

غسلِ جمعہ

(۷۵) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الجمعۃ فلیغتسل۔ (رواہ البخاری ومسلم[1])

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی (نماز) جمعہ کے لئے آئے اسے چاہیئے کہ غسل کرکے آیا کرے۔ (بخاری، مسلم)

(۷۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام یوماً یغسل فیہ راسہ وجسدہ[2] (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اسے ضرور ایسا کرنا چاہیئے) کہ ہفتہ میں ایک دن غسل کرے۔ اس میں اپنے سر کو اور اپنے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔

(بخاری، مسلم)

(تشریح) ان دونوں روایتوں سے جمعہ کے دن غسل کرنے کی اہمیت و تاکید معلوم ہوتی ہے، اور مقصد یہ ہے کہ غسل کرنے کا زیادہ سے زیادہ وقفہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے، ابتداء اسلام میں جب کہ مسلمان موٹا کھاتے اور موٹا پہنتے تھے اور محنت و مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے اور مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے پسینہ آکر بدبو پھیل جاتی تھی اُس وقت آپ نے یہ ضروری قرار دے دیا تھا[3] کہ جمعہ کے دن ہر شخص غسل کرکے آیا کرے لیکن آج کے حالات میں اگرچہ وہ بات نہیں ہے اور جمعہ کے دن غسل نہ کرنے کی

---

[1]،[2] المشکوٰۃ [3] یہ تفصیل امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ مشکوٰۃ ص ۵۵

وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا لیکن نظافت و پاکیزگی کا تقاضہ یہی ہے کہ جمعہ کے دن اہتمام سے غسل کیا جائے اور خوشبو وغیرہ کا بھی بقدر وسعت خیال رکھا جائے۔

غسلِ جمعہ کا اجر و ثواب

(۷۷) عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اغتسل یوم الجمعۃ ومس من طیب ان کان عندہ ولبس من احسن ثیابہ ثم خرج حتی یاتی المسجد فیرکع ما بدا لہ ولم یوذ احدا ثم انصت حتی یصلی کان کفارۃ لما بینہا وبین الجمعۃ الاخری۔

(رواہ احمد والطبرانی وابن خزیمۃ فی صحیحہ ورواۃ احمد ثقات)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن غسل کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو بھی لگائے اور اپنے (پاس کے موجود) کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے پہن کر جمعہ کی نماز کو جائے (اور مسجد میں پہنچ کر جس قدر ہو سکے نوافل اور سنتیں پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ دے اور نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے تو (یہ نماز) اس کے لئے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے تمام گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔

(احمد، طبرانی، ابن خزیمہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے اہتمام کے سلسلہ میں اس حدیث کے اندر چند باتیں ارشاد فرمائی ہیں (۱) غسل کرنا۔ (۲) موجود ہو تو خوشبو لگانا۔ (۳) حسب حیثیت اپنے کپڑوں میں سے جو بہتر ہوں وہ پہننا۔ (۴) خطبہ سے پہلے مسجد میں پہنچ کر صرف چار یا چھ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنی ہمت ہو نفل نماز پڑھنا۔ (۵) کسی کو تکلیف نہ دینا۔ یہ بات خاص طور پر اس لئے ارشاد فرمائی کہ جمعہ کے دن مسجدوں میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت

زیادہ مجمع ہوتا ہے اور بعد میں پہنچنے والے بسا اوقات کاندھوں پر سے پھلانگتے، پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں کا سہارا لیتے اور بوجھ دیتے، کپڑوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح صف اول کے "نادان شوقین" پہلے سے تو آتے نہیں اور عین وقت پر پہنچ کر پچھلی صفوں کو چیرتے پھاڑتے پہلی صف میں پہنچتے ہیں اور ذرا سی جگہ پاکر اسی میں گھس کر دوسروں کے لئے بھی اور خود اپنے لئے بھی مصیبت بنتے ہیں چنانچہ متعدد احادیث میں کاندھوں پر سے پھلانگ کر جانے پر صراحۃً نکیر وارد ہوئی ہے اس لئے کہ بعض حساس طبیعتوں پر تو ان حرکتوں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ پوری نماز میں اس کی وجہ سے بے لطفی سی رہتی ہے۔ آگے جمعہ کے بیان میں اس کے متعلق چند حدیثیں آئیں گی ان شاء اللہ۔ (٦) نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے اس لئے کہ جمعہ کا دن عبادت اور توجہ الی اللہ کا خاص دن ہے۔ اس دن کے قیمتی لمحات کو ہرگز ضائع نہ کرنا چاہیئے اور اگر کوئی غافل خود نہ کچھ کرسکے تو جو خدا کے بندے تلاوت، ذکر، درود شریف وغیرہ میں مصروف ہیں، ایسے وقت میں بولنے آواز کرنے سے انھیں تکلیف ہوگی اسی طرح خطبہ کے وقت بات کرنا حتی کہ بات کرنے والوں کو منع تک کرنا گناہ بتایا گیا ہے اس لئے بہت خاموشی سے مسجد میں جاکر یا تو نماز میں مشغول ہوجانا چاہیئے یا خاموش بیٹھ کر ذکر و دعا میں لگ جانا چاہیئے۔

عیدین کا غسل

(٧٨) عن الفاکہ بن سعدؓ قال کان رسول اللہ علیہ وسلم یغتسل یوم الجمعۃ ویوم الفطر ویوم النحر ویوم عرفۃ۔

(رواہ احمد وابن ماجۃ والطبرانی)[۲]

حضرت فاکہ بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اور عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔ (احمد، ابن ماجۃ، طبرانی)

---

[۱] السراج المنیر ج ۳ ص ۱۷۶ میں "فاکہ بن سعید" غلط ہے۔ [۲] الجامع الصغیر للسیوطی

(۷۹) وعن عبد الله بن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل يوم الفطر ويوم الأضحى۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرتے تھے۔ (ابن ماجۃ)

(تشریح) ان دونوں روایتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے[1] اور اہل دین کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ عید، بقرعید کے دن غسل، خوشبو اور حسب استطاعت عمدہ کپڑے پہننے کا اہتمام کرتے ہیں۔

وضوء اور اس کے فوائد و برکات

انسان نیند سے بیدار ہو کر یا پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو کر جب غسل یا وضوء کر لیتا ہے تو اسے ایک خاص قسم کا سرور و انبساط اور ایک عجیب قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کیفیت کا نام پاکی اور اس کیفیت کے فقدان کا نام "حدث" ہے۔

جسم اور روح کا آپس میں جو گہرا تعلق ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ ان دونوں میں سے جس پر بھی کوئی کیفیت طاری ہوگی دوسرے کا اس سے خود بخود قدرتی طور پر متاثر ہونا ضروری ہے۔ جسم کی صفائی اور پاکیزگی سے روح کو بھی لطافت و نظافت اور فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تمام اہم روحانی اعمال نماز، تلاوت اور طواف کے لئے طہارت کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ جسم اور روح دونوں جب خداوند قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور فرشتوں کی مبارک اور روحانی محفل میں شریک ہوں تو فرحت و انبساط اور صفائی و پاکیزگی کے ساتھ شریک ہوں۔ یہاں وضوء کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذکر کئے جاتے ہیں۔

[1] تیسیر الوصول ج ۳ ص ۱۱۲

(۸۰) وعن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیہ وسلم فی سؤال جبرائیل ایاہ عن الاسلام فقال الاسلام ان تشهد ان لا اِلٰہ الا الله وانّ محمدًا رسول اللّٰہ وان تقیم الصلاۃ وتؤتی الزکاۃ وتحج وتعتمر وتغتسل من الجنابۃ وان تتم الوضوءَ وتصوم رمضان۔ قال فاذا فعلتُ ذالك فانامسلم؟ قال نعم، قال صدقت۔

(رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ کذا وہو فی الصحیحین وغیرھما بنحوہ بغیر ہذا السیاق)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اسلام سے متعلق سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، حج کرو، عمرہ کرو، جنابت کا غسل کرو، اچھی طرح وضو کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ حضرت جبرئیل نے پوچھا کہ جب میں یہ تمام کام کروں تو میں مسلمان ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں! حضرت جبرئیل نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ (ابن خزیمۃ فی صحیحہ والبخاری ومسلم بمعناہ)

(تشریح) کسی بات کے سمجھانے کا ایک عمدہ طریقہ سوال وجواب بھی ہے۔ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسلمانوں کو اسلام کے چند خاص احکام بتائے جائیں اس لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ بہت سے صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت جبرئیل انسانی شکل میں تشریف لائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کئے۔ سوالات سن کر ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی توجہ ہوئی کہ یہ ضروری احکام معلوم ہوں اس لئے وہ پوری طرح متوجہ ہوگئے اور خوب اچھی طرح ان جوابات کو ذہن نشین کرلیا۔

(۸۱) وعن ابی ھریرۃ رضی الله عنہ قال سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرًّا محجلین من

آثار الوضوء۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت بلائی جائے گی تو وضوء کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے نورانی اور روشن ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) دنیا میں تو وضوء کا ایک یہی اثر نظر آتا ہے کہ اس سے اعضاء وضوء دھل کر پاک صاف ہو جاتے ہیں اور طبیعت کو ایک طرح کی تازگی اور انبساط حاصل ہوتا ہے لیکن آخرت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ یہ اعضاء روشن اور چمکدار ہوں گے اور انسانوں کے اس جنگل میں اہل ایمان کی یہ ایک بڑی پہچان ہوگی جیسا کہ آئندہ حدیث میں ارشاد ہے۔

(۸۲) وعن زرّ عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ انھم قالوا یا رسول اللہ کیف تعرف من لم تر من امتک؟ قال غرّ محجلون بلق من آثار الوضوء۔ (رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ ورواہ احمد و الطبرانی باسناد جید نحوہ من حدیث ابی امامۃ رض)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اپنی امت کے جو افراد آپؐ نے دیکھے نہیں قیامت میں آپ انھیں کیسے پہچانیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کے اثر سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔

(ابن ماجہ، ابن حبان واحمد، طبرانی عن ابی امامۃ)

وضوء کے ذریعہ گناہوں کی مغفرت

(۸۳)۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضاء العبد المسلم او المومن فغسل وجھہ خرج من وجھہ کل خطیئۃ نظر الیھا بعینیہ مع الماء او مع آخر قطر الماء

فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ کان بطشتھا یداہ مع الماء او مع آخر قطر الماء، فاذا غسل رجلیہ خرجت کل خطیئۃ مشتھا رجلاہ مع الماء او مع آخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب۔ (رواہ مالک ومسلم والترمذی ولیس عند مالک والترمذی غسل الرجلین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ وضو کرنا شروع کرتا ہے تو جب وہ اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ نکل جاتے (اور دھل جاتے) ہیں جو اس کی آنکھوں سے سرزد ہوئے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے اور دھل جاتے ہیں جن کے لئے اس کے قدم استعمال ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ وضوء سے فارغ ہوتا ہے تو گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔
(مالک، مسلم، ترمذی)

(۸۴) وعن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے جسم کے تمام گناہ دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے تک کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں۔ (مسلم)

(۸۵) وعن عبد اللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضاء العبد فمضمض خرجت الخطایا من فیہ فاذا استنثر

خرجت الخطايا من انفه فاذا غسل وجهه خرجت الخطايا من وجهه حتى تخرج من تحت اشفار عينيه فاذا غسل يديه خرجت الخطايا من يديه حتى تخرج من تحت اظفار يديه۔ فاذا مسح براسه خرجت الخطايا من راسه حتى تخرج من اذنيه فاذا غسل رجليه خرجت الخطايا من رجليه حتى تخرج من تحت اظفار رجليه ثم كان مشيه الى المسجد وصلاته نافلة۔

(رواه مالک والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وقال صحیح علی شرطہما ولا علۃ لہ)

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ وضو کرتا ہے تو کلی کرنے سے اس کے منہ (اور زبان) کی خطائیں نکل جاتی ہیں اور جب وہ ناک صاف کرتا ہے تو ناک کے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ پلکوں کی جڑوں تک کے گناہ دھل جاتے ہیں پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ہاتھ کے ناخنوں کے نیچے تک کے گناہوں کی صفائی ہو جاتی ہے۔ پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کانوں کے گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے تک کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں۔ (اس کلی دھلائی، منجھائی کے بعد) جب وہ مسجد کا رخ کرتا ہے تو اس کا مسجد کی طرف چلنا اور اس کی نماز مزید (باعثِ ترقی) ہوتا ہے۔

(مالک، نسائی، ابن ماجہ، حاکم)

(تشریح) ابھی ہم نے وضو کے بیان کے شروع میں عرض کیا تھا کہ جسم اور روح

کا ایک نہایت قریبی تعلق ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کسی ۔۔ ایک پر جو کیفیت طاری ہوگی دوسرے کا قدرتی طور پر اس سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ چنانچہ نیکی اور بدی کا تعلق بلاشبہ روح سے ہے، نیک اعمال سے نورانیت وجلاء اور بدعملیوں سے ظلمانی اثرات روح ہی پر پڑتے ہیں لیکن لازمی طور پر جسم بھی ان چیزوں کے اچھے اور برے اثرات سے ضرور متأثر ہوتا ہے[1] ۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ وضوء جو ایک نیکی ہے اور اس کا تعلق اصلاً روح سے ہے اس وضوء کے ذریعہ بدعملیوں کے ان ظلمانی اثرات کی صفائی ہو جاتی ہے جو روح کے توسط سے جسم پر بھی آئے ہوتے ہیں۔ یہ پلکوں کی جڑوں اور ناخنوں کے نیچے تک کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ گناہ صرف روح ہی کو پلید اور ناپاک نہیں کرتا بلکہ جسم پر بھی روح کا یہ میل جسمانی میل کی طرح جم جاتا ہے، جس کو وضوء اور اس طرح کی دوسری نیکیاں دھو دیتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔	اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (سورۃ ہود۔۱۱۴)

لیکن جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی گرد وغبار تو ذرا جھاڑنے جھٹکنے یا تھوڑا سا پانی بہا دینے سے صاف ہو جاتا ہے لیکن جو میل زیادہ گہرا جما ہوتا ہے اس کے لئے رگڑنا، مسلنا صابن لگانا وغیرہ ضروری ہوتا ہے، اسی طرح گناہوں کے بھی مختلف درجات ہیں، معمولی درجے کے چھوٹے گناہ تو شب وروز کی عبادتوں وضوء نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آدمی کے مخفی اعمال کے اثرات اللہ تعالیٰ اس کے چہرے پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۴) اور محدث شریک کا مشہور مقولہ ہے جو بہت سے محدثین کے یہاں حتیٰ کہ ابن ماجہ جیسے محدثین تک میں غلطی سے حدیث مرفوع کے طور پر مشہور رہا ہے کہ من کثرت صلوتہ باللیل حسن وجہہ بالنہار یعنی جس کی رات کی نماز بڑھ جاتی ہے دن میں اس کا چہرہ بارونق ہو جاتا ہے۔

ہیں لیکن بڑے گناہوں کی صفائی کے لئے یہ چیزیں کافی نہیں ہوتیں۔ انھیں دھونے کے لئے توبہ و استغفار اور ندامت کے آنسوؤں کے چند قطروں کی ضرورت پڑتی ہے۔

چنانچہ علماء اسلام نے قرآن وسنت کی روشنی میں یہی فیصلہ کیا ہے کہ مختلف اعمالِ صالحہ پر جو گناہوں کی معافی کی بشارت ہوتی ہے اس سے چھوٹے چھوٹے گناہ مراد ہوتے ہیں۔ بڑے گناہوں کے لئے خدا کے سامنے توبہ کرنا ہی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (سورة النساء ۔ ۳۱)	اگر تم بچتے رہو گے بڑے بڑے گناہوں سے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کر دیں گے۔

اس لئے اعمال صالحہ کے ساتھ توبہ و استغفار کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔

ناپسندیدگی کے باوجود وضوء کی تکمیل

(۸۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ادلکم علی ما یمحو اللہ بہ الخطایا ویرفع بہ الدرجات؟ قالوا بلی یا رسول اللہ قال اسباغ الوضوء علی المکارہ وکثرۃ الخطا الی المساجد وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ فذلکم الرباط فذلکم الرباط فذلکم الرباط۔ (رواہ مالک ومسلم والترمذی والنسائی ورواہ ابن ماجۃ بمعناہ)[1]

[1] الترغیب کے تمام نسخوں میں یہ پانچوں حوالے مسلسل لکھے ہیں اور اخیر میں لفظ "بمعناہ" ہے جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس آخری لفظ کا تعلق کس سے ہے۔ مرتب نے یہاں لفظ رواہ کا اضافہ یہی ظاہر کرنے کیلئے کیا ہے کہ مالک سے نسائی تک نے تو یہ روایت انہی الفاظ سے بیان کی ہے اور ابن ماجہ نے یہی مضمون دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس بات کے اظہار کا محدثین کے یہاں یہی طریقہ ہے۔ آگے الترغیب فی المشی الی المساجد (باقی صفحہ آئندہ پر)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے)، فرمایا کیا میں تمہیں ایسے اعمال نہ بتا دوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دے اور درجے بلند فرما دے؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ضرور فرمائیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (۱) طبیعت کی ناگواری کے باوجود اچھی طرح پورا وضو کرنا۔ (۲) مسجدوں کی طرف قدموں کی کثرت۔ (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا۔ بس یہی ہے حقیقی "رباط" یہی ہے حقیقی "رباط" یہی ہے اصل "رباط"۔

(مالک، مسلم، ترمذی، نسائی و بمعناہ ابن ماجہ)

(تشریح) جو نیکی دل کو بھی پسند ہو اور خدا تعالیٰ کا حکم بھی ہو ثواب تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی یقیناً دیتا ہے لیکن جو نیکی محض حکم الٰہی ہونے کی خاطر کی جائے اور طبیعت کو پسند نہ ہو اس پر اجر و ثواب زیادہ ہے۔ سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا طبیعت کو کس قدر گراں گذرتا ہے مگر طبیعت کی گرانی و ناپسندیدگی سے بے پرواہ ہو کر جب ایک مومن خدا کے حکم کو پورا کرتا ہے تو خدا کے نزدیک بندہ کا یہ جذبہ بہت قابل قدر ہوتا ہے۔

مسجدوں کی طرف قدموں کی کثرت ظاہر ہے کہ بار بار مسجد کو جانے ہی سے ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک مومن مسجد میں یا تو نماز کے لئے جائے گا یا اور ایسے ہی کسی نیک عمل مثلاً تلاوت، ذکر وغیرہ کے لئے جائے گا ـــــ اور تیسرا عمل ہے ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر ہی انتظار کیا جائے بلکہ دو نمازوں کے درمیان کا وقفہ جہاں بھی گذرے دل میں آنے والی نماز کا خیال ضرور ہو اور دل اسی طرف لگا رہے اور ظاہر ہے کہ نماز سے بے حد محبت و تعلق کے بغیر کسی شخص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں دوبارہ یہ روایت آئی ہے وہاں مصنف کے الفاظ ٹھیک ہیں۔

کا یہ حال نہیں ہو سکتا اور جس کا یہ حال ہو گا ضرور وہ نماز سے کچھ دیر پہلے ہی سے نماز کی تیاری کرے گا اور وقت پر نماز باجماعت ادا کرے گا۔

حدیث کے اخیر میں جو لفظ "رباط" آیا ہے اس کے مشہور معنی ہیں اسلامی مملکت کی سرحد پر مجاہدین کا پڑاؤ کیے رہنا۔ یہاں ان اعمال کو "رباط" اس لئے کہا ہے کہ بندہ کو بھی ہر وقت نفس و شیطان کے حملوں کا خطرہ ہے اور ان اعمال کے ذریعہ جو شخص ہر وقت نفس و شیطان کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا ہے وہ بہت بڑا مجاہد ہے بلکہ ایمان کی حفاظت تو ملکی سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے۔

اس مضمون کی کچھ حدیثیں آئندہ مسجد کی طرف جانے اور نماز کا انتظار کرنیکی فضیلت کے بیان میں آرہی ہیں۔

وضوء کا اہتمام اور اس کی نگہداشت

(۸۷) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استقیموا ولن تحصوا واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ، و لن یحافظ علی الوضوء الا مؤمن۔ (رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ٹھیک چلتے رہو، اور (دیکھو!) تم راہِ راست پر ٹھیک ٹھیک چلنے کا پورا حق کبھی بھی ادا نہیں کر سکو گے (اس لئے لامحالہ اعمال خیر میں سے بہتر سے بہتر اور اپنی طاقت و ہمت کے بقدر اعمال چھانٹنے ہوں گے اور اس انتخاب کے لئے) اچھی طرح جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے[1]۔ اور وضوء کی پوری پوری نگہداشت بس مومن بندہ ہی کر سکتا

---

[1] الفاظ حدیث سے جو مفہوم قریب تر ہے اور بے تکلف سمجھ میں آتا ہے وہ یہی ہے۔ تاہم یہ تشریح متقدمین کے کلام میں کہیں نظر سے نہیں گذری تھی۔ اب نظر ثانی (باقی صفحہ آئندہ پر)

ہے۔ (ابن ماجہ بسند صحیح)

(تشریح) وضوء کی نگہداشت اور اس کے اہتمام میں ہر ہر عضو کو اچھی طرح آداب و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے دھونا بھی شامل ہے اور اکثر اوقات باوضوء رہنا بھی وضوء کے اہتمام ہی میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ بدن کی پاکی کا اس قدر اہتمام وہی کر سکتا ہے جس کی روح بھی پاک اور نور ایمان سے منور ہو۔

(۸۸) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلوۃ بوضوء ومع کل وضوء بسواك۔ (رواہ احمد باسناد حسن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت کی مشقت اور پریشانی کا خیال نہ ہوتا تو انھیں حکم دے دیتا کہ ہر نماز کے لئے (تازہ) وضوء کیا کریں اور ہر وضوء میں مسواک ضرور کیا کریں۔ (احمد بسند حسن)

(تشریح) جب حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت یہاں تک ہے کہ امت کو ایک چیز کا حکم باوجود اپنی پسندیدگی کے نہیں دیا۔ محض اس لئے کہ امت کو دقت نہ ہو تو کیا امت کے سعادت مند افراد پر آپ کی محبت کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ جہاں تک ہو سکے محبوب رب العالمین کی پسندیدگی کا لحاظ رکھیں اور ہر نماز کے لئے تازہ وضوء اور ہر وضوء میں مسواک کا اہتمام کریں؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے وقت علامہ شیخ محمد الحفنی کے کلام میں یہی بات ملی (حواشی العلامۃ الحفنی علی السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۹۶) قرآن مجید کی آیت: —— فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن-۱۶) "اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تمہاری طاقت ہو" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (مرتب) لے والنسائی واسناد الحدیث صحیح — (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۰۹)

وضوء پر وضوء

(۸۹) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من توضأ علی طهر کتب له عشر حسنات۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجة وقال الترمذی اسنادہ ضعیف)[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جس نے پاک ہونے کے باوجود (یعنی وضوء ہونے کے باوجود تازہ) وضوء کرلیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجة)

(تشریح) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضوء پر وضوء اُس وقت ہی کرنا چاہیئے جب کہ پہلے وضوء سے کوئی ایسی عبادت کرلی گئی ہو جس کے لئے وضوء ضروری ہے اور اگر پہلے وضوء سے ابھی کوئی ایسی عبادت نہیں کی ہے تو دوبارہ وضوء نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ وضوء خود کوئی مستقل عبادت اور نیکی نہیں ہے بلکہ دوسری نیکی کے لئے ذریعہ ہے اور اس کے تابع ہے لہٰذا جب ابھی اصل عبادت نہیں ہوئی تو وضو بھی عبادت نہیں بنا۔

اس ارشاد نبوی میں جو "دس نیکیاں" فرمائی گئی ہیں ان کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں دس نیکیوں سے دس وضوء کے بقدر ثواب سمجھنا چاہیئے کیوں کہ ہر نیکی کے کم سے کم دس گنا ہونے کا تو عام اصول ہے ہی یہاں کچھ مزید اجر و ثواب ہی مراد ہو سکتا ہے۔[2]

وضوء کے شروع میں بسم اللہ

(۹۰) عن ابی هریرة وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنهم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضأ وذکر اسم اللہ فانه یطهر جسده

---

[1] الترغیب والسراج المنیر ج ۳ ص ۳۲۶، والمقاصد الحسنة ص ۱۹۳

[2] حکاہ العلقمی عن ابن رسلان ۔۔۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۳۲۶)

کلہ ومن توضأ ولم یذکر اسم الله لم یطهر الا موضع الوضوء

(رواہ الدار قطنی باسناد حسن[1])

حضرت ابوہریرۃ، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وضوء کرے اور اس (کے شروع) میں اللہ کا نام لیلے تو اس کا پورا جسم پاک ہو جائے گا اور جو شخص اللہ کا نام لئے بغیر وضوء کرتا ہے اس کے صرف اعضاء وضوء ہی پاک ہوتے ہیں۔

(دار قطنی باسناد حسن)

(تشریح) مطلب صاف ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ جو وضوء کیا جاتا ہے وہ اپنے مقصد طہارت میں بغیر خدا کے نام والے وضوء سے کئی گنا زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو وضوء پورے جسم کو پاک کر دے اس کے مقابلہ میں وہ وضوء کتنا گھٹیا اور بے نور ہے جو صرف اعضاء وضوء ہی کو پاک کرتا ہو اسی لئے آگے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بغیر بسم اللہ کا وضوء کچھ وضوء نہیں ہے۔

(۹۱) عن ابی هريرة رضی الله عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم یا اباهريرة اذا توضأت فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك لا تبرح تكتب لك الحسنات حتى تحدث من ذلك الوضوء

(رواہ الطبرانی فی الصغیر واسنادہ حسن[2])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ... (ایک بار مجھ سے) فرمایا: ابوہریرہ! جب تم وضوء کیا کرو تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ لیا کرو۔ تمہارے محافظ فرشتے اس وقت تک برابر تمہارے لئے نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک یہ وضوء ٹوٹ نہ جائے۔ (معجم صغیر للطبرانی باسناد حسن)

---

[1] مشکوۃ مع شرح المرقاۃ ج ۱ ص ۳۲۱، [2] مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۲۰

(۹۲) وعن رباح بن عبد الرحمٰن بن ابی سفیان بن حویطب عن جدته عن ابیها (سعید بن زید) قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیہقی)

حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء (کچھ وضوء) نہیں ہے۔

(تشریح) حدیث نمبر ۹۰ صفحہ ۳۴۵ کی تشریح دیکھئے۔

وضوء کے ساتھ مسواک کا اہتمام

وضوء کے آداب و سنن میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کی تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی کی ہو جتنی مسواک کے متعلق کی ہے۔ اور آپؐ نے خود بھی اس کا بے حد اہتمام فرمایا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ منھ کے سواء بیرون جسم میں کوئی اور حصہ ایسا نہیں ہے جہاں اس قدر رطوبت اور غذا کے بقیہ اجزاء جمع رہتے ہوں اور ہوا نہ لگنے کی وجہ سے چونکہ منھ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اس لئے آدمی بدبودار اور گندے منھ سے جب تلاوتِ قرآن مجید کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو یہ بات خدائے تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے اور پاکیزہ مخلوق فرشتے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔ مسواک میں جسمانی صحت کے بے شمار فائدوں کے علاوہ ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ خدا کو راضی کرنے والی ہے اور عبادتوں کے اجر و ثواب میں اضافہ کرنے والی ہے۔

(۹۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتھم بالسواک مع کل صلوٰۃ۔

(رواہ البخاری واللفظ لہ ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت اور پریشانی کا خیال نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیدیتا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) یہ حدیث قدرے فرق سے ابھی اوپر گذر چکی ہے۔ حدیث نمبر ۸۰ صفحہ ۳۴۴ ملاحظہ فرمایئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوبی حکم تو یقیناً نہیں فرمایا لیکن حکم کے علاوہ ترغیب و تاکید کے جتنے طریقے ہو سکتے ہیں وہ سبھی اختیار فرمائے ہیں۔ ہمیں عملاً اس کا اتنا ہی اہتمام کرنا چاہیئے جتنا کسی واجب کا کیا جاتا ہے۔

(۹۴) وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب۔ (رواہ النسائی واحمد والدارمی والشافعی واحمد وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان ورواہ البخاری تعلیقا مجزوما)[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک منھ کو پاک صاف کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے۔ (نسائی، احمد، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بخاری تعلیقاً وغیرہم)

(تشریح) یعنی آخرت کا فائدہ تو یہ ہے کہ خدا اس سے خوش ہوتا ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ منھ کی گندگی دور ہو جاتی ہے اور طبرانی نے معجم اوسط و معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے اس روایت کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں ومجلاۃ للبصر بھی ہے۔ یعنی آنکھوں کی روشنی بڑھانے والی ہے ـــــ آنکھ، کان اور دانتوں کا آپس میں بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ کسی ایک میں کوئی اچھائی یا برائی پیدا ہوتی ہے تو دوسرے پر بھی اس کے اثرات ضرور پڑتے ہیں۔[2]

---

[1] الترغیب، مشکوۃ ص ۴۴، الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۲ ص ۳۴۱، تخریج العراقی علی الاحیاء ج ۱ ص ۱۱۸

[2] الترغیب و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۲۰

(۹۵) وعن ابی ایوب رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الختان، والتعطر، والسواك والنکاح۔

(رواہ الترمذی وقال حسن غریب واحمد والبیہقی فی شعب الایمان[۱])

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں (۱) ختنہ کرانا (۲) خوشبو لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) اور نکاح کرنا۔ (ترمذی، احمد، بیہقی)

(تشریح) ختنہ اور نکاح کا بیان تو انشاء اللہ اپنی جگہ پر آئے گا. خوشبو سے جو فرحت وسرور اور روح کو تازگی محسوس ہوتی ہے وہ ہر صاحب ذوق پر ظاہر ہے. عبادات کے وقت خوشبو کا استعمال بہت پسندیدہ ہے۔ حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا تو معمول تھا کہ وضوء کے بعد مشک کا استعمال کرتے تھے[۲]

اور مسواک کے متعلق اس سے بڑھ کر اور کیا خوبی ہوگی کہ سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہونے کے ساتھ ساتھ سابقہ انبیاء کرام کی بھی سنت ہے۔

(نوٹ) حدیث میں جو لفظ "ختان" آیا ہے اسے بعض راویوں نے "الحیا" اور بعض نے "الحناء" بھی نقل کیا ہے۔ مصنف نے آگے الترغیب فی النکاح الخ میں بھی یہ روایت نقل کی ہے وہاں لفظ "الحناء" (بالحاء المہملۃ والنون) ہے۔ لیکن حافظ عراقی اور حافظ ابن

---

[۱] الترغیب والجامع الصغیر، [۲] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن یزید بن ابی عبید ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۰) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مکحول سے ایک روایت میں مرسلا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے اور خوشبو استعمال کرنے کا حکم دے دیتا۔ (اتحاف السادۃ ج ۲ ص ۳۴۹)

حجر وغیرہ نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔[1]

(۹۶) وعن شریح بن ھانی قال قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا بای شئ کان یبدأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل بیتہ قالت بالسواک۔

(رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ[2])

شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے۔؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ سب سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

(مسلم، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجۃ، صحیح ابن حبان)

(تشریح) مسند احمد کی ایک روایت میں "اذا دخل بیتہ" کے بعد "لیلا" کا لفظ بھی ہے[3] جس کا مطلب یہ ہوا کہ رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت آپ مسواک کرتے تھے اور اس وقت مسواک کرنے کی حکمت یہ ہے کہ سونے سے پہلے مسواک کر لی جائے تو منہ میں غذا کے جو اجزا باقی رہ جاتے ہیں وہ صاف ہو جاتے ہیں اور صبح تک منہ میں بدبو پیدا نہیں ہوتی اسی طرح بیوی سے ملنے بات چیت کرنے میں بھی منہ صاف ستھرا ہونا ہی بہتر ہے۔

(۹۷) وعن زید بن خالد الجھنی رضی اللہ عنہ قال ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من بیتہ لشئ من الصلوٰت حتی یستاک۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر قال الحافظ المنذری باسناد لاباس بہ وقال الہیثمی رجالہ موثقون[4])

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نماز کیلئے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۳۰۳، حاشیہ سنن ترمذی ص ۴، ۱۷ عن قوت المغتذی۔ ابواب النکاح۔ [2] الترغیب ومنتقی الاخبار مع شرحہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۰

[3] شرح المواہب اللدنیۃ ج ۷ ص ۲۸۵

[4] الترغیب ومجمع الزوائد۔ کتاب الصلاۃ۔ باب ما جاء فی السواک ج ۲ ص ۹۹

بھی گھر سے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک کہ مسواک نہ کرلیں۔

(طبرانی فی الکبیر)

(۹۸) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ[1] صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل رکعتین رکعتین ثم ینصرف فیستاک۔

(رواہ ابن ماجۃ والنسائی ورواتہ ثقات واحمد والحاکم وقال صحیح علی شرطہما وتعقبہ مغلطائی[1] وفی روایۃ:۔

(۹۹) عن ابن عباسؓ قال کان النبی صلی اللہ[1] علیہ وسلم یستاک بین کل رکعتین من صلوٰۃ اللیل۔ (رواہ ابونعیم باسناد جید[2])

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی) نماز دو دو رکعت کرکے پڑھتے تھے اور اس کے بعد مسواک کرتے تھے اور ابونعیم کی روایت میں ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد مسواک کرتے تھے۔ (ابن ماجہ، نسائی، احمد، حاکم، ابونعیم)

(تشریح) آدمی جب سو کر اٹھتا ہے تو منہ میں کچھ نہ کچھ بو پیدا ہو جاتی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ تہجد کے لئے اٹھتے وقت بھی مسواک کا استعمال فرماتے تھے چنانچہ احمد اور ابویعلی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ کان لا ینام الا والسواک عندہ فاذا استیقظ بدأ بالسواک[3]

یعنی جب آپؐ سوتے تھے تو مسواک آپؐ کے پاس ضرور ہوتی تھی اور بیدار ہونے کے بعد پہلا کام مسواک کرنا ہی ہوتا تھا۔ اسی طرح تہجد سے فارغ ہونے کے بعد بھی دوبارہ آرام فرمانے سے پہلے مسواک کا استعمال ہوتا تھا اور ابونعیم کی روایت میں جو یہ آیا ہے کہ ہر دو

---

[1] من الترغیب وشرح المواہب ج ۷، ص ۲۸۵ ، [2] شرح المواہب ج ۷، ص ۲۸۵

[3] مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸ ۔ کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی السواک۔

رکعت کے بعد مسواک کرتے تھے ممکن ہے ایسا بھی کبھی کبھی ہوتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی چونکہ بہت لمبی ہوتی تھی اس لئے ہو سکتا ہے کہ آپ انتہائی نظافتِ طبع کی وجہ سے اتنی دیر میں دوبارہ مسواک کا تقاضہ محسوس کرنے لگتے ہوں۔

(۱۰۰) وعن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت بالسواك حتى خشيت ان يكتب علي۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وفیہ لیث بن ابی سلیم قال الہیثمی وہو ثقۃ مدلس وقد عنعنہ)[1]

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مسواک کے متعلق (اس قدر بار بار) حکم ہوا ہے کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔ (احمد، طبرانی فی الکبیر)

(۱۰۱) وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا تسوك ثم قام يصلي قام الملك خلفه فيستمع لقرائته فيدن منه۔ اوكلمة نحوها۔ حتى يضع فاه على فيه فما يخرج من فيه شئ من القرآن الا صار في جوف الملك، فطهروا افواهكم للقرآن۔

(رواہ البزار باسناد جید لاباس بہ وروی ابن ماجۃ بعضہ موقوفا قال الحافظ المنذری "ولعلہ اشبہ" وقال العراقی وابوبکر الہیثمی "رجالہ ثقات وروی ابن ماجۃ بعضہ الا انہ موقوف وہذا مرفوع" ورواہ السجزی فی الابانۃ وابونعیم وابومسلم الکجی فی السنن)[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] من الترغیب ومجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸؛ [2] مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۹، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۴۸، خلاصہ اس کلام کا یہ ہے کہ حافظ عراقی اور حافظ ابوبکر ہیثمی تو اس کو یقین کے ساتھ مرفوع کہتے ہیں اور حافظ منذری کو اس کے مرفوع ہونے میں شبہ ہے۔

فرمایا بندہ جب مسواک کرتا ہے پھر نماز پڑھنے کھڑا ہوجاتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کی قرائت سنتا ہے اور اس کے بہت قریب آجاتا ہے یہاں تک کہ اس کے منہ پہ اپنا منہ رکھ دیتا ہے۔ قرآن مجید کا جو بھی لفظ اس (نمازی) کے منہ سے نکلتا ہے (سیدھا) فرشتے کے پیٹ میں پہنچتا ہے اسلئے تم اپنے منہ قرآن مجید کے لئے صاف ستھرے رکھا کرو۔

(بزار باسناد جید)

(تشریح) جس طرح تتلی پھول کی اور پروانہ شمع کا عاشق ہوتا ہے اسی طرح خدا کی یہ نورانی مخلوق فرشتے بھی تلاوت و ذکر اور اعمال خیر کے عاشق ہیں جہاں بھی اس طرح کی مجلسیں دیکھتے ہیں فوراً آ جا پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی ایک روایت ذکر کے بیان میں تفصیل سے آئے گی ــــــ اب جو بندہ اچھی طرح وضوء کرکے پاک صاف ہوگیا مسواک کے ذریعہ اپنا منہ بھی اس نے صاف ستھرا کرلیا نماز کی نیت باندھ لی اور کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول ہوگیا تو یوں سمجھئے کہ وہ ملکوتی دنیا میں پہنچ گیا اور فرشتوں کا نہایت محبوب بن گیا۔ اب اس میں اور فرشتوں میں کسی طرح کا فاصلہ نہیں رہا اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ فرشتے لپک رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

نماز کی قیمت بڑھانے میں مسواک کا اثر

(۱۰۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فضل الصلوٰۃ بالسواک علی الصلوٰۃ بغیر سواک سبعون ضعفا۔

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان و ضعفہ والبزار وابو یعلی والحاکم وصححہ وانکروا ذلک علیہ ولکن الذہبی لم یتعقب علیہ فی تلخیصہ للمستدرک، وابن خزیمہ فی صحیحہ وقال فی القلب من ہذا الخبر شیٔ وابن زنجویہ فی کتاب الترغیب والحارث بن ابی اسامۃ فی مسندہ وابن عدی فی الکامل وابو نعیم و

رجالہ ثقات[1])

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز مسواک کر کے پڑھی جاتی ہے وہ بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز سے ستر درجہ بہتر و افضل ہے۔

(احمد، بیہقی، بزار، ابو یعلی، حاکم، ابن خزیمہ، ابن زنجویہ، ابن عدی، ابو نعیم)

(۱۰۳) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لان اصلی رکعتین بسواک احب الی من ان اصلی سبعین رکعۃ بغیر سواک۔ (رواہ ابو نعیم فی کتاب السواک باسناد جید)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جو دو رکعتیں مسواک کے ساتھ پڑھوں وہ مجھے بغیر مسواک کی ستر رکعتوں سے زیادہ پسند ہیں۔

(ابو نعیم فی کتاب السواک باسناد جید)

(۱۰۴) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتان بالسواک افضل من سبعین رکعۃ بغیر سواک (رواہ ابو نعیم فی السواک قال المنذری اسنادہ حسن وذکرہ الہیثمی بہذا اللفظ عن البزار من روایۃ عائشۃ وقال رجالہ موثقون واخرجہ الدارقطنی فی الافراد عن ام الدرداء بہذا اللفظ قال العزیزی اسنادہ حسن[2] قلت وفی الباب عن ابی ہریرۃ عند ابن عدی فی الکامل وابن النجار والدیلمی فی مسند الفردوس فی حدیث وعن انس

---

[1] الترغیب، مشکوٰۃ ص ۴۵، اتحاف السادۃ ج ۲ ص ۳۴۸، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی للساعاتی ج ۱ ص ۲۹۴، المقاصد الحسنۃ ص ۲۶۴ بلفظ صلاۃ بسواک الخ، الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۲ ص ۳۶۳ و ج ۳ ص ۱۹ وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸ ولم یتعقب علیہ۔

[2] السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹۰

وابن عمر وجبیر بن نفیر مرسلاً[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو رکعتیں جو مسواک کرکے پڑھی جائیں وہ بغیر مسواک کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔ (ابونعیم فی کتاب السواک باسناد حسن)

(تشریح) جس کام میں محنت و مشقت زیادہ ہو عام قاعدہ ہے کہ اس کی قدر و قیمت اور اجر و ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عمدگی خوشنمائی اور سلیقہ مندی بھی بڑی اہم چیز ہے۔ ایک کام بہت معمولی توجہ اور کوشش سے اگر بہت عمدہ ہو سکتا ہے تو اس معمولی توجہ کی بھی بہت اہمیت ہوگی۔ مسواک کا معاملہ کچھ اسی طرح کا ہے اس میں اگرچہ محنت کچھ بھی نہیں ہے لیکن نماز کی خوبی و عمدگی میں اس سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان بارگاہ خداوندی میں جس منہ سے ہم کلامی کرنے والا ہے اسے پاک صاف کرکے تیار ہو جاتا ہے۔

جس طرح ہم اردو زبان میں بیسوں، پچاسوں، سیکڑوں کا لفظ بول کر محض بیس پچاس اور سو کے قریب کی کثرت مراد لیتے ہیں۔ مخصوص بیس پچاس اور سو ہی کا عدد مراد نہیں ہوتا۔[2] اسی طرح ستر کا عدد عام طور پر عربی بول چال میں کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مخصوص یہی عدد

---

[1] المقاصد الحسنۃ للسخاوی ص ۱۲۵، اتحاف السادۃ ج ۲ ص ۳۴۸، السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹۰ و ص ۲۹۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸

[2] مرزا غالب نے کہا ہے۔ ع روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں ــــــ ظاہر ہے کہ اس سے ہزار کا عدد مراد نہیں بلکہ بار بار بہت رونا مراد ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں من ترک عشقبازی و ساغر نمی کنم = صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم۔ یہاں بھی یقیناً "صد" کے لفظ سے سو کا عدد مراد نہیں ہے۔ تقریبی کثرت مراد ہے۔

مراد نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ یہاں اس سے کثرت ہی مراد ہے[1] یعنی مسواک کر کے جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ بغیر مسواک کی نماز سے بدرجہا بہتر اور بہت زیادہ افضل ہوتی ہے۔

یہ حدیث بہت سی سندوں اور متعدد صحابہ کرام سے کئی محدثین نے روایت کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کی بعض سندیں ——— کمزور بھی ہیں لیکن کئی سندیں بہت عمدہ اور مضبوط بھی ہیں جو محدثین کی اصطلاح میں جید، حسن اور صحیح کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔ حافظ منذری نے ایک سند کو جید اور ایک کو حسن کہا ہے۔ حضرت ام الدرداء والی روایت کی سند کو علامہ عزیزی نے حسن اور حضرت عائشہؓ والی روایت کو صحیح کہا ہے اور ان تمام سندوں کے علیحدہ علیحدہ احوال سے قطع نظر ان کے مجموعہ سے یہ مضمون بلا شبہ ایک بالکل صحیح اور مستند حدیث کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے ——— لہٰذا حافظ ابن عبدالبر النمری نے "التمہید" میں حافظ ابن معین کے حوالے سے جو اسے باطل و بے اصل کہا ہے علامہ سخاوی کا اس کے متعلق یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ "یہ بات اس کے صرف بعض طُرق (سندوں) کے متعلق صحیح مانی جاسکتی ہے"[2] یعنی کسی ایک آدھ سند کے کمزور ہونے سے اس کے متن و مضمون کے مقام پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

کامل وضوء کرنے کی تاکید اور اسے ادھورا چھوڑنے پر وعید

(۱۰۵) عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال حبذ المتخللون من امتی قالوا وما المتخللون یا رسول اللہ؟ قال المتخللون فی الوضوء والمتخللون من الطعام اما تخلیل الوضوء فالمضمضۃ والاستنشاق وبین الاصابع و اما تخلیل الطعام فمن الطعام۔ انہ لیس شیٔ اشد علی الملکین من

---

[1] قالہ المناوی والعزیزی وغیرہما ——— (السراج المنیر ج ۲ ص ۳۶۳)

[2] المقاصد الحسنۃ ص ۱۲۵ صلاۃ بسواک الخ۔

ان یریا بین اسنان صاحبھما طعاما وھو قائم یصلی۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ ورواہ الطبرانی فی الکبیر ایضاً واحمد عن ابی ایوب وعطاء مرفوعاً باختصار ورواہ فی الاوسط عن انس ومدار طرقہ کلھا علی واصل بن عبد الرحمن الرقاشی قال الہیثمی ضعیف وقال المنذری وثقہ شعبۃ وغیرہ)[1]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجمع کے سامنے) تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کے "متخللین" کو مبارک باد اور خوش خبری ہے ـــــ صحابۂ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ متخللین سے کون لوگ مراد ہیں؟ ارشاد ہوا کہ جو لوگ وضوء میں خلال کرتے ہیں اور کھانا کھانے کے بعد خلال کرتے ہیں۔ وضوء کا خلال تو یہ ہے کہ کلی کی جائے، ناک میں پانی ڈالا جائے اور (ہاتھ پاؤں کی) انگلیوں میں (انگلیاں ڈال کر ان کے بیچ) میں پانی پہنچایا جائے ـــــ اور کھانے کا خلال یہ ہے کہ غذا کے ذرات کی صفائی کیا جائے ـــــ دیکھو! (اعمال لکھنے والے[2]) دونوں فرشتوں کو یہ بات سخت ناگوار ہے کہ ان کا ساتھی کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے دانتوں کے اندر غذا کے اجزاء نظر آرہے ہوں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(تشریح) کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اگرچہ خلال نہیں کہلاتا لیکن لغت کے لحاظ سے یہ بھی خلال میں شامل ہے اس لئے کہ اس میں بھی پانی دانتوں اور ناک کے نتھنوں کے اندر داخل ہو کر میل کچیل کو صاف کرتا ہے ـــــ کھانے کے بعد دانتوں کے درمیان غذا کے جو اجزاء باقی رہ جاتے ہیں اگر وہ صرف کلی کرنے اور

---

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۵۔

[2] السراج المنیر ج ۲ ص ۲۰۳۔

مسواک کرنے سے صاف ہو جائیں تو یہی کافی ہے اور اگر کوئی چیز دانتوں کے اندر ایسی پھنس گئی ہے کہ کسی چیز سے کریدے بغیر نہیں نکل سکتی تو اسے کسی تنکے وغیرہ سے نکال کر صاف کرنا چاہیئے۔

(۱۰۶) وعن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لتنتهكن الاصابع بالطهور او لتنتهكنها النار۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط مرفوعاً وفی الكبير موقوفاً باسناد حسن)[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یا تو تم انگلیوں کے درمیان وضوء (کا پانی) خوب اچھی طرح پہنچایا کرو ورنہ (جہنم کی) آگ خوب خوب ان انگلیوں میں پہنچائی جائے گی ــــــ (طبرانی فی الاوسط مرفوعاً وفی الکبیر موقوفاً باسناد حسن)

(۱۰۷) وعن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم رأی رجلا لم يغسل عقبيه فقال ويل للاعقاب من النار۔ (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے (وضوء کیا مگر) ایڑیاں نہیں دھوئیں تو آپؐ نے فرمایا (ایسی) ایڑیوں کے لئے جہنم کی ہلاکت وبربادی ہے۔

(بخاری ومسلم)

(۱۰۸) وعن عبد الله بن حارث بن جزء الزبيدی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ويل للاعقاب وبطون الاقدام من النار۔

(رواه ابن خزيمة فی صحيحه والطبرانی فی الكبير ورجاله ثقات)[2]

---

[1] قاله المنذری والہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۶،

[2] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۰،

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایڑیوں اور قدم کے اندر والے
حصے کے لئے جہنم کی ہلاکت و بربادی ہے۔ (ابن خزیمہ، طبرانی)

(تشریح) اعضاء وضوء میں اکثر حصے تو ایسے ہیں جن پر پانی پڑتے ہی خود بخود
بآسانی سب جگہ پہنچ جاتا ہے لیکن بعض حصے ایسے ہوتے ہیں جن پر اگر خاص طور پر
ارادۃً توجہ کرکے پانی نہ پہنچایا جائے تو وہ خشک رہ جاتے ہیں جیسے ایڑی، پاؤں کے
تلوے اور انگلیوں کے درمیان کی جگہ۔ اس لئے ان احادیث میں ان جگہوں کے
متعلق خاص تاکید فرمائی گئی تاکہ ان جگہوں کی طرف سے غفلت نہ ہو جائے۔

ناقص وضوء کے برے اثرات

(۱۰۹) وعن ابی روح الکلاعی رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم صلاۃ نقرأ فیھا بسورۃ الروم فلبس علیہ بعضھا فقال انما لبس علینا
الشیطان القراءۃ من اجل اقوام یاتون الصلاۃ بغیر وضوء۔ فاذا اتیتم الصلاۃ
فاحسنوا الوضوء۔

(رواہ احمد ورجالہ محتج بھم فی الصحیح ورواہ النسائی عن ابی روح عن رجل)[1]

حضرت ابو روح کلاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھاتے وقت سورہ روم پڑھی۔ آپ کو اس میں
اشتباہ ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ شیطان نے ہماری
قرأۃ میں شبہ ڈال دیا اور اس کا سبب وہ لوگ ہیں جو وضوء کئے بغیر نماز
کو آجاتے ہیں۔ لہذا جب تم لوگ نماز کو آؤ تو اچھی طرح وضوء کرکے
آیا کرو۔ (احمد، نسائی)

[1] الترغیب و مجمع الزوائد ج ا ص ۲۴۱،

(تشریح) جماعت میں چونکہ سب کی نماز ایک دوسرے سے مل جاتی ہے اس لئے اگر کسی میں کوئی خوبی ہے تو اس سے سب کو فائدہ ہوتا ہے اور اگر کوئی نمازی اپنے ساتھ کوئی برائی لے کر آتا ہے تو اس کے اثرات بھی دوسروں پر پڑتے ہیں۔ غور کیجئے کہ وضوء کے ناقص ہونے کا اثر کہاں تک ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قراءۃ میں شبہ واقع ہوگیا:۔

مسند احمد میں اسی روایت کے دوسرے الفاظ ہیں — "وضوء کئے بغیر آجاتے ہیں" کے بجائے یہ ہے کہ اچھی طرح وضوء کئے بغیر آجاتے ہیں اور دراصل یہی مراد ہے لیکن جب اعضاء وضوء میں سے کوئی حصہ خشک رہ جائے تو وضوء کا ہونا نہ ہونا برابر ہی ہے اس لئے — روایت میں "وضوء کئے بغیر آجاتے ہیں" کے الفاظ اختیار فرمائے گئے۔

وضوء کے بعد کی دعاء

(۱۱۰) عن[۱] عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما منکم من احد یتوضاء فیبلغ او فیسبغ الوضوء ثم یقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء۔

(رواہ مسلم واللفظ لہ وابو داؤد والنسائی والترمذی والدارمی[۲] وابن ماجۃ وابن ابی شیبۃ وابن السنی وزاد ابوداود والنسائی[۳] وابن السنی ثم یرفع بصرہ

---

[۱] الترغیب والترھیب کے تمام نسخوں میں یہ روایت لفظ "رُوِیَ" کے ساتھ لکھی گئی ہے اور جیسا کہ مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے کہ مصنف کی اصطلاح میں یہ روایت کے ضعیف ہونے کی علامت ہے حالانکہ یہ روایت صحیح ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ یہاں لفظ رُوِیَ غلطی سے لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

[۲] سنن دارمی ص ۹۷، [۳] حصن حصین ص ۶۸، ابن السنی ص ۹۔

الی السماء ثم یقول فذکرہ وزاد الترمذی اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔ (الحدیث تکلم فیہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو بھی کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے اور اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ کہے:۔

اَشھد ان لا اِلٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اللّٰھمّ اجعلنی من التوابین وَاجعلنی مِنَ المتطھّرِیْنَ۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے اپنی طرف توجہ کرنے والوں اپنے سے لو لگانے والوں میں سے بنا دے اور مجھے پاک بازوں میں سے بنا دے۔

تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں در کھل جاتے ہیں۔ جس سے چاہے داخل ہو جائے۔

(مسلم ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی شیبہ، ابن السنی)

(نوٹ) آسمان کی طرف نظر اٹھانے کے الفاظ صرف ابوداود، نسائی، دارمی، اور ابن السنی کی روایت میں ہیں اور " ورسولہ " کے بعد کی دعاء صرف ترمذی کے یہاں ہے اور ابن السنی کی ایک روایت میں بھی حضرت ثوبان سے مروی ہے۔

(تشریح) خدائے کریم اور اس کے نبی امین نے مختلف پیرایوں میں اس بات کا جگہ جگہ اہتمام کیا ہے کہ کوئی نیک عمل بتایا ہے تو آس پاس کہیں بد عملیوں کی صفائی کے لئے توبہ استغفار کی تعلیم بھی دے دی ہے اگر کہیں حقوق اللہ کی تاکید کی گئی ہے تو حقوق العباد کی طرف بھی توجہ دلا دی ہے۔ اسی طرح یہاں جسم کی پاکیزگی کا

ایک عمل بتایا گیا تو اس کے ساتھ روح کی نورانیت وجلاء اور ایمان کی تازگی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ دے دی گئی ـــــــ اس لئے مناسب ہے کہ یہ دعاء پڑھتے وقت اس کا مفہوم بھی ذہن میں رہے اور اس کی طرف دل ودماغ بھی متوجہ ہوں۔ اگلی حدیث میں ایک دعاء اور ارشاد فرمائی گئی ہے۔

(۱۱۱) وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ــ وفیہ ــ من توضأ فقال سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا الٰه الا انت استغفرك واتوب اليك ـ كتب فی رق ثم جعل فی طابع فلم يكسر الى يوم القيامة ـ (رواه الطبرانی فی الاوسط ورواته رواة الصحیح واللفظ له ورواه النسائی فی الیوم واللیلة[1] وفی آخره ـ ختم عليها بخاتم فوضعت تحت العرش فلم تكسر الى يوم القيامة ـ وصوب النسائی وقفه علی ابی سعید ورواه الحاكم وصححه وقال موقوف[2])

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اس کے بعد کہا:۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا الٰه الا انت	اے اللہ تو پاک ہے اور تو ہی ہر تعریف کا مستحق ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں

[1] الترغیب میں اسی طرح حصن حصین میں صرف لفظ نسائی ہے جس سے ان کی سنن ہی سمجھ میں آتی ہے لیکن حافظ ابوبکر ہیثمی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت نسائی نے کتاب الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔ [2] الترغیب فی "الترغیب فی کلمات یقولهن بعد الوضوء" ص ۱۰۲ وفی "الترغیب فی قراءة سورة الكهف" ج ۲ ص ۲۰۶، ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۹، قلت مثل هذا الابقال الا بخبر فلو صح وقفه فهو مع ذلك فی حكم المرفوع ـ واللہ اعلم ـ وقد رواه ابن السنی مثل رواية النسائی مرفوعاً ـ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۹) اور علامہ جزری نے حصن حصین میں یہ روایت حاکم اور نسائی ہی سے لی ہے لیکن موقوف ہونے کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے حالانکہ ان کے یہاں اس کا خاص اہتمام ہے۔

استغفرك واتوب اليك ۔	میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

تو اس کے یہ الفاظ ایک ورق میں لکھدیئے جائیں گے پھر اس تحریر کو سیل بند کر کے عرش کے نیچے رکھ دیا جائے گا اور یہ مہر قیامت کے دن تک نہیں توڑی ـــــ جائے گی۔

(طبرانی فی الاوسط بسند صحیح والنسائی فی کتاب الیوم واللیلۃ والحاکم)

(تشریح) ایک تیسری دعاء نسائی اور ابن السنی نے حضرت ابو موسی اشعری رضؓ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کا پانی پیش کیا۔ آپ نے وضوء کیا اور یہ دعا پڑھی :-

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي[1]	اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے گھر میں کشادگی دے اور میری روزی میں برکت عطا فرما۔

لیکن فرق یہ ہے کہ نسائی نے اسے وضوء کے بعد کی دعاء قرار دیا ہے اور ابن السنی نے[2] وضوء کے درمیان کی۔ ان دعاؤں کے علاوہ اور جو چند دعائیں اور اذکار وضوء کے

---

[1] رواہ النسائی وابن السنی فی کتابیہما عمل الیوم واللیلۃ باسناد صحیح ـــ (کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۳۶) [2] ابن السنی نے اسے "باب مایقول بین ظہرانی وضوئہ" کے تحت ذکر کیا ہے۔ (عمل الیوم ص ۸) علامہ جزری کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے دوران وضوء کی دعا قرار دیتے ہیں چنانچہ انھوں نے یہ دعاء ذکر کرنے کے بعد کہا ہے "واذا فرغ من الوضوء الخ" (اور جب وضوء سے فارغ ہو جائے تو یہ دعا پڑھے) اس کے بعد دوسری دعا لکھی ہے لیکن خود حضرت ابو موسی رضؓ کے الفاظ "فتوضأ" آپ نے وضو کیا اس کے خلاف کا پتہ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم ـــ نووی نے کتاب الاذکار میں کہا ہے کہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

دوران مشہور ہیں سب بے اصل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں اس لئے اگر کوئی شخص انھیں پڑھنا ہی چاہے تو سنت سمجھتے ہوئے اور معمولِ نبوی خیال کرتے ہوئے نہ پڑھے اور وضوء کے بعد سورۃ القدر پڑھنے کا ذکر بھی فقہ کی متعدد کتابوں میں ہے لیکن وہ بھی بے اصل ہے۔[1]

تحیۃ الوضوء

(۱۱۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لبلال یا بلال حدثنی بارجیٰ عمل عملته فی الاسلام: فانی سمعت دُفَّ نعلیك بین یدی فی الجنة؟ قال ما عملت عملا ارجیٰ عندی من انی لم اتطهر طهورا فی ساعة من لیل او نهار الا صلّیت بذلك الطهور ما کتب لی ان اصلی۔ (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "بلال! مجھے اپنا کوئی ایسا اسلامی عمل بتاؤ جس پر تمہیں اجر وثواب کی سب سے زیادہ

---

[1] دیلمی نے مسند الفردوس میں اور فقیہ ابو اللیث نے اپنے مقدمہ میں اسے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بہت سا اجر وثواب بیان کیا ہے لیکن الفاظِ حدیث جو مراقی الفلاح میں نقل کئے گئے ہیں خود اس کے موضوع ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور سخاوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ بے اصل ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ شیخ ابراہیم حلبی جیسا محقق بھی شرح منیہ میں اسے نقل کرتے ہوئے بلا تنقید گذر گیا ہے اور مزید برآں یہ کہ انھوں نے کہا ہے فضائل کے سلسلہ میں اس طرح کی روایات قابل قبول ہیں حالانکہ یہ غلط ہے فضائل کے سلسلہ میں صرف ضعیف حدیث میں کچھ گنجائش ہے۔ موضوع و بے اصل کی نہیں جیسا کہ مقدمہ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

طحطاوی علی المراقی ص ۴۴، المقاصد الحسنہ۔ ص ۲۰۰، کبیری ص ۳۶)

امید ہو کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے ـــــ حضرت بلال نے جواب دیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اس عمل پر ہے کہ میں نے دن یا رات میں جب بھی کسی وقت وضو کیا اس وضو سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھی ـــــ

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس روایت کے جو الفاظ بخاری نے روایت کئے ہیں اس میں یہ ہے کہ آپؐ نے فجر کی نماز کے وقت حضرت بلال سے یہ بات دریافت فرمائی اور ترمذی نے حضرت بریدۃ اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہی مضمون روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ ایک روز صبح سویرے آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور یہ سوال کیا۔[1]

یہ اور اس جیسے دیگر الفاظ کی وجہ سے بعض شراح حدیث کا خیال ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے[2] لہذا یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ حضرت بلال زندگی ہی میں کس طرح جنت میں پہنچ گئے۔

(۱۱۳) وعن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یتوضاء فیحسن الوضوء ویصلی رکعتین یقبل بقلبہ ووجھہ علیھما الا وجبت لہ الجنۃ ـ (رواہ مسلم وابوداود و النسائی والدارمی[3] وابن ماجۃ وابن خزیمۃ فی صحیحہ فی حدیث)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] شرح احیاء للزبیدی ج ۲ ص ۴۶۴، [2] مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۸۴ و ص ۱۸۹

[3] سنن دارمی ص ۹۶۔

علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی کوئی شخص خوب اچھی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ اس کا دل اور اس کا چہرہ دونوں نماز کی طرف متوجہ ہوں۔ (یعنی ظاہر و باطن دونوں کی پوری توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے) تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

(مسلم ابوداود، نسائی، دارمی، ابن ماجۃ، صحیح ابن خزیمہ)

کتاب الصلوٰۃ

اذان

اذان کہنے کا اجر و ثواب

(۱۱۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لاستھموا۔ ولو یعلمون ما فی التھجیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبوًا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان میں اور صفِ اول میں کیا کچھ (فضیلت) ہے۔ اور پھر (کسی وجہ سے) بغیر تیر اندازی کے اس کا موقع نہ مل سکے تو ضرور وہ تیر اندازی بھی کریں اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ (نمازِ ظہر کے لئے) دوپہر کی گرمی میں چل کر (مسجد) آنے میں کیا کچھ (ملنے والا) ہے تو وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں۔

اور اگر انھیں پتہ چل جائے کہ عشاء اور فجر کی نمازوں پر کیا کچھ (انعامات ملنے والے) ہیں تو وہ ان نمازوں میں پہنچ کر رہیں چاہے انھیں گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) انسان کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش اسی وقت کرتا ہے جب اسے اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے اور پھر جو چیز جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے اسی قدر اس کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ بھاگ دوڑ اور زیادہ کوشش و جد و جہد کی جاتی ہے۔ یہاں ان اعمال کی قیمت ہی کے بیان کا یہ ایک انداز ہے اور یقیناً اس ابہام میں وہ بیان ہے کہ ہزار وضاحتوں میں بھی یہ تاثیر ممکن نہیں۔

"استہام" "سھم" سے بنا ہے۔ اس سے مراد وہ تیر ہوتا ہے جو قرعہ اندازی کے کام آتا ہے اس لئے حدیث کے لفظ "استھموا" کا ترجمہ قرعہ اندازی بھی کیا گیا ہے اور یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ آپس میں تیر چل جائیں اور جنگ کی نوبت آ جائے۔ لیکن حدیث کی سب سے عمدہ شرح وہ ہے جو خود حدیث سے ہو چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر لوگوں کو اذان کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس پر تلواروں سے لڑنے لگیں۔[1]

(۱۱۵) وعن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعۃ عن ابیہ ان ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال لہ انی اراك تحب الغنم والبادیۃ فاذا کنت فی غنمك او بادیتك فاذنت للصلاۃ فارفع صوتك بالنداء فانہ لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئ الا شھد لہ یوم القیامۃ۔ قال ابو سعید سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] لو یعلم الناس ما فی الاذان لتضاربوا علیہ بالسیوف (الترغیب عن مسند احمد)

(رواہ مالک والبخاری والنسائی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن ابی صعصعہ رضؓ سے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں تمہیں بکریاں لے کر جنگل میں رہنا بہت پسند ہے اس لئے جب تم بکریوں پر ہوا کرو اور نماز کے لئے اذان کہو تو بلند آواز سے کہا کرو کیونکہ موذن کی آواز دور تک جو بھی کوئی جن یا انسان یا کوئی بھی چیز سنے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ قیامت کے دن اسکے حق میں گواہی نہ دے۔ حضرت ابو سعید رضؓ کہتے تھے کہ یہ بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ——

(مالک، بخاری، نسائیؒ)

(۱۱۷) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ علیہ وسلم یغفر للمؤذن منتھی اذانہ ویستغفر لہ کل رطب ویابس سمعہ۔

(رواہ احمد باسناد صحیح والطبرانی فی الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤذن کی آواز جہاں جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور جو بھی تر اور خشک (جمادات ونباتات جاندار و بے جان) اس کی آواز سنتے ہیں وہ سب اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (احمد بسند صحیح، طبرانی فی الکبیر)

(تشریح) دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں ہر ایک کے اوپر انسانی آواز اثر کرتی ہے اور قیامت کے دن یہ تمام چیزیں اس طرح بولنے لگیں گی جیسے ریکارڈ کی پلیٹ پر گراموفون کی سوئی رکھدی جائے اور وہ بولنا شروع کر دے۔ اس لئے مؤذنوں کو ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چیزوں کو اپنا گواہ بنالیں اور

خدا کی زیادہ سے زیادہ مخلوق سے اپنی مغفرت کی دعا کرا لیں۔

(١١٧) وعن ابی هریرة رضی الله عنہ قال قال رسول صلی الله علیہ وسلم الامام ضامن والمؤذن موتمن۔ اللّٰهم ارشد الائمة واغفر للمؤذنین۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی، ورواہ ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحیہا نحوہ وروی احمد عن ابی امامة بمعناہ باسناد جید)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام (لوگوں کی نمازوں کا) ضامن ہوتا ہے اور موذن (نمازوں کے اوقات کا) امین ہوتا ہے۔ اے اللہ! اماموں کو سیدھا چلا ــــ اور موذنوں کی مغفرت فرما ــــ (ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان)

(١١٨) وعن ابی هریرة رضی الله عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اذا نودی بالصلاة ادبر الشیطان ولہ ضراط حتی لا یسمع التاذین فاذا قضی الاذان اقبل فاذا ثوب ادبر فاذا قضی التثویب اقبل حتی یخطر بین المرء ونفسہ یقول اذکر کذا اذکر کذا لما لم یکن یذکر من قبل حتی یظل الرجل ما یدری کم صلی۔ (رواہ مالک والبخاری ومسلم وابوداود والنسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان (بری طرح) گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے، یہاں تک کہ اتنی دور چلا جاتا ہے کہ جہاں اذان کی آواز نہ پہنچ سکے۔ پھر جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اقامت پڑھی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے اور اقامت پوری ہونے کے بعد پھر آجاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر اور فلاں بات یاد کر۔ ایسی ایسی باتیں نکال کر لاتا ہے جو

پہلے بالکل ذہن میں نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی کو یہ تک خیال نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھ لیں۔

(مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

(۱۱۹) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الشیطان اذا سمع النداء بالصلاۃ ذھب حتی یکون مکان الروحاء۔ قال الراوی۔ والروحاء من المدینۃ علی ستۃ وثلاثین میلا۔ رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مقام روحاء تک جا پہنچتا ہے ـــــ راوی کہتے ہیں ـــــ "روحاء" مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ (مسلم)

(تشریح) خدا تعالیٰ نے ہر چیز کی تاثیر الگ رکھی ہے۔ نماز اگرچہ اذان سے کہیں زیادہ اونچا عمل ہے لیکن خدا نے یہ تاثیر خاص اذان و اقامت ہی میں رکھی ہے کہ شیطان میں اس کی آواز سننے کی تاب نہیں، اور گوز مارنے سے اشارہ ہے انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کی طرف۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں جو روحاء کا لفظ ہے یہ اندازہ اور تخمینہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ اذان کی جگہ سے تقریباً اتنی دور چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اذان کی آواز تو اس سے بہت کم فاصلہ تک بھی نہیں آسکتی لیکن قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی چیز سے ڈر کر بری طرح بھاگتا ہے تو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا اور ضروری حدود سے بھی کہیں زیادہ دور پہنچ کر دم لیتا ہے۔

(۱۲۰) وعن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیامۃ۔ (رواہ احمد و مسلم

(وابن ماجۃ والطحاوی فی مشکل الآثار ورواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ہریرۃ رضؓ)[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں تمام لوگوں سے زیادہ اونچی ہوں گی۔

(واحمد، مسلم، ابن ماجۃ، طحاوی فی مشکل الآثار، وابن حبان عن ابی ہریرۃ رضؓ)

(تشریح) اس حدیث کی سب سے عمدہ تشریح راقم سطور کے نزدیک وہ ہے جو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے متعلق فرمایا ہے فظلت اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۔ (سورۃ الشعراء-۴) یعنی اگر ہم چاہیں تو آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے ان کی گردنیں نیچی ہو جائیں۔ اس کے مقابلہ میں مؤذنوں کو بشارت دی جا رہی ہے کہ انھیں آخرت میں اس قدر اجر و ثواب ملے گا کہ وہ گردنیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھتے ہوں گے اور انھیں قیامت کے دن عزت و سربلندی کا مقام عطا کیا جائیگا[2] اور اردو زبان کا محاورہ ہے کہ فخر سے سر اونچا ہو گیا۔ ایسی ہی سربلندی اس جگہ مراد ہے۔

(۱۲۱) وعن ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان خیار عباد اللہ الذین یراعون الشمس والقمر والنجوم لذکر اللہ ـــ (رواہ الطبرانی واللفظ لہ والبزار والحاکم وصححہ وابن شاہین)[3]

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو اللہ کی یاد کے لئے سورج چاند اور ستاروں کا خیال رکھتے ہیں۔ (طبرانی، بزار، حاکم، ابن شاہین)

---

[1] الترغیب، الجامع الصغیر، مشکل الآثار ج ۱ ص ۸۱ [2] مشکل الآثار ج ۱ ص ۸۱۔

[3] قال المنذری ہو حدیث غریب صحیح وقال الہیثمی رجالہ موثقون لکنہ معلول (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۷)۔

(تشریح) خدا کی یاد ایک عام لفظ ہے۔ یہاں خاص طور پر اس سے وہ عبادتیں مراد ہیں جو کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے نماز اور اذان۔ یعنی چاند سورج اور ستاروں وغیرہ کے ذریعہ وقت کا صحیح اندازہ کر کے خدا کی یاد میں لگتے ہیں۔

(۱۲۲) وعن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ثلاثة لا یهولهم الفزع الاکبر ولا ینالهم الحساب هم علی کثب من مسك حتی یفرغ من حساب الخلائق۔ رجل قرأ القرآن ابتغاء وجه الله وام به قوما وهم به راضون وداع یدعو الی الصلوة ابتغاء وجه الله۔ وعبد احسن فیما بینه وبین ربه وفیما بینه وبین موالیه۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر باسناد قال المنذری فیه لاباس به وقال الهیثمی فیه عبد الصمد بن عبد العزیز المقری ذکره ابن حبان فی الثقات[1])

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمی ہیں جن پر (قیامت کے دن کی) عظیم گھبراہٹ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ وہ حساب کتاب ختم ہونے تک مشک کے ٹیلوں پر (ٹہلتے) رہیں گے۔ ایک وہ شخص جس نے صرف خدا کی رضا کے لئے قرآن مجید پڑھا اور اس کے ذریعہ لوگوں کی امامت کی اس طرح کہ سب لوگ اس سے خوش تھے، دوسرا وہ شخص جو صرف رضاء الٰہی کے لئے نماز کی طرف بلاتا ہے، اور تیسرا وہ غلام (اور ملازم) جس نے اپنے رب کے اور اپنے درمیان کا معاملہ بھی درست رکھا اور اپنے اور مالکوں کے مابین کے تعلقات بھی ٹھیک رکھے۔

(طبرانی فی الاوسط والصغیر)

(تشریح) امام سے لوگوں کے خوش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ حدود شرع کے

---

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۸

اندر اندر مقتدیوں کی رعایت اور دلجوئی کا خیال رکھا جائے ـــــ نماز کی طرف بلانا عام ہے اس میں مؤذن بھی شامل ہے اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ نماز کی طرف دعوت دینا بھی۔ ـــــ غلام اور ملازم حقوق اللہ کے علاوہ حقوقِ مالکان کا بھی مکلف ہے اور درحقیقت یہ بھی خدا ہی کا مطالبہ ہے کہ مالک کا حق ادا کیا جائے اس لئے خدا کی رضا بھی اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ حدود شرع کے اندر مالک کو بھی اپنے کام سے خوش اور مطمئن رکھنے کی کوشش کی جائے۔

یہ روایت ذرا فرق سے سنن ترمذی اور مسند احمد میں بھی ہے مگر اس کی سند مخدوش ہے۔

(۱۲۳) وعن انس بن مالك رضى الله عنه قال سمع النبى صلى الله عليه وسلم رجلا وهو فى مسير له يقول الله اكبر الله اكبر۔ فقال نبى الله صلى الله صلى الله عليه وسلم على الفطرة فقال اشهد ان لا اله الا الله قال خرج من النار۔ فاستبق القوم الى الرجل فاذا راعى غنم حضرته الصلاة فقام يؤذن۔ (رواه ابن خزيمة فى صحيحه واللفظ له ومسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ایک شخص کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا (دین) فطرت پر ہے۔ پھر اس شخص نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو آپؐ نے فرمایا (یہ شخص) جہنم سے آزاد ہو گیا۔ لوگ اس شخص کی طرف دوڑ پڑے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چرواہا ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے اذان دینے کھڑا ہو گیا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ، مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ کسی سفر کا ہے جیسا کہ مسند احمد اور طبرانی کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر کہیں جنگل میں تنہا ہی ہو تب بھی اسے

اذان کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے۔ یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے جن میں سے کئی کی سندیں صحیح ہیں۔[۱]

(۱۲۴) وعن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الرجل بارض قی فحانت الصلاۃ فلیتوضأ فان لم یجد ماء فلیتیمم فان اقام صلی معہ ملکاہ وان اذن واقام صلی خلفہ من جنود اللہ ما لا یُریٰ[۲] طرفاہ۔

(رواہ النسائی وعبد الرزاق فی کتابہ واللفظ لہ وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ والبیہقی فی سننہ[۳])

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص جنگل بیابان میں ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وضو کرے اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرلے (پھر جب وہ نماز پڑھنے کھڑا ہوگا) تو اس کے دونوں (محافظ) فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور اگر اس نے اذان بھی کہی اور اقامت بھی تو اس کے پیچھے خدائی لشکر (فرشتوں) کی اتنی بڑی تعداد نماز پڑھتی ہے کہ جس کے دونوں کنارے نظر نہیں آسکتے۔

(نسائی، عبد الرزاق، سعید بن منصور، ابن ابی شیبۃ، بیہقی فی السنن)

(تشریح) جنگل میں تنہا آدمی کے لئے بھی اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت متعدد صحیح حدیثوں میں وارد ہوئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آگے آرہا ہے۔ اس

---

[۱] دیکھئے مجمع الزوائد ج ا ص ۳۲۴ تا ۳۲۶

[۲] "یری" بصیغۂ مجہول ہے اور "طرفاہ" کی ضمیر "ما" کی طرف راجع ہے۔ اس کی تائید ابو نعیم کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہاں "طرفاہم" اور "اطرافہم" کے الفاظ آئے ہیں اور مصنف عبد الرزاق ہی کی ایک روایت میں "امثال الجبال" اور ایک میں "ما یملأ الارض" آیا ہے۔

[۳] الترغیب وتدبیر الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن والملک لمولانا عبد الحی لکھنوی۔

حدیث میں جو فرشتوں کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا وارد ہوا ہے یہ بھی کئی روایات میں ثابت ہے اور ان روایات کی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں بالکل اکیلا ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کے شوق کے باوجود اپنی تنہائی کے سبب مجبور ہے اور وہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا بلکہ ابوداؤد، حاکم اور ابن حبان کی ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب پچیس گنا ہوتا ہے اور جنگل میں نماز پڑھنے کا ثواب پچاس گنا ہوتا ہے[1]۔ مصنف نے آگے بیان کیا ہے کہ بعض اہل علم نے تو جنگل میں ادا کی جانے والی نماز کو جماعت کی نماز سے بھی افضل کہا ہے[2]۔ پس اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی اگر کبھی ایسے موقع میں ہو اور نماز کا وقت آجائے تو اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کرے اور امید رکھے کہ خدا کی نورانی مخلوق بہت بڑی تعداد میں اس کے ساتھ شریک نماز ہے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعاء

(۱۲۵) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول المؤذن (رواہ الائمۃ الستۃ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم مؤذن کی آواز سنو تو جیسے وہ کہے تم بھی کہتے رہو۔ (صحاح ستہ)

---

[1]، [2] الترغیب فی الصلاۃ فی الفلاۃ ج ۱ ص ۲۶۵، مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے "تدویر الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن والملک" جس میں اس مضمون کی بہت سی روایات جمع کی ہیں اور تفصیل سے اسے ثابت کیا ہے۔

(۱۲۶) وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صل علی صلوٰۃ صلی اللہ بہا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ہو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت لہ الشفاعۃ۔ (رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو جیسے وہ کہے اسی طرح تم بھی کہو پھر (اذان سے فارغ ہونے کے بعد) مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار رحمت برساتا ہے۔ پھر میرے لئے "وسیلہ" کی دعا کرو۔ یہ (وسیلہ) جنت میں ایک (خاص) مقام ہے جو اللہ کے کسی ایک ہی بندے کو مل سکتا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں پس جس شخص نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا۔ (مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی)

(۲۷) وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال المؤذن: اللہ اکبر اللہ اکبر فقال احدکم اللہ اکبر اللہ اکبر ثم قال اشہد ان لا الہ الا اللہ قال اشہد ان لا الہ الا اللہ ثم قال اشہد ان محمدا رسول اللہ قال اشہد ان محمدا رسول اللہ ثم

لہ فتح الباری شرح بخاری اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں اور عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی کے موجودہ نسخے میں یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر (بلا واو) کی طرف منسوب کی گئی ہے اور حصن حصین کے حاشیہ الحرز الثمین سے معلوم ہوتا ہے کہ حصن حصین کے کسی محشی نے بھی اس کو حضرت عبد اللہ بن عمر کی طرف منسوب کر دیا ہے لیکن یہ غلط ہے اور تعجب ہے کہ یہ غلطی کس قدر عام ہے۔

قال حی علی الصلٰوۃ قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ثم قال حی علی الفلاح قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ثم قال اللہ اکبر اللہ اکبر قال اللہ اکبر اللہ اکبر ثم قال لا الٰہ الا اللہ قال لا الٰہ الا اللہ من قلبہ دخل الجنۃ۔ (رواہ مسلم وابوداود والنسائی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر، اللہ اکبر تو تم بھی کہو اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اور تم نے بھی کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ پھر اس نے کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللہ تم نے بھی کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللہ پھر اس نے کہا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ تم نے کہا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ پھر اس نے کہا حَیَّ علی الفلاح تم نے کہا لاحول قوۃ الا باللہ پھر مؤذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تم نے بھی کہا اللہ اکبر اللہ اکبر پھر اس نے کہا لا الہ الا اللہ تم نے بھی کہا لا الہ الا اللہ (جس نے) یہ سب کلمات دل سے کہہ لئے وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (مسلم ابوداود، نسائی)

(تشریح) اذان کے جواب میں سننے والے کو کیا کہنا چاہیئے؟ اس کے بارے میں کچھ حدیثیں تو اس مضمون کی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں گذرا اور کچھ دوسری حدیثوں میں وہ تفصیل ہے جو حضرت عمرؓ والی اس روایت میں آئی ہے لیکن چونکہ اس میں تفصیلی بیان ہے اس لئے اسی کو فوقیت حاصل ہے اور اوپر والی روایت میں جو یہ آیا ہے کہ جیسے جیسے مؤذن کہے ویسے ہی کہنا چاہیئے وہ اکثر کلمات کے لحاظ سے کہا گیا ہے اور بعض مشائخ سلوک کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ پہلے مؤذن کے کلمات بعینہٖ دہرا دیتے تھے اور اس کے بعد لاحول ولا قوۃ الا باللہ بھی کہہ لیتے تھے۔ محقق ابن ہمام نے اسی کو اختیار کیا ہے[1] کیوں کہ اس طرح دونوں قسم

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۴

کی حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔[1]

(۱۲۸) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حلت لہ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(رواہ البخاری وابو داود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ ورواہ البیھقی فی سننہ الکبری وزاد فی آخرہ انک لاتخلف المیعاد)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے :۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔	اے اللہ اس کمل دعوت اور اس قائم و دائم نماز کے رب! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت کا خاص مرتبہ عطا فرما اور آپؐ کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا۔

(بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجۃ، بیہقی فی السنن)

نوٹ :۔ دعا کے اخیر کا لفظ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ المیعاد صرف بیہقی کی روایت میں ہے

[1] لیکن علامہ انور شاہ صاحب کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ میرا معمول تقریباً پندرہ سال تک یہی رہا گر پھر میری سمجھ میں یہ آیا کہ شارع علیہ السلام کا مقصد دونوں کا جمع کرنا نہیں ہے بلکہ کسی ایک کا اختیار کرنا ہے اس لئے کبھی ایک حدیث پر عمل کر لینا چاہیئے اور کبھی دوسری پر۔ (معارف السنن للمحقق محمد یوسف البنوری ج ۲ صفحہ ۲۲۳)

اور بقیہ دعاء مذکورہ تمام کتابوں میں ہے۔

(تشریح) اس حدیث میں جو لفظ وسیلہ آیا ہے اس کی شرح دو حدیث پہلے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں گزر چکی ہے کہ یہ جنت میں ایک خاص درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندے کو ملنے والا ہے اور مقام محمود کے جس وعدہ کا ذکر ہے وہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت (۷۹) میں آیا ہے۔

اوپر حضرت عبداللہ بن عمرو رض کی روایت میں آچکا ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی اسی طرح کہو اور پھر میرے اوپر درود پڑھو اور اس کے بعد وسیلہ کی دعا کرو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اذان کے ختم ہونے اور اس کے جواب سے فارغ ہونے کے بعد پہلے درود شریف پڑھا جائے اور اس کے بعد یہ دعاء پڑھی جائے۔

اس دعاء میں والدرجۃ الرفیعۃ اور وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ اور اخیر میں برحمتک یا ارحم الراحمین جو مشہور ہے یہ کسی روایت میں ثابت نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ علامہ سخاوی وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔[1]

(۱۲۹) وعن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع المؤذن وانا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ

---

[1] حافظ ابن السنی کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ کے موجودہ نسخے (مطبوعہ حیدرآباد دکن ص ۱۵ الخ و ص ۲۷، ۳۵ لعیہ) میں الدرجۃ الرفیعۃ کی زیادتی پائی جاتی ہے لیکن یہ روایت انہوں نے اپنے استاذ امام نسائی سے لی ہے اور خود نسائی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے اس لئے راقم سطور کو شبہ ہے کہ یہ طابع یا ناشر یا مصحح کی غلطی ہے۔ بالخصوص جب کہ سخاوی کے پیش نظر ابن السنی کی یہ کتاب ہے اور انہوں نے اس کا حوالہ بھی دیا ہے اور کہا ہے کہ شفاء کے بعض نسخوں میں یہ زیادتی ہے لیکن یہ غلط ہے اور اکثر نسخوں کے خلاف ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۱۰۱)

ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولا غفر اللہ لہ ذنوبہ۔

(رواہ مسلم و ابوداود والترمذی واللفظ لہ والنسائی وابن ماجۃ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مؤذن کی آواز سن کر کہا:۔

وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا۔

اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تن تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر خوش ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

(مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)[1]

(تشریح) ابوعوانہ نے المستخرج علی صحیح مسلم میں اسی روایت کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں:۔ من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ یعنی جو مؤذن کو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے سنے اور اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے ــــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا، مؤذن کے لفظ اشھد الخ کا جواب ہے اور خود اس دعا میں لفظ "وانا اشھد" (اور میں بھی گواہی دیتا ہوں) صاف بتا رہا ہے کہ یہ مؤذن کے اشہد کے بعد

[1] السراج المنیر ج ۳ ص ۳۵۵ عن الخصال المکفرۃ للذنوب المقدمۃ والمؤخرۃ۔ للحافظ ابن حجر العسقلانی ؒ

کہا جائے گا۔ البتہ اگر اس دعا کے پڑھنے کی وجہ سے بعد کے کلمات کا جواب فوت ہوتا ہے تو اذان پوری ہونے کے بعد پڑھ لے۔

(۱۳۰) وعن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین ینادی المنادی اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ النافعۃ صل علی محمد وارض عنی رضا لا سخط بعدہ استجاب اللہ لہ دعوتہ۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وفیہ ابن لہیعۃ وفیہ ضعف)[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مؤذن کی اذان سنے اور اس کے بعد یہ کہے:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ النَّافِعَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّیْ رِضًا لَّا سَخَطَ بَعْدَہٗ۔	اے اللہ! اس پوری اور مکمل دعوت کے رب! اور صلوۃ نافعہ کے رب! درود بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ سے تو ایسا خوش ہو جا کہ اس کے بعد کوئی خفگی نہ باقی رہے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ (احمد، طبرانی، فی الاوسط)

اقامت

(۱۳۱) وعن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساعتان لا ترد علی داع دعوتہ حین تقام الصلوٰۃ وفی الصف فی سبیل اللہ۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہ والطبرانی)[2]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۲، اس حدیث کے ایک راوی ابن لہیعہ میں کچھ کمزوری ہے۔ لیکن اس کے قریب المعنی دعا ایک حدیث قبل گذر چکی ہے۔ [2] الترغیب والجامع الصغیر۔

وسلم نے فرمایا دو گھڑیاں ایسی ہیں جن میں کسی مانگنے والے کی دعا رد نہیں کی جاتی۔
(ایک اس وقت) جب نماز کے لئے اقامت کہی جارہی ہو۔ دوسرے میدان جہاد
کے اندر (مجاہدین کی) صف میں۔ (ابن حبان الطبرانی)

اذان ہوجانے کے بعد بغیر کسی مجبوری کے مسجد سے باہر جانے پر وعید

(۱۳۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال خرج رجل بعد ما اذن المؤذن فقال اما ھذا فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلاۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی۔ (رواہ احمد واللفظ لہ واسنادہ صحیح ورواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ دون قولہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ (ان کی موجودگی میں) ایک شخص اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلا تو آپ نے فرمایا: اس شخص نے بلاشبہ حضرت ابوالقاسم (محمد رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم مسجد میں ہو اور اذان ہوجائے تو تم میں سے کوئی اس وقت تک مسجد سے نہ نکلے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لے۔ (احمد بسند صحیح۔ مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے یہاں یہ حدیث صرف "نافرمانی کی ہے" تک ہے۔)

(۱۳۳) وعنہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسمع النداء فی مسجدی ھذا ثم یخرج منہ الا لحاجۃ ثم یرجع الیہ الا منافق۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح[1])

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۲ ص ۵۔

فرمایا جو شخص میری اس مسجد میں اذان سنے اور بغیر کسی مجبوری کے اس سے نکل جائے اور پھر لوٹ کر نہ آئے تو وہ منافق ہی ہو سکتا ہے۔

(طبرانی فی الاوسط بسند صحیح)

(۱۳۴) عن سعید بن المسیبؒ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یخرج من المسجد احد بعد النداء الا منافق الا لعذر اخرجتہ حاجۃ ویرید الرجوع۔ (رواہ ابوداود فی مراسیلہ)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکلنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے یا پھر وہ شخص ہو سکتا ہے جو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے (تھوڑی دیر کیلئے) جا رہا ہے اور اس کا ارادہ واپس آنے کا ہے۔ (مراسیل ابی داؤد)

(تشریح) اذان خدا کی طرف سے نماز کے لئے خانۂ خدا میں آنے کی دعوت اور بلاوا ہے اور ظاہر ہے نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان دی جاتی ہے تو جب مسجد سے باہر کے لوگوں کو بھی پکار پکار کر مسجد میں بلایا جا رہا ہو ایسے وقت میں ایک شخص مسجد میں آیا ہوا واپس باہر جا رہا ہے اور اسے کوئی مجبوری بھی نہیں ہے تو یہ شخص نہ صرف یہ کہ اس پکار کو مان نہیں رہا ہے بلکہ اس کی عملی مخالفت کر رہا ہے۔ جو لوگ اذان سن کر مسجد میں نہیں آتے ان کی بدعملی سے یہ بدعملی بہت بڑھی ہوئی ہے اور اسی لئے ایک مومن سے ایسی منافقانہ حرکت کی توقع نہیں ہے۔

یہ بات خود حدیث میں آگئی کہ کسی مجبوری سے اگر کوئی شخص جاتا ہے مگر نماز سے پہلے پہلے وہ لوٹ آئے گا تو وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اگر مجبوری ایسی ہے کہ اسے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنا کسی وجہ سے ضروری ہے یا فارغ ہو کر اس مسجد میں نہیں آسکتا تو جس مسجد میں بھی پڑھے گا اس گناہ سے انشاء اللہ بچ جائے گا۔

جن مقامات پر مسجد کی ضرورت ہو وہاں مسجد بنانے کا اجر و ثواب

مسجدیں خدا کا گھر اور اسلام کے ایک نہایت عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی کا مرکز ہیں۔ نماز پڑھنے کو تو آدمی جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ تمام روئے زمین اس امت کے لئے سجدہ گاہ ہے مگر جو خوبی جو اجر و ثواب اور متعدد و مختلف مصالح و حکمتیں مسجد کے اندر باجماعت نماز ادا کرنے میں ہیں وہ کہیں اور نہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدیں تعمیر کرنے کا اجر و ثواب اور اس کے آداب و شرائط کا بیان تفصیل سے فرمایا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان میں "جہاں ضرورت ہو" کا لفظ بڑھا کر ایک بہت اہم چیز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مسجدیں تعمیر کرنے کا اجر و ثواب سن کر ہو سکتا ہے (بلکہ بارہا ہو چکا ہے) کہ ایک شخص کو شوق پیدا ہو جائے اور وہ ایک پہلے سے موجود مسجد کے برابر میں دوسری مسجد بنا کر کھڑی کر دے تو یہ شوق کا بے محل مصرف ہے۔ مسجد ایسی جگہ بنائی جائے جہاں ضرورت ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب ممالک فتح ہوئے اور مسجدیں بنانے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر دیا کہ ان لا یبنوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ[1] یعنی ایک شہر میں دو مسجدیں اس طرح نہ بنائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے۔ یعنی دوسری مسجد اگر بنائی جائے تو اتنے فاصلہ سے بنائی جائے کہ پہلی مسجد کی جماعت پر اس سے کوئی اثر نہ پڑے۔

(۱۳۵) عن عثمان رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ علیہ وسلم من بنی مسجدا یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی مسجد بنائی اور اس سے وہ (صرف) خدا کی رضا چاہتا ہے

---

[1] تفسیر کشاف ج ۱ ص ۱۰۸، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۵۹

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک (عظیم الشان)[1] محل تعمیر فرما دیتا ہے۔

(بخاری، مسلم)

(۱۳۶) وعن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجداً قدر مفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔

(رواہ البزار واللفظ لہ والطبرانی فی الصغیر ورجالہ ثقات وابن حبان فی صحیحہ)[2]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ (کی رضا) کے لئے بٹیر کے گھونسلے کے برابر بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں شاندار محل تعمیر کر دے گا۔

(بزار، طبرانی فی الصغیر، ابن حبان)

(۱۳۷) وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی للہ مسجدا یذکر فیہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ (رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی جس میں اللہ کا ذکر (اس کی عبادت) ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک عالیشان محل تیار کر دے گا۔

(ابن ماجہ، ابن حبان)

(تشریح) جو شخص اللہ کا گھر بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کا گھر بنا دے گا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی شان کے مطابق ہی بنائے گا۔ بندہ اپنی بساط کے بقدر بنائے گا اور

---

[1] علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "بیتاً" میں تنوین تنکیر و تعظیم کے لئے ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۴۴۹)

[2] الترغیب و مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷، و تخریج العراقی علی الاحیاء ج ۱ ص ۱۲۵

احکم الحاکمین اپنے شایان شان[1]۔ لہٰذا اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہر عمل کا ثواب دس گنا ہوتا ہے تو ایک مسجد کے بدلے دس مکان کیوں نہیں فرمایا گیا۔

اور بٹیر کے گھونسلے کے برابر مسجد کا مطلب عام طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ یعنی چھوٹی سے چھوٹی مسجد بھی بنادی تب بھی وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا لیکن اس ناچیز کے خیال میں اس کا مصداق وہ مسجدیں ہیں جو بہت سے لوگوں کی شرکت سے بنتی ہیں جن میں کوئی بیچارہ دس بیس ہی پیسوں سے شرکت کرتا ہے جس کے حصے میں صرف ایک دو اینٹ آتی ہے جو یقیناً بٹیر کے گھونسلے کے برابر ہوگی۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ جس نے کم سے کم حصہ بھی لیا وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے چنانچہ ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں کمفحص قطاة او اصغر کے الفاظ ہیں یعنی بٹیر کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی۔

حضرت عمرؓ والی اس روایت کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجدیں تلاش کرکے ایسی جگہوں پر بنائی جائیں جہاں واقعی ضرورت ہو اور مسجد آباد رہ سکے۔

(۱۳۸) وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان مما یلحق المومن من عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشره اوولدا صالحا ترکه او مصحفا ورثه او مسجدا بناه او بیتا لابن السبیل بناه او نهرا اجراه او صدقة اخرجها من ماله فی صحته وحیاته تلحقه من بعد موته۔

(رواه ابن ماجه باسناد حسن واللفظ له وابن خزیمه فی صحیحه والبیهقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے ان میں سے وہ علم ہے جو دوسروں کو سکھایا اور پھیلایا ہو۔ یا نیک اولاد چھوڑی ہو یا وہ

---

[1] چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں افضل منہ اور ایک میں اوسع منہ کے الفاظ آئے ہیں (الترغیب و مجمع الزوائد ج ۲ ص ۸۷)

قرآن مجید جو (اپنے رشتہ داروں یا اور لوگوں کے پڑھنے کے لئے) چھوڑا ہو،
یا مسجد تعمیر کی ہو، یا مسافروں کے لئے کوئی مسافر خانہ تعمیر کیا ہو، یا کوئی نہر
کھدوائی ہو۔ یا جو خیرات اس نے اپنی زندگی میں زمانۂ صحت میں اپنے مال میں
سے نکال دی تھی، ان تمام اعمال کا ثواب اسے مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے گا۔

(ابن ماجہ بسند حسن، صحیح ابن خزیمہ، بیہقی)

(تشریح) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں ایسے بہت سے اعمال
بیان فرمائے ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ تمام احادیث کے مجموعے سے
ایسے اعمال کی مجموعی تعداد بعض علماء نے دس بعض نے چودہ اور بعض نے کچھ اور کم و بیش بیان
کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے اعمال کی تحدید کرنا مشکل ہے اور نہ احادیث کے الفاظ
سے کوئی تحدید معلوم ہوتی ہے خود اس روایت کے الفاظ "ان مما یلحق" میں من "تبعیضیہ
اسی کو ظاہر کر رہا ہے کہ منجملہ اور اعمال کے چند یہ بھی ہیں۔

ایسے اعمال "صدقہ جاریہ" کہلاتے ہیں اور ہر وہ عمل اس میں شامل ہے جس کا فائدہ دیرپا
ہو اور ایک عرصہ تک لوگ اس سے دینی یا دنیوی فائدے حاصل کرتے رہیں۔

مسجد کی صفائی اور اس میں خوشبو لگانے کا اجر و ثواب

(۱۳۹) عن ابی هريرة رضی الله عنہ ان امرأة سوداء كانت تَقُمُّ
المسجد ففقدها رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عنها بعد ايام
فقيل له انها ماتت فقال فهلا آذنتمونی فاتی قبرها فصلی علیها۔

(رواه البخاری و مسلم و ابن ماجة باسناد صحيح واللفظ له)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت (ام محجن[1]) مسجد
میں جھاڑو دیا کرتی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد میں نہ

---

[1] رواہ ابو الشیخ الاصبہانی عن عبید اللہ بن مرزوق ـــــ (الترغیب)

پایا تو چند روز کے بعد اس کے متعلق معلومات کیں تو کسی نے بتایا کہ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر کی۔ پھر آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کی نماز (جنازہ) پڑھی۔

(بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

(تشریح) ابن ماجہ ابن حبان اور ابن خزیمہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نیک خاتون کی خبر وفات اس لئے نہیں دی گئی تھی کہ ان کا انتقال رات میں کسی وقت ہو گیا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ صحابہ کرام کی معیت میں با جماعت ادا کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعمال میں سے سب سے زیادہ اہمیت مسجد کی جھاڑو لگانے کو دی اور ابوالشیخ الاصبہانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آخرت میں اس نے اپنے تمام اعمال میں سب سے افضل اسی کو پایا۔[1]

(۱۴۰) وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخرج اذی من المسجد بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ

(رواہ ابن ماجۃ وفی اسنادہ احتمال للتحسین)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد سے کوئی تکلیف دہ چیز نکال دی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ (ابن ماجہ)

(۱۴۱) وعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نتخذ المساجد فی دیارنا وامرنا ان ننظفہا۔

---

[1] رواہ ابوالشیخ الاصبہانی عن عبید اللہ بن مرزوق۔ (الترغیب)

(رواہ احمد باسناد صحیح والترمذی وقال حدیث صحیح[1])

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے محلّوں میں مسجدیں بنائیں اور انھیں صاف ستھرا رکھیں۔ (احمد، ترمذی)

(۱۴۲) وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تُنَظَّفَ وتُطَیَّبَ۔

(رواہ احمد والترمذی وقال حدیث صحیح وابوداؤد وابن ماجۃ وابن خزیمۃ فی صحیحہ۔ ورواہ الترمذی مسنداً ومرسلاً وقال فی المرسل ہذا اصح[2])

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (مسلمانوں) کو حکم فرمایا ہے کہ ہم محلّوں میں مسجدیں بنائیں اور انھیں صاف رکھیں اور (ان میں) خوشبو لگائیں۔

(احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجۃ، صحیح ابن خزیمۃ)

(تشریح) جن محلّوں کا فاصلہ زیادہ ہو اور ایک محلہ کے نمازیوں کو دوسرے محلہ کی مسجد میں پہنچنا مشکل ہو تو ہر محلہ والوں کو اپنی الگ مسجد بنا لینی چاہیئے۔ مسجد میں خوشبو لگانا اور عطر وغیرہ لگا کر خوشبودار کرنا مستحب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو مسجد نبوی میں دھونی دیا کرتے تھے[3] اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے جب کعبہ شریف کی تعمیر کی تو اس کی دیواروں پر مشک ملا تھا[4]

[1] الترغیب ونیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۸

[2] لکنہ رواہ غیرہ مسندا باسناد رجالہ ثقات ورواہ احمد باسناد صحیح۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۸)

[3] رواہ ابو یعلی عن ابن عمر۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱)

[4] رواہ ابن ابی شیبۃ عن ابن ابی نجیح (اعلام الساجد باحکام المساجد ص ۳۳۸، طبعۃ القاہرۃ)

حدیث میں جو لفظ "دُور" آیا ہے اس کے معنی محدثین نے عام طور پر محلے کے لئے ہیں[1] لیکن یہ لفظ گھر کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے اس سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر کرلی جائے[2] اور اسے صاف ستھرا رکھا جائے۔

مسجد کے چند آداب

(۱۴۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوماً اذ رای نخامۃ فی قبلۃ المسجد فتغیظ علی الناس ثم حکہا قال واحسبہ قال فدعا بزعفران فلطخہ بہ وقال ان اللہ عزوجل قبل وجہ احدکم اذا صلّی فلا یبصق بین یدیہ۔

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد واللفظ لہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، اچانک آپ کی نظر مسجد کی قبلہ کی طرف والی دیوار پر پڑ گئی جس پر کسی نے تھوک دیا تھا (اس کی وجہ سے) آپؐ لوگوں پر ناراض ہوئے اور پھر اسے کھرچ کر صاف کردیا۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے خیال پڑتا ہے انھوں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ — پھر آپ نے زعفران منگایا اور اس جگہ پر لگا دیا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے اس لئے اپنے سامنے تھوکا نہ کرو۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

(تشریح) آج جاہل سے جاہل دیہاتی بھی ایسی حرکت نہیں کرسکتا کہ مسجد کے اندر

---

[1] قال الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید والدور القبائل والمحال ۔ (اعلام الساجد ص ۳۸۲)

[2] ابن ماجہ نے گھروں میں نماز کی جگہ بنانے کی روایات پر "باب المساجد فی الدور" کا عنوان قائم کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۵۵)

اور وہ بھی سامنے والی دیوار پر تھوک دے پھر دورِ رسالت میں صحابۂ کرام کے قدسی گروہ میں یہ حرکت کیسے ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں اور جتنے احکام آتے تھے وہ بھی سب لوگوں کو یک ساتھ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگ صدیوں سے ان اعمال کے عادی چلے آتے ہیں اس لئے یہ باتیں عجب لگتی ہیں ورنہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب آدابِ مسجد وغیرہ کا کوئی تصور ہی نہ تھا، اس وقت ایسا ہوجانا کوئی عجب بات نہیں ۔ اور پھر مسجدیں بھی اُس وقت آج کل کی طرح پختہ اور باقاعدہ عمارت کی شکل میں اس ظاہری شان وشوکت کی نہ تھیں کچی دیواروں کی گھاس پھونس کی مسجدیں تھیں اس لئے ایسا ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

(۱۴۴) وعن ابی هريرة رضی الله عنه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا۔ (رواه مسلم وابوداؤد وابن ماجة وابن السنی)[۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو مسجد میں کسی کھوئی ہوئی چیز کا اعلان کرتا سنے تو یہ کہے کہ اللہ تیری یہ چیز واپس نہ کرے۔ اس لئے کہ مسجدیں ان کاموں کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ (مسلم، ابوداود، ابن ماجۃ، ابن السنی)

(۱۴۵) وعنه رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا رأيتم من يبيع او يبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك واذا رأيتم من ينشد ضالة فقولوا لا ردها الله عليك (رواه الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی فی الیوم واللیلۃ وا[لحاکم] والدارمی وابن خزیمه وابن حبان والحاکم وصححه علی شرط مسلم)[۲]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] الترغیب وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۴۲،

[۲] الترغیب، مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ا ص ۴۶۸،

نے فرمایا جب تم مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتا دیکھو تو کہو خدا کرے تیری تجارت نفع بخش نہ ہو اور جب تم (مسجد میں) کسی کو گمشدہ جانور کا اعلان کرتا دیکھو تو کہو اللہ کرے نہ ملے۔ (ترمذی، نسائی فی الیوم واللیلۃ، احمد، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) مسجدیں خدا کی خوشنودی اور اخروی کامیابی کے تلاش کرنے کی جگہیں ہیں یہاں آتے وقت ذہن میں دنیوی تقاضوں اور مادی خیالات وتصورات سے ذہن کو بالکل فارغ کرلینا چاہیئے یہ مسجد کے ماحول پر بڑا ظلم ہے کہ لوگوں کے اس مجمع سے آدمی اپنا کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، اسی لئے یہاں ایسے شخص کے لئے یہ بددعا کی گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنے اونٹ کے متعلق اعلان کیا تو آپ نے اس پر خفا ہو کر فرمایا "نہ ملے"[1]

تمام شراح حدیث نے اس روایت کے لفظ "ضالۃ" کا مطلب کوئی گمشدہ چیز لیا ہے اور پھر اس پر لکھا ہے کہ جو چیزیں باہر گم ہوئی ہوں ان کا اعلان مسجد میں نہ کرنا چاہیئے اور جو چیز مسجد ہی میں گم ہو گئی ہو اس میں کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے اگر اس کا اعلان آہستہ سے کر دیا جائے تو جائز ہے ـــــ اس ناچیز کی تحقیق میں لفظ "ضالۃ" صرف گمشدہ جانور کے معنی میں آتا ہے اور جانور ظاہر ہے کہ باہر ہی گم ہوگا۔ لہذا مسجد میں جو کوئی چیز گم ہو جائے اس کے اعلان کی ممانعت سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ مشہور امام لغت علامہ جوہری فرماتے ہیں:۔ الضالۃ ما ضل من البھیمۃ[2]۔ یعنی ضالۃ گمشدہ چوپائے کو کہتے ہیں۔ علامہ شوکانی نے لکھا ہے:۔ وھی مختصۃ بالحیوان[3] یعنی ضالۃ کا لفظ حیوان کے لئے مخصوص ہے۔[4]

---

[1] مسلم، نسائی، ابن ماجہ عن بریدۃ رض (الترغیب) [2] تاج العروس للزبیدی ج، ص ۱۷۱
[3] نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۶۲ [4] حدیث الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن (ترمذی، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رض، ابن عساکر عن علی رض) میں جو الکلمۃ پر ضالۃ کا اطلاق ہوا ہے یہ بطور تشبیہ واستعارہ ہے۔ جیسا کہ شراح کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۴۶) وعن مولیٰ لابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال بینا انا مع ابی سعید وھو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ دخلنا المسجد فاذا رجل جالس فی وسط المسجد محتبیا مشتبکا اصابعہ بعضھا فی بعض فاشار الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفطن الرجل لاشارۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالتفت الی ابی سعید فقال اذا کان احدکم فی المسجد فلا یشبکن فان التشبیک من الشیطان وان احدکم لایزال فی صلاۃ ما کان فی المسجد حتی یخرج منہ۔ (رواہ احمد باسناد حسن وابن ابی شیبۃ)[۱]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید کے ساتھ تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد کے بیچوں بیچ ایک شخص اپنے گھٹنوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنائے بیٹھا ہے اور اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسا رکھی ہیں ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (ہاتھ کھول کر سیدھا بیٹھنے کا) اشارہ کیا وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کو نہ سمجھا تو آپ حضرت ابوسعید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں ہو تو انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر (اس طرح) نہ بیٹھے کیونکہ یہ شیطانی طریقہ ہے۔ آدمی جب تک مسجد میں رہتا ہے وہ نماز ہی میں ہے جب تک کہ مسجد سے باہر نہ چلا جائے۔

(مسند احمد)

(۱۴۷) وعن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا توضا احدکم ثم خرج عامدا الی الصلاۃ فلا یشبکن بین یدیہ فانہ فی صلاۃ۔ (رواہ احمد وابوداود باسناد جید والترمذی واللفظ لہ وابن ماجۃ)

---

[۱] الترغیب، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵، اعلام الساجد باحکام المساجد للزرکشی ص ۳۳۲۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایک شخص نے وضو کرلیا اور وہ نماز کے ارادے سے (گھر سے) نکل پڑا تو اب اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں نہ پھنسائے کیوں کہ وہ نماز ہی میں ہے۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں دو لفظ آئے ہیں احتباء اور تشبیک دونوں گھٹنے کھڑے کر کے گھٹنوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنے کو "احتباء" کہتے ہیں اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسانے کا نام "تشبیک" ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے اس طرح بیٹھنے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن متعدد دوسری زیادہ قوی حدیثوں سے ان دونوں باتوں کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے نیز حدیثیں ایسی نقل کی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشبیک کرنا ثابت ہوتا ہے۔ جن میں سے بعض میں آپؐ نے لوگوں کی آپس کی مٹ بھیڑ کر سمجھانے کے طور پر تشبیک کی اور بعض میں باہمی تعلق کو ظاہر فرمایا اور ایک روایت میں قبر کے اندر گنہگار بندے کی پسلیوں کا آپس میں ایک دوسرے میں گھس جانا بیان فرمایا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تشبیک کی جس سے امام بخاری نے تشبیک کا جواز ثابت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب مسجد میں جائز ہے تو مسجد کے علاوہ جگہوں میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ علامہ زرکشی نے حضرت ذوالیدین کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تشبیک کی ہے۔

دونوں قسم کی روایات سامنے رکھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن روایات میں ممانعت ہے ان میں نماز کے درمیان اور نماز کے لئے آنے وقت اور مسجد میں نماز کا انتظار کرتے وقت منع کیا گیا ہے اور جن روایات سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہ سب ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد

میں کچھ دیر ذکر و تسبیح کے لئے بیٹھے اور اس میں احتباء یا تشبیک کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔ زرکشی نے حضرت ذو الیدینؓ کی روایت کا مصداق یہی قرار دیا ہے[1]

البتہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے احتباء کے طریقہ پر بیٹھنے کی ممانعت بدستور باقی رہے گی۔ جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنے سے سستی آتی ہے اور وضوء کے ذریعہ جو چستی اور فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے اور جیسا کہ حضرت کعب بن عجرہ کی روایت میں ہے کہ نماز کا انتظار بھی چونکہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ اتنی دیر بیٹھنا بھی نماز ہی کے طریقہ پر ہو۔

(۱۴۸) وعن عبد الله یعنی ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سیکون فی آخر الزمان قوم یکون حدیثهم فی مساجدهم لیس لله فیهم حاجة۔ (رواه ابن حبان فی صحیحه ورواه الحاکم عن انس ورواه البیهقی فی شعب الایمان والسنن عن الحسن البصری مرسلاً[2])

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخیر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کی (دنیوی) باتیں مسجدوں میں ہوا کریں گی۔ اللہ کو ان لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(ابن حبان، حاکم، بیہقی)

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ پر چار صفحہ کا ایک مختصر سا رسالہ "حسن التسلیک فی حکم التشبیک" لکھا ہے، علامہ محمد بن عبد اللہ زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ نے "اعلام الساجد باحکام المساجد" میں چار صفحات میں تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، دوسرے علماء نے بھی مفصل اور مختصر لکھا ہے' ان سب مباحث کا خلاصہ وہی ہے جو پیش کیا گیا ہے۔ (دیکھئے الحاوی للفتاوی للسیوطی ج ۲ ص ۱۴۹ تا ۱۵۲، اعلام الساجد ص ۳۳۱ تا ۳۳۵،

[2] الترغیب و مشکوۃ المصابیح ص ۷۱، و شرح احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰

(تشریح) آج یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آرہی ہے۔ لوگ کچھ دیر بیٹھ کر بات چیت کرنے کے لئے مسجدوں کا انتخاب کرتے ہیں کہ وہاں سکون سے بیٹھ کر بات چیت کا موقع ملے گا۔ یہ سخت غلطی ہے۔ مسجد میں تو صرف عبادت اور اللہ کے ذکر اور اس کی یاد کرنے کے لئے آنا چاہیئے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اصل مسجد سے ہٹ کر برابر میں کسی جگہ بیٹھ کر بات چیت کی جا سکتی ہے۔

نماز کے لئے مسجد میں جانا

(۱۴۹) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن وضوءہ ثم خرج عامدا الی الصلاۃ فانہ فی صلاۃ ما کان یعمد الی الصلاۃ وانہ یکتب لہ باحدی خطوتیہ حسنۃ ویمحی عنہ بالاخری سیئۃ فاذا سمع احدکم الاقامۃ فلا یسع فان اعظمکم اجرا ابعدکم دارا قالوا لم یا ابا ھریرۃ؟ قال من اجل کثرۃ الخطا۔ (رواہ مالک)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا پھر وہ نماز کے ارادہ سے چل دیا تو جب تک اس کا ارادہ نماز کا ہے اس وقت تک وہ نماز ہی میں ہے اور اس کے ایک قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی رہے گی اور دوسرے قدم سے ایک گناہ معاف ہوتا رہے گا۔ پس جب تم میں سے کوئی اقامت کی آواز سنے تو دوڑ کر نہ آئے کیوں کہ تم میں سے جس کا گھر مسجد سے جتنا زیادہ دور ہے اتنا ہی وہ اجر میں بڑھا ہوا ہے۔ (حضرت ابوہریرہؓ کے شاگردوں نے یہ سن کر سوال کیا کہ ابوہریرہ! ایسا کیوں ہے؟ فرمایا: قدموں کی زیادتی کی وجہ سے۔

(موطا امام مالک)

(۱۵۰) وعنہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا

توضأ احدکم فی بیتہ ثم اتی المسجد کان فی صلوۃ حتی یرجع۔

(رواہ ابن خزیمۃ والحاکم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے ایک شخص نے اپنے گھر میں وضوء کیا پھر وہ مسجد میں (نماز پڑھنے) آیا تو وہ واپس ہونے تک نماز ہی میں ہے۔ (ابن خزیمۃ، الحاکم)

(۱۵۱) وعن ابن عمروؓ[1] رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من راح الی مسجد الجماعۃ فخطوۃ تمحوا سیئۃ وخطوۃ تکتب لہ حسنۃ ذاھبا وراجعا۔ (رواہ احمد باسناد حسن[2] والطبرانی فی الکبیر برجال الصحیح وابن حبان فی صحیحہ[3])

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسی مسجد کی طرف جائے جس میں (نماز با) جماعت ہوتی ہو تو اس کا ایک قدم برائیوں کو مٹاتا رہتا ہے اور دوسرا قدم نیکیاں لکھتا رہتا ہے جاتے ہوئے بھی۔ اور لوٹتے ہوئے بھی۔ (احمد، طبرانی، ابن حبان)

---

[1] الترغیب کے تمام نسخوں میں یہ نام عبداللہ بن عمر (بلا واو) ہے البتہ مشکوۃ کے حاشیہ پر الترغیب کا جو نسخہ ۱۳۱۰ھ میں مطبع نظامی دہلی سے شائع ہوا ہے اس میں کاتب نے ایک نسخہ "عمرو" لکھا ہے لیکن مسند احمد دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ "عبداللہ بن عمرو" (واو کے ساتھ) ہے۔ علامہ ہیثمی نے بھی "عبداللہ بن عمرو" ہی نقل کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹) الترغیب میں یہ بلا شبہ طباعت کی غلطی ہے۔ حسن اتفاق سے احمد محمد شاکر کے یہاں بھی اس پر مختصراً یہی تنبیہ ملی۔

(مسند احمد ج ۱۰ ص ۱۴۷ طبع جدید ۱۳۷۰ھ)

[2] قال المنذری اسنادہ حسن وقال الہیثمی رجال الامام احمد فیھم ابن لہیعۃ۔ واللہ اعلم۔

[3] الترغیب و مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹

(۱۵۲) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکل خطوۃ تخطوہا الی الصلوٰۃ صلاۃ۔ (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قدم جسے تو نماز کی طرف (چلتے ہوئے) اٹھاتا ہے وہ (بذاتِ خود) نماز ہے۔ (ابن خزیمہ)

(۱۵۳) وعن سعید بن المسیب عن رجل من الانصار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا توضا احدکم فاحسن الوضوء ثم خرج الی الصلاۃ لم یرفع قدمہ الیمنیٰ الا کتب اللہ لہ حسنۃ ولم یضع قدمہ الیسریٰ الا حط اللہ عنہ سیئۃ فلیقرب احدکم او لیبعد فان اتی المسجد فصلی فی جماعۃ غفر لہ فان اتی المسجد وقد صلوا بعضا وبقی بعض صلی ما ادرک واتم ما بقی کان کذلک فان اتی المسجد وقد صلوا فاتم الصلوٰۃ کان کذلک۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سعید بن المسیبؒ ایک انصاری صحابیؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے ایک شخص وضوء کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے۔ پھر وہ نماز کے لئے چلتا ہے تو اس کے ہر داہنے قدم پر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور بائیں قدم پر اللہ اس کا ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے پس تم میں کوئی شخص (مسجد کے) قریب رہے یا دور رہے — اگر یہ شخص مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور اگر یہ شخص آیا اور (جماعت کے لوگ) نماز کا کچھ حصہ پڑھ چکے تھے اور کچھ باقی تھا تو اسے چاہیئے کہ جتنی نماز مل گئی ہے اسے (جماعت کے ساتھ) پڑھ لے اور بقیہ کو پورا کرلے۔ اور اس پر بھی وہی اجر ملے گا۔ اور اگر یہ مسجد میں آیا اور

لوگ نماز پڑھ چکے تھے تو یہ (اپنی) نماز پڑھ لے اور اس پر بھی وہی اجر مل جائے گا۔ (ابوداؤد)

(تشریح) نماز کا عمل ظاہر ہے کہ آدمی مسجد میں پہنچنے کے بعد ہی شروع کرتا ہے لیکن اپنے کام کو چھوڑ کر کھڑا ہونا وضوء کرنا مسجد کی طرف چلنا یہ سب چونکہ نماز ہی کی وجہ سے ہے اس لئے یہ سب نماز ہی کے حساب میں لگتا ہے اور خدا تعالیٰ اس پر بھی وہی اجر و ثواب دیتا ہے جو نماز پر دیتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں خیال گذرے کہ واپسی میں تو چونکہ نماز کا ارادہ نہیں ہے اس لئے گھر لوٹنے میں جو وقت لگا وہ کسی کام میں نہ آیا تو اس کے متعلق بھی فرمادیا کہ گھر سے چلنے کے بعد سے لوٹنے تک پورا وقت چونکہ نماز ہی کے حساب میں ہے اس لئے جانا اور آنا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ جیسے سنن ابی داؤد کی ایک حدیث میں ہے ــ قفلۃ کغزوۃ[۱]۔ یعنی اسلام کے مجاہد سپاہی کا واپس لوٹنا بھی اجر و ثواب میں جہاد ہی کی طرح ہے۔

اور آخری روایت میں جو فرمایا گیا ہے کہ اگر جماعت کے ارادے سے چلا تھا اور اتفاق سے جماعت نہ مل سکی تو جماعت سے نماز پڑھنے کا اجر اب بھی مل جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نیت باجماعت نماز پڑھنے کی تھی اور اسی ارادے سے چلا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیت اور کوشش کی قدر کرتے ہوئے اپنے فضل سے اسی اجر و ثواب کا مستحق بنا دیا۔

(۱۵۴) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ احدکم فیحسن وضوءہ فیسبغہ ثم یاتی المسجد لا یرید الا الصلوٰۃ الا تبشبش[۲]

---

[۱] رواہ احمد و ابوداؤد والحاکم عن ابن عمرو۔ و اسنادہ صحیح۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۵۶)

[۲] یہ لفظ ترغیب کے اکثر نسخوں میں "تبشبش" اور اس کے بعد والا لفظ "تبشبش" ہے لیکن مشکوٰۃ کے حاشیہ پر طبع شدہ نسخہ ترغیب میں دونوں لفظ اسی طرح ہیں جیسے یہاں لکھے گئے اور آگے حدیث نمبر (۱۶۵ ص ۴۱۱) میں بھی لفظ اسی طرح "تبشبش" آرہا ہے۔ ابن الاثیر نے بھی نہایہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

اللہ الیہ کما یتبشبش اھل الغائب بطلعتہ (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو بھی کوئی شخص وضوء کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے اور (تمام ضروری حصوں پر) پانی پہنچاتا ہے پھر صرف نماز ہی کے ارادے سے مسجد میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے کسی دور گئے ہوئے آدمی کے آنے سے اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔

(ابن خزیمہ)

(۱۵۵) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال خلت البقاع حول المسجد فاراد بنو سلمۃ ان ینتقلوا قرب المسجد فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لھم بلغنی انکم تریدون ان تنتقلوا قرب المسجد قالوا نعم یارسول اللہ قد اردنا ذلک فقال یا بنی سلمۃ دیارکم تکتب آثارکم دیارکم تکتب آثارکم۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کے آس پاس کے کچھ مکانات خالی ہوئے تو (انصاری صحابہ کا ایک قبیلہ) بنو سلمہ (جو مسجد سے کچھ فاصلہ پر آباد تھا اس) نے مسجد کے قریب منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے ہو! انھوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ارادہ کیا تو ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بنو سلمہ! اپنے (موجودہ) گھروں ہی میں آباد رہو۔ تمہارے نشاناتِ قدم لکھے جاتے ہیں۔ اپنے (موجودہ) گھروں ہی میں آباد رہو تمہارے نشاناتِ قدم لکھے جاتے ہیں۔

(مسلم)

(تشریح) اس مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں جن میں اس سے بھی زیادہ

واضح الفاظ میں یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ مسجد سے گھر کا دور ہونا زیادہ بہتر ہے اور اس کے برخلاف مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ فضل الدار القریبۃ من المسجد علی الدار الشاسعۃ کفضل الغازی علی القاعد[1]۔ یعنی جو مکانات مسجد سے دور ہیں ان کے مقابلہ میں قریبی مکانات کو وہ فضیلت حاصل ہے جو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے آدمی کے مقابلہ میں اسلامی فوج کے سپاہی کو حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں باتیں اپنے اپنے لحاظ سے درست ہیں مسجد سے دور رہنے والا جب پانچوں وقت چل کر مسجد میں آئے گا تو اس کا ہر ہر قدم نیکیاں واجب کرے گا اور گناہ معاف ہوں گے۔ اسی طرح مسجد کے قریب رہنے والا ہر نماز کے وقت اذان کی آواز سنے گا۔ اور آسانی سے مسجد میں آسکے گا بارش دھوپ اور دوسری رکاوٹوں کا اثر بھی زیادہ نہ ہوگا ـــــ اس لئے جو شخص ایسا مستعد اور باہمت ہو کہ کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرے اور ہر حال میں مسجد میں پہنچ کر ہی رہے اس کے حق میں تو دور کا گھر بہتر ہے اور جو شخص اتنی ہمت نہیں رکھتا یا مصروفیت یا کسی اور وجہ سے بار بار دور سے آنا اس کے لئے دشوار ہو تو اس کے لئے مسجد کے قریب رہنا بہتر ہے۔

اس مذکورہ سبب کے علاوہ بعض اور بھی سیاسی واجتماعی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کی رو سے کبھی قریب رہنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی دور رہنا تقاضائے مصلحت ہوتا ہے چنانچہ یہاں ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ قبیلہ مدینہ کے کنارے پر واقع تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کے اطراف خالی چھوڑے جائیں۔ شہر کی حفاظت کا تقاضہ تھا کہ وہاں آبادی رہے[2]۔

---

[1] مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶ عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ۔ [2] علامہ طیبی نے یہی وجہ بیان کی ہے ـــــ (مرقاۃ ج اص ۴۵۰) اور ابن ماجۃ کی روایت کے صاف الفاظ ہیں کرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعروا المدینۃ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناپسند ہوئی کہ یہ لوگ (اطراف) مدینہ کو غیر آباد چھوڑ دیں۔ (سنن ابن ماجۃ ص ۵۷ عن انس)۔

اسی طرح بسا اوقات جب مسجد کے قریب مسلم آبادی نہیں ہوتی اور مسجد کی حفاظت خطرے میں ہوتی ہے تو اس وقت مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ کچھ گھر مسجد کے آس پاس مسلمانوں کے ضرور ہوں اور بلاشبہ یہ اجتماعی مصلحتیں ان مذکورہ بالا اسباب کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور زیادہ قابل لحاظ ہیں اور جہاں اس طرح کا کوئی تقاضہ نہ ہو وہاں آدمی کو اختیار ہے خواہ آمدورفت میں قدموں کی کثرت کے اجر و ثواب کی رعایت کرتے ہوئے دور آباد ہو جائے یا سہولت کی خاطر مسجد کے قریب بار ہنے لگے۔

(۱۵۶) وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من غدا الی المسجد اوراح اعد اللہ لہ فی الجنۃ نزلا کلما غدا اوراح۔

(رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے تو ہر ہر بار کے جانے پر اللہ تعالی اس بندے کے لئے جنت میں مہمانی کا انتظام فرماتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

(۱۵۷) وعن سلمان رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضأ فی بیتہ فاحسن الوضوء ثم اتی المسجد فھو زائر اللہ وحق علی المزور ان یکرم الزائر۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسانید احدہا جید وقال الہیثمی احد اسانیدہ رجالہ رجال الصحیح[1])

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے گھر میں وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر مسجد میں آیا تو وہ

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۱

اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے ـــــ اور میزبان کے ذمہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اعزاز واکرام کرے۔ (طبرانی بسند صحیح)

(تشریح) مسجدیں خدا کا گھر ہیں اور ان میں آنے والا خدا کا مہمان ہے، جب ایک معمولی آدمی اپنے مہمان کا اعزاز واکرام ضروری سمجھتا ہے تو کریموں کا کریم کیا اپنے مہمان کو بغیر اعزاز واکرام کے چھوڑ دے گا؟ لیکن یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی چونکہ خدا کے ان انعامات کی متحمل نہیں اس لئے وہ ان تمام انعامات ونوازشات کو آخرت کے لئے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان انعامات کا مستحق بنائے۔ آمین۔

(۱۵۸) وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال احب البلاد الی اللّٰہ تعالیٰ مساجدھا وابغض البلاد الی اللّٰہ اسواقھا (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے تمام مقامات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند مسجدیں ہیں اور دنیا کے تمام مقامات میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔ (مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی دراصل اعمال کی بناپر ہوتی ہے۔ ایک شخص اگر شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق کاروبار کرتا ہے تو وہ ایک بہت بڑی نیکی کر رہا ہے اور بہت سی حدیثوں میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ لیکن عام حالات میں چونکہ بازار میں بدعملی کے محرکات زیادہ ہوتے ہیں اور وہاں کا ماحول غفلت اور خدا فراموشی کی دعوت دیتا ہے اس لئے اس کو ناپسندیدہ کہا گیا ہے اور مسجد میں خواہ کوئی اپنی ناسمجھی سے بدعملی کرلے لیکن وہ ماحول یقیناً نیکی اور عبادت کا ہے اس لئے اس کو پسندیدہ مقام فرمایا گیا۔ گویا یہاں مکانی حالات وخصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

اندھیری راتوں میں مسجد میں جانے کا اہتمام

(۱۵۹) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامہ ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی ورواہ ابن ماجہ عن انس، قال الترمذی غریب وقال المنذری رجال اسنادہ ثقات قلت وذکرہ النووی فی ریاض الصالحین وقد التزم ان لا یذکر فیہ الا حدیثا صحیحا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ رات کے اندھیروں میں کثرت سے مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انھیں قیامت کے دن ملنے والے پورے پورے نور کی خوشخبری سنادو۔ (ابوداؤد، ترمذی وابن ماجہ عن انس)

(تشریح) خدا تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب کے سلسلے میں ایک اصول مشابہت و مماثلت کا بھی ہے جیسا عمل ہوتا ہے اسی کی مناسبت سے اس سے ملتا جلتا انعام بھی عطا فرمایا جاتا ہے۔ یہاں اسی مناسبت سے نور کامل کی بشارت دی گئی ہے، اندھیری راتوں میں عشق الٰہی کی جس چنگاری کو لے کر خدا کے دیوانے اس کے گھر کے چکر لگاتے ہیں وہ چنگاری ایک دن نور کامل بن کر آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگانے والی ہے۔

نماز کے لئے جانے کے وقت کی دعا

(۱۶۰) وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج من بیتہ الی الصلاۃ فقال اللھم انی اسألک بحق السائلین علیک وبحق ممشای ھذا فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاءً ولا سمعۃً وخرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک فاسألک ان تعیذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت ۔ اقبل اللہ علیہ بوجہہ واستغفر لہ

سبعون الف ملك -

(رواه ابن ماجة واحمد وابن السنی قال المنذری فی اسناده مقال وحسنہ شیخنا الحافظ ابو الحسن قلت وحسنہ العراقی فی تخریج الاحیاء)[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے اور یہ پڑھے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَّخَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ فَاَسْأَلُكَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ -	اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے مانگنے والوں کے طفیل اور اپنے اس چلنے کے طفیل کیونکہ میرا یہ چلنا تکبر اور سرکشی کے طور پر نہیں ہے اور نہ کسی کو دکھانے یا کسی کو سنانے کے لئے ہے میں تو تیری ناراضی اور خفگی سے بچنے کے لئے اور تیری رضا اور خوشنودی کی تلاش میں نکلا ہوں - پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ سے بچا اور میری خطاؤں کو بخش دے اسلئے کہ تیرے سوا کوئی خطائیں بخشنے والا نہیں ہے ----

تو اللہ تعالیٰ اپنی نظر خاص سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں -

(ابن ماجة، احمد، ابن السنی بسند حسن)

[1] الترغیب فی الصلاۃ ج ۱ ص ۲۱۵ وفی الذکر والدعاء ج ۲ ص ۴۶۹، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۲۴، احیاء العلوم تخریج العراقی ج ۱ ص ۲۹۲، کتاب النصیحۃ للحافظ المقدسی ص ۱۴۶،

مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے وقت کی دعاء

(۱۶۱) عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاصی رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول اذا دخل المسجد اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم قال فاذا قال ذٰلک قال الشیطان حفظ منی سائر الیوم۔ (رواہ ابوداؤد قال النووی اسنادہ جید)[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے :۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ؀	میں خدائے بزرگ وبرتر کی اور اس کی ذاتِ کریم اور اس کی سلطنت قدیم کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے یہ مجھ سے دن بھر کے لئے محفوظ ہو گیا۔ (ابوداؤد)

(۱۶۲) وعن ابی اسید رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک واذا خرج فلیقل اللّٰھم انی اسألک من فضلک ۔ (رواہ مسلم)[2]

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ ۔ (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے

---

[1] الترغیب کتاب الذکر والدعاء ج ۲ ص ۵۹۴ وکتاب الاذکار للنووی ص ۲۶

[2] ماخوذ از مشکوۃ المصابیح ص ۶۸

دروازے کھولدے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں) (مسلم)

(تشریح) ایک دوسری حدیث میں مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے[1]۔ حافظ ابن السنی کی ایک روایت میں ہے کہ مسجد سے نکلتے وقت مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ پڑھنا چاہیئے[2] (یعنی اے اللہ! میں ابلیس سے اور اس کے لشکروں سے تیری پناہ چاہتا ہوں) علامہ نووی نے ان دعاؤں میں ترتیب یہ قائم کی ہے کہ پہلے حدیث ۱۶۱ والی دعا پڑھے[3] پھر درود شریف اور اس کے بعد حدیث ۱۶۲ والی دعا پڑھے۔

اور نکلتے وقت پہلے مسجد کے دروازے پر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ (تا آخر) پھر درود و سلام اور اس کے بعد اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ[4]

مسجدوں سے تعلق و وابستگی

(۱۶۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ الامام العادل وشاب نشأ فی عبادۃ اللہ عزوجل ورجل قلبہ معلق بالمساجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعتہ امرأۃ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

---

[1] نسائی، ابن حبان، حاکم، ابن السنی عن ابی ہریرۃ ۔۔ ابوداؤد عن ابی حمید او ابی اسید علی الشک ۔۔ (حصن حصین بحاشیہ حرز الثمین ص ۷۸) [2] عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۴ عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ [3] کتاب الاذکار ص ۲۵ [4] امام ابن السنی نے ابواب اس ترتیب سے قائم کئے ہیں کہ خود بخود یہی ترتیب قائم ہو جاتی ہے۔ (عمل الیوم ص ۳۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات (قسم کے) لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ایسے دقت سایہ عطا فرمائے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کے (خاص) سائے کے علاوہ کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱) منصف حکمراں (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی ہو (نوجوانی کے ایام خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں گذارے ہوں) (۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو۔ (۴) ایسے دو دوست جن کی دوستی محض اللہ کے لئے ہو ان کا ملنا اور بچھڑنا سب اسی نیک محبت کے نتیجہ میں ہو۔ (۵) وہ (جوان) آدمی جسے کسی صاحبِ منصب و جمال عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا ہو اور وہ یہ کہہ (کر اپنا دامن بچا گیا ہو کہ) میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ شخص جس نے (راہِ خدا میں) کچھ خرچ کیا اور اس کو اس قدر چھپایا کہ (خود) اس کے بائیں ہاتھ کو یہ پتہ نہ چلا کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا۔ (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) بہہ پڑیں۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) ان ساتوں میں سے ہر ایک کا عمل دیکھئے۔ ہر عمل اپنی جگہ نہایت قیمتی اور اللہ سے غیر معمولی محبت و تعلق کا آئینہ دار ہے۔

(۱) ایک شخص کے ہاتھ میں قوت و اقتدار ہے اپنی من مانی کرنے کے لئے ہر طرح کے اسباب و ذرائع موجود ہیں کسی کی روک ٹوک اور پابندی بھی نہیں ہے۔ ایسے میں ایک شخص صراطِ مستقیم پر قائم ہے اور عدل و انصاف کی پاکیزہ اور بے داغ زندگی گذار رہا ہے۔ یقیناً خدائے ذوالجلال کی محبت اور اس کا خوف اس کے دل میں پوری طرح جاگزیں ہے۔

(۲) عنفوانِ شباب کا پرکشش زمانہ، دنیا بھی اپنی تمام دل فریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ حاضر، سر سے پیر تک جسم کے ریشے ریشے میں مقناطیسی جذب و انجذاب ہر دم رواں دواں

ایسے تلاطم خیز طوفان میں بھی جس مرد مومن کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور وہ زندگی کا یہ خطرناک دور اسی پامردی اور ثبات قدمی کے ساتھ گذار دیتا ہے۔ سوچئے کیا کوئی معمولی ایمان والا شخص اس پل صراط سے پار ہو سکتا ہے۔

(۲) ایک شخص مسجد سے جا چکا ہے، وقت بھی نماز کا نہیں ہے، کام دھندے کی بھی گہما گہمی اپنے پورے شباب پر ہے مگر ایک بندہ صالح ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر میں اس کی نظر گھڑی پر جا رہی ہے، بار بار دھوپ کو دیکھ رہا ہے کہ کہیں نماز کا وقت نہ گذر جائے۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی ہوئی ہے اور یہ بھی بظاہر پوری طرح اسی میں مشغول ہے مگر دل میں کچھ اور ہی لگن لگی ہے ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں، منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ نفس بدخو، نکند بکس نگاہے

(۳) دنیا کے ہر انسان کا دل کسی دوسرے دل کی طرف کھنچتا ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسان کروڑوں انسانوں سے ملتے جلتے ہیں مگر کس قدر خوش نصیب ہیں وہ دو دل جو اپنے پیدا کرنے والے ہی کی خاطر ملتے ہیں اور اسی کے تقاضوں کے مطابق جدا ہوتے ہیں ان کا ملنا جلنا کسی نہ کسی دینی مقصد اور انسانی ہمدردی کے لئے ہی ہوتا ہے اور کسی سے ترکِ تعلق بھی کرتے ہیں تو اسی لئے کہ خدا کو اب اس سے ملنا پسند نہیں ہے۔

(۵) نوجوان آدمی خود ہی اپنے سینے میں کیا کچھ کم طوفان رکھتا ہے کہ اس پر کسی پیکرِ جمال کی نہ صرف آمادگی بلکہ از خود دعوت ہو پھر کوئی گھٹیا اور ذلیل عورت نہیں بلکہ صاحبِ منصب و وجاہت کہ جس سے قریب ہونا یوں بھی باعث عزت و افتخار ہوتا ہے مگر ان سب چیزوں کو قربان کر کے جو ایک شخص اپنا دامن بچائے جاتا ہے یقیناً اس کے دل میں خدائے قدوس کا بے پناہ استحضار اور غیر معمولی خوف ہے۔

ایک شخص اپنی محنت کی کمائی کسی کار خیر میں لگا رہا ہے، لوگوں میں نیکنامی اور سربلندی

حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے چاہے تو خوب اعلان بھی ہو سکتا ہے بلکہ اپنے نام کا کتبہ لگوا کر سیکڑوں برس بعد تک کے لوگوں میں اپنی سخاوت کے چرچے کرا سکتا ہے مگر وہ آخرت کی ہزار ہا ثواب پر نظریں جما لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کے سامنے اظہار تو کجا خود اپنے جسم کے بھی دوسرے اعضاء کو اس کی داد و دہش کی گویا خبر نہیں ہوتی۔ سوچئے اس شخص کو اخروی انعامات کا کس قدر پختہ یقین ہوگا۔

ایک شخص تنہائی میں ہے جہاں اس کی نیکی اور گریہ و زاری کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہاں یہ خدا کو یاد کرتا ہے اور اپنے اوپر اس کے انعامات اور اپنی طرف سے اس کے احکامات کی خلاف ورزیوں کا تصور کرتا ہے اور بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔

بلاشبہ یہ خوش نصیب لوگ خدا کے خاص سایۂ ابرِ کرم کے مستحق ہیں۔

(۱۶۴) وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم الرجل یعتاد المساجد فاشھدوا لہ بالایمان قال اللہ عزوجل اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (رواہ الترمذی واللفظ لہ وقال حسن غریب[1] وابن ماجۃ واحمد وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والبیہقی فی السنن[2])

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجدوں کا عادی ہے (کثرت

---

[1] حکاہ المنذری وحکی العراقی عن الترمذی حدیث حسن ولکن قال الذہبی فی تلخیص المستدرک فیہ دراج وھو کثیر المناکیر۔ (شرح احیاء العلوم للزبیدی ج ۳ ص ۳۰)

[2] الترغیب وشرح الاحیاء ج ۳ ص ۳۰

سے وہاں آتا جاتا ہے اور دیر دیر تک وہاں نماز، ذکر اور تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتا ہے) تو تم اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسجدوں کو وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، بیہقی)

(۱۶۵) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما توطن رجل المساجد للصلاۃ والذکر الا تبشبش اللہ الیہ کما یتبشبش اھل الغائب بغائبھم اذا قدم علیھم (رواہ ابن ابی شیبۃ وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہا والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی شخص مسجدوں کو نماز اور یادِ الٰہی کی غرض سے (گویا) اپنا وطن بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے آنے سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے گھر کے لوگ اپنے کسی دور گئے ہوئے عزیز کے واپس آنے پر خوش ہوتے ہیں۔

(ابن ابی شیبۃ، ابن ماجۃ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) تمام روئے زمین میں وطن ہی اک ایسا مقام ہوتا ہے کہ جہاں انسان عموماً سب سے زیادہ قلبی سکون اور راحت محسوس کرتا ہے لیکن جس بندۂ مومن کے دل میں خدا کی محبت پوری طرح رچ بس گئی ہے اور نماز اور ذکر و تلاوت کے لئے مسجد میں کثرت سے جاتے آتے اسے مسجد میں وطن جیسی انسیت محسوس ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ بھی اپنے اس مہمانِ عزیز کے آنے سے بے حد خوش ہوتا ہے۔

(۱۶۶) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان للمساجد اوتادا الملائکۃ جلساؤھم ان غابوا یفتقدوھم وان مرضوا عادوھم وان کانوا فی حاجۃ اعانوھم۔ (رواہ احمد ورواہ الحاکم من حدیث عبد اللہ بن سلام)

وقال صحیح علی شرط الشیخین۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کچھ لوگ) مسجدوں کے کھونٹے ہوتے ہیں، فرشتے ان کے ہم نشیں ہوتے ہیں اگر وہ غائب ہوجائیں (کسی وقت مسجد میں نہ آسکیں) تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوجائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں، اور اگر انھیں کوئی ضرورت ہوتی ہے (یعنی کوئی مشکل پیش آجاتی ہے) تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔ (احمد۔ وحاکم عن عبداللہ بن سلام)

(تشریح) جس طرح کھونٹا ہمیشہ ایک جگہ گڑا رہتا ہے اسی طرح خدا کے کچھ بندے گویا مسجد کے کھونٹے ہوتے ہیں کہ بہت کم کہیں جاتے ہیں بس زیادہ وقت ان کا مسجد ہی میں گذرتا ہے۔

فرشتوں کا عبادت کو آنا یا ان نیک بندوں کی ضرورتوں میں مدد کرنا گو ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا لیکن بیماری کے زمانے میں ان کا صبر وشکر کے ساتھ مطمئن رہنا کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کا ان کے ذہنوں پر سوار نہ ہونا یہ اسی کے اثرات ہوتے ہیں اور ضرورتوں میں کام آنا یہی ہے کہ خدا کی یہ نورانی مخلوق باذن الٰہی ایسے حالات واسباب مہیا کرتی ہے کہ کام آسان ہوتے چلے جاتے ہیں اور مشکلات خود بخود حل ہوتی چلی جاتی ہیں۔

بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں آنے کی ممانعت

(۱۶۷) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اکل من ھٰذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یقربن مسجدنا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بو دے یعنی لہسن میں سے کھائے وہ ہماری مسجد

کے قریب (بھی) نہ آئے۔ (بخاری، مسلم)

(۱۶۸) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اکل البصل والثوم والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتاذی مما یتاذی منہ بنوادم۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پیاز، لہسن اور گندنا[1] کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب (بھی) نہ آئے کیونکہ جس چیز سے انسان اذیت پاتے ہیں اس سے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مسجد نماز اور عبادت کا پاکیزہ اور روحانی ماحول ہے جہاں انسانوں کے ساتھ ایک بڑی تعداد خدا کی نورانی مخلوق یعنی فرشتوں کی بھی ہوتی ہے، تو جن چیزوں سے اس آب وگِل سے پیدا شدہ انسان کو بھی اذیت ہوتی ہو اندازہ کیجئے اس نورِ مجسم ملائکہ پر ان چیزوں کی وجہ سے کیا گذرتی ہوگی ـــ فرشتے اگرچہ انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں[2]۔ لیکن مسجد میں خصوصیت سے ان کا اجتماع رہتا ہے اس لئے وہاں کی رعایت زیادہ ہونی چاہیئے۔

---

[1] اسے بعض مقامات پر "پیازی" اور "پوگاٹ" بھی کہتے ہیں۔ یہ گیہوں اور چنے کی کاشت میں خودرو بکثرت پیدا ہوتا ہے اس کے پتے پیاز کی طرح مگر ذرا چھوٹے ہوتے ہیں۔ کچا اور پکا کر دونوں طرح کھایا جاتا ہے۔ پتے سبز پھول سفید اور بیج سیاہ ہوتے ہیں۔ تیز بدبودار ہوتا ہے۔ اطباء کے یہاں بطور دوا مستعمل ہے۔ بواسیر کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔ عرب میں پیاز لہسن کی طرح استعمال ہوتا ہے۔

[2] اور کیا بعید ہے کہ انسان کے محافظ (گویا باڈی گارڈ) فرشتوں اور ہر دم ساتھ رہنے والے دیگر فرشتوں کو خدا کی طرف سے اس طرح کی چیزوں کی کچھ سہار اور برداشت عطا ہوئی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے بعد بعض صحابہ کرام نے خاص طور پر لہسن کے متعلق سوال کیا کہ کیا آپ اس کو حرام قرار دیتے ہیں؟ کیوں کہ اس کی بو نسبتہً زیادہ تیز ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کھا سکتے ہو لیکن جب تک اس کی بو نہ چلی جائے مسجد میں نہ آؤ۔[1] ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جو کھانا چاہے وہ پکا کر کھائے[2]۔ طبرانی کی روایت میں ان چیزوں کے ساتھ مولی کا بھی ذکر کیا گیا ہے[3]۔ اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ مسجد میں آدمی ایسی حالت میں نہ آئے کہ اس کے منھ یا بدن کے کسی حصے سے بھی بدبو آرہی ہو خواہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کی وجہ سے ہو یا جسم و لباس کی گندگی کی وجہ سے۔

عورتیں گھروں ہی میں نماز پڑھیں

(۱۶۹) عن ام حميد امرأة ابي حميد الساعدي رضي الله عنهما انها جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله انى احب الصلاة معك قال قد علمت انكِ تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتكِ في حجرتكِ وصلاتكِ في حجرتكِ خير من صلاتك في داركِ وصلاتك في داركِ خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتُكِ في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي قال فامرت فبني لها مسجد في اقصى شئ من بيتها واظلمه وكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل۔ (رواه احمد وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما)

مشہور صحابی حضرت ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ

---

[1] صحیح ابن خزیمہ عن ابی سعید الخدری۔

[2] مسلم، نسائی، ابن ماجۃ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (الترغیب) طبرانی فی الاوسط عن انس ورجالہ موثقون (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۷)

[3] طبرانی فی الاوسط والصغیر عن جابر ــــ (الترغیب ومجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۷)

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول مجھے آپؐ کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھنا بہت پسند ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "میں بھی جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو؛ حالانکہ (قصہ یہ ہے کہ) گھر کے اندر والی سونے کی کوٹھری[1] میں نماز پڑھنا تمہارے لئے دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن میں نماز پڑھنا محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا تمہارے لئے میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (راوی) کہتے ہیں کہ انھوں نے (ام حمید نے) حکم دے دیا اور کمرے کے بالکل آخری حصہ کے اندھیرے میں جو ... جگہ ہو سکتی تھی وہاں ان کے لئے نماز کی جگہ بنادی گئی اور وہ ہمیشہ وہیں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جاملیں۔ (احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان)

(۱۷۰) وعن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر مساجد النساء قعر بیوتھن۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وفیہ ابن لہیعۃ ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم من طریق دراج[2] ابی السمح قال الحاکم صحیح)

---

[1] ایک حدیث کی شرح میں "بیت" کے یہ معنی ابن رسلان نے بیان کئے ہیں۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۳)

[2] علامہ ہیثمی نے ابن لہیعۃ اور دراج دونوں کے متعلق ایک دوسری حدیث کے تحت کہا ہے۔ حدیثہما حسن وفیہما ضعف یعنی ان دونوں میں کچھ ضعف ہے لیکن ان کی حدیث حسن ہے (ج ۷ ص ۱۷۵ کتاب التعبیر) اور حاکم نے مستدرک میں دراج عن ابی الہیثم عن ابی سعید کی دو روایتوں کو صحیح الاسناد کہا ہے اور دونوں جگہ حافظ ذہبی نے حاکم کی رائے سے اتفاق کیا ہے (مستدرک ج ۴ ص ۲۹۳ و ج ۴ ص ۵۹۶)

حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے لئے بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے آخری کونے ہیں۔

(احمد، طبرانی، ابن خزیمہ، حاکم)

(۱۷۱) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نسائکم المساجد وبیوتھن خیر لھن۔ (رواہ ابوداود)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو لیکن ان کے لئے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔ (ابوداود)

(۱۷۲) وعنہ[1] رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ وانھا اذا خرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان وانھا لا تکون اقرب الی اللہ منھا فی قعر بیتھا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت (پوری کی پوری) چھپانے کی چیز ہے اور جب یہ اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان (اور آوارہ گردوں کا شیطانی گروہ) اس کی تاک میں لگ جاتا ہے، عورت اپنے گھر کے اندرونی کونے میں جتنا خدا کا قرب پاسکتی ہے اتنا کہیں نہیں پاسکتی۔ (طبرانی فی الاوسط)

(تشریح) ان روایات میں سے اکثر سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو نماز کے لئے مسجدوں میں نہیں آنا چاہیئے اور حضرت عبداللہ بن عمر کی جس روایت میں یہ ہے کہ عورتوں

---

[1] ترغیب کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے لیکن مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵ میں یہی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے۔ اور ترمذی نے بھی یہ روایت استشرفھا الشیطان تک حضرت ابن مسعود ہی سے نقل کی ہے۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۳۷۶)

کو مسجد میں آنے سے نہ روکو اسی میں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر ہی بہتر ہیں"۔ اور حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا کی روایت میں الفاظ کی ترتیب ظاہر کرتی ہے کہ عورت کے لئے گھر کی نماز مسجد کے مقابلہ میں بہتر ہی نہیں بلکہ بدرجہا بہتر ہے اور اس روایت کے آخری الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا جو اجر و ثواب حدیثوں میں آیا ہے وہ صرف مردوں کے لئے ہے۔ حافظ ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث سے یہی ثابت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عورت کی وہ نماز سب سے زیادہ پسند ہے جو تاریک سے تاریک تر کوٹھری میں پڑھی جائے[1]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ کرنے کے کچھ ہی دن بعد فرمایا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے[2]۔

یہ باتیں آج سے چودہ سو سال قبل کی دنیا میں ہو رہی ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ آج اس مسئلہ میں کس قدر سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

فرض نمازوں کی تاکید و اہتمام اور ان کا اجر و ثواب

(۱۷۳) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) اس

---

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون ——— (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

[2] بخاری ومسلم

بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) اور نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (۵) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) لفظ "بنیاد" سے یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف یہی پانچ چیزیں پورا اسلام نہیں ہیں، اور انہی کی ادائیگی پر یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے تمام اسلامی اعمال پورے کر دیئے بلکہ یہ پانچ چیزیں تو عمارتِ اسلام کا بنیادی پتھر ہیں جس سے خود ان کی اہمیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس عمارت کی تکمیل کے لئے اور بھی بہت سے اعمال ہیں جن کی تفصیلات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

(۱۷۴) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لوان نھرا بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمس مرات ھل یبقی من درنہ شئ؟ قالوا لایبقی من درنہ شئ قال فکذلک مثل الصلوات الخمس یمحوا اللہ بھن الخطایا۔ (رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بتاؤ) اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے ایک نہر بہتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی رہ جائے گا؟ سب نے عرض کیا (حضور!) کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا: بس پانچوں نمازوں کی بھی یہی مثال سمجھو۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

(۱۷۵) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلوٰت الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ کفارۃ لما بینھن مالم تغش الکبائر۔ (رواہ مسلم والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیان کے (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہوا جائے۔

(مسلم، ترمذی)

(تشریح) یہ بات گذشتہ صفحات میں آچکی ہے کہ اس طرح اعمال کے ذریعہ جو گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے وہ عموماً صغیرہ گناہوں کی ہوتی ہے، کبیرہ گناہ چونکہ انسان کے قصد و اختیار اور ذہن کے فیصلہ کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ جب تک ذہنی طور پر اپنے اس فعل سے برات و استغفار کا اظہار نہ کر دے اس وقت تک مغفرت ایک بے معنی سی بات ہے۔ یہ بات اس حدیث میں صاف طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ البتہ نماز کے آخیر میں دعا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ میں چونکہ استغفار موجود ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس کے معنی سمجھ کر اس کے مضمون کے مطابق اپنے گناہوں پر نادم بھی ہو تو یہی استغفار تمام چھوٹے بڑے گناہوں کے لئے کافی ہے — بہر حال دل کا اپنے کئے ہوئے برے اعمال پر نادم ہونا کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے ضروری ہے۔

(۱۷۶) وعن انس بن مالك رضی الله عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان لله ملكا ینادی عند كل صلاة[1] یابنی آدم قوموا الی نیرانكم التی اوقدتموها فاطفئوها۔ (رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر من روایۃ یحیی بن زهیر القرشی قال المنذری رجاله محتج بهم فی الصحیح سواه ورواه الضیاء فی المختارة عنه[2])

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے یہاں ایک فرشتہ مقرر ہے جو ہر نماز کے وقت

---

[1] الترغیب کے کئی نسخوں میں یہ لفظ سراۃ چھپ گیا ہے، مشکوۃ کے حاشیہ والے نسخہ میں صحیح ہے۔
[2] الجامع الصغیر بشرحہ السراج المنیر ج ا ص ۴۸۳ و قال حدیث صحیح۔

یہ آواز لگاتا ہے کہ اے اولاد آدم! اٹھو! اور اپنی اس آگ کو (نماز کے ذریعہ) بجھا دو جو تم نے (اپنی بدعملیوں سے) جلا رکھی ہے۔

(طبرانی فی الاوسط والصغیر)

(تشریح) جس طرح آگ دنیا کی چیزوں کو جلا کر خاک کر ڈالتی ہے۔ اسی طرح انسان کی بدعملی بھی اس کی نیکیوں کو تباہ کر دیتی ہے اور آخرت میں انسان کے لئے جہنم کا سبب بن جاتی ہے بدعملیوں کے اثرات کے لئے بہترین تریاق نماز ہی ہے۔

(۱۷۷) وَعَنْ عَمْرِو[1] بن مُرَّةَ الجُهَنِي رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارأیت ان شهدت ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ وصلیت الصلوات الخمس وادیت الزکاۃ وصمت رمضان وقمتہ فممن انا؟ قال من الصدیقین والشهداء

(رواہ البزار وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما واللفظ لابن حبان)

حضرت عمرو بن مرۃ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا فرماتے ہیں آپ، اگر میں گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور پانچوں نمازیں پڑھوں، زکوۃ بھی ادا کرتا رہوں اور رمضان المبارک میں دن کو روزے رکھوں اور راتوں کو (نفل) نمازیں پڑھوں تو میرا شمار کن لوگوں میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا صدیقین اور شہداء میں۔

(بزار، ابن خزیمہ، ابن حبان)

[1] الترغیب والترہیب کے متعدد نسخوں میں یہ "عمر بن مرۃ" ہے مگر یہ غلط ہے یہ نام عین کے فتح اور راء کے بعد واو کے ساتھ صحیح ہے۔

(تشریح) جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں غذا جسم کے لئے یوں طاقت بخش ہے اور فلاں پھل کے یہ فوائد ہیں تو یہ شرط خود بخود ملحوظ ہوتی ہے کہ اس غذا کا اثر ختم کر دینے والی کوئی چیز نہ استعمال کی جائے یعنی بد پرہیزی نہ کی جائے۔ بالکل یہی بات یہاں بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر یہ اعمال ان کے ساتھ کے ضروری پرہیزوں کا خیال رکھتے ہوئے کر لئے جائیں تو بلا شبہ مقام صدیقیت اور مقام شہادت پر پہنچا سکتے ہیں۔

چنانچہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ اپنے کسی غلام کو کچھ سخت سست کہہ رہے ہیں آپ نے استبعاد و حیرت کے طور پر فرمایا لعّانین وصدیقین کلّا ورب الکعبۃ یعنی صدیقین بھی لعنت و ملامت کرتے ہوں گے؟ خدا کی قسم کبھی نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وارضاہ نے وہ غلام اسی وقت آزاد کر دیا۔ اور دوسرے وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عہد کیا کہ لا اعود۔ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔[1]

(۱۲۸) وعن ابی عثمان قال کنت مع سلمان تحت شجرۃ فاخذ غصنا منها یابسا فهزہ حتی تحات ورقه ثم قال یا اباعثمان الا تسألنی لم افعل هذا۔ قلت ولم تفعله؟ قال هکذا فعل بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا معه تحت شجرۃ واخذ منها غصنا یابسا فهزہ حتی تحات ورقه فقال یا سلمان الا تسألنی لم افعل هذا قلت ولم تفعله؟ قال ان المسلم اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم صلی الصلوات الخمس تحاتت خطایاہ کما تحات هذا الورق وقال اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئٰتِ ذٰلِكَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ۔

(رواہ احمد والنسائی والطبرانی ورواۃ احمد محتج بهم فی الصحیح الا علی بن زید قال الهیثمی وهو مختلف

---

[1] رواہ البیهقی فی شعب الایمان عن عائشۃ رضی اللہ عنها ——— (مشکوٰۃ ص ۴۱۵ - باب حفظ اللسان)

فی الاحتجاج بہ[1] ورد فی احمد بمعناہ عن ابی ذر باسناد جید)

ابو عثمانؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا حضرت سلمان نے درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑی اور اسے خوب ہلایا یہاں تک کہ اس کے تمام پتے جھڑ گئے، اس کے بعد بولے ابو عثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے کہا (بتا دیجئے) کیوں کیا؟ حضرت سلمان نے فرمایا میرے ساتھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا تھا میں آپؐ کے ساتھ (اسی طرح) ایک درخت کے نیچے تھا آپؐ نے اس کی ایک خشک شاخ پکڑی اور اس کو (اسی طرح) حرکت دی یہاں تک کہ اس کے سارے پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا سلمان! پوچھتے نہیں میں نے ایسا کیوں کیا؟ (حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ) میں نے سوال کیا (حضور!) فرمائیے کیوں کیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جب مسلمان (بندہ) وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ پتے جھڑ گئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "نماز[2] قائم کر دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔ (دیکھو!) یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔" (احمد، نسائی، طبرانی)

(تشریح) یہی مضمون حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے جس میں

---

[1] الترغیب و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸، مجمع الزوائد کے اپنے مقررہ اصول کے لحاظ سے یہ روایت اس میں نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس میں وہی روایتیں لی گئی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں اور یہ روایت سنن نسائی میں موجود ہے۔

[2] سورۂ ہود۔ آیت ۱۱۴۔

خزاں (پت جھڑ ہواؤں) کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شاخ کو پکڑ کر حرکت دینا بیان کیا گیا ہے۔

ہر چیز کی گندگی کے صاف کرنے کی چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ انسان کی روح پر جو معصیت کا میل کچیل چڑھ جاتا ہے اس کی صفائی نماز اور دیگر اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ اور آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی گئی اس نے ایک عام اصول بتا دیا کہ نیکیوں کا نور آجانے کے بعد گناہوں کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

(۱۷۹) وعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خمسُ صلواتٍ کتبهن اللہ علی العباد فمن جاء بهن ولم یضیع منهن شیئاً استخفافاً بحقهن کان له عند اللہ عهد ان یدخله الجنة ومن لم یات بهن فلیس له عند اللہ عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة۔
(رواہ مالک واحمد وابو داؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ ابن عبد البر)[1]

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس جو شخص ان کو ادا کرتا رہے اور ان کی کوئی چیز (نماز کے اعمال میں سے کوئی عمل) غیر اہم سمجھ کر ضائع نہ کرے تو اس کا اللہ تعالیٰ ذمہ لیتا ہے کہ وہ اسے ضرور جنت میں داخل کر دے گا۔ اور جو شخص انھیں ادا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ چاہے گا تو (بتقاضائے قانون وانصاف) اسے سزا دیدے گا اور چاہے گا بہ تقاضائے رحم وکرم اور از راہ عفو و درگزر اسے جنت میں بھی داخل کر سکتا ہے۔

(مالک، احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان، حاکم)

(تشریح) ضابطہ اور کرم دونوں کی حدیں الگ الگ ہیں۔ جو نعمت کسی کام

---

[1] الترغیب وشرح الاحیاء للزبیدی ج ۳ ص ۸

اور کسی حکم کی تعمیل کے بدلے میں ملنے والی ہو۔ ضابطہ کی رو سے وہ تعمیل حکم کے بغیر ہرگز نہیں مل سکتی لیکن کرم کے لئے کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہوتا وہ صرف چاہت اور ارادہ پر موقوف ہوتا ہے ـــــ خدائے کریم نے جنت کا داخلہ ضابطہ کے لحاظ سے اپنے احکام کی پیروی پر موقوف رکھا ہے اور اس کی وہ ذمہ داری لیتا ہے کہ پیروی کرنے کے بعد جنت کا ملنا طے ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن احکام کی تعمیل کے بغیر جنت اور اس کی نعمتوں کے خواب دیکھنا بالکل غلط اور بے ضابطہ بات ہے۔ آدمی کو تیاری ہمیشہ اصول اور ضابطہ کے مطابق کرنی چاہئے۔ کرم کے بھروسے پر عملی تیاری میں کوتاہی کرنا نفس و شیطان کا بہت بڑا فریب ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم سے زیادہ کون خدا کے کرم کا مستحق ہو سکتا ہے لیکن وہ تمام امت میں سب سے زیادہ آخرت کے لئے فکرمند رہتے تھے۔

"غیر اہم سمجھ کر ضائع کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر کوئی کوتاہی نہ کرے جو کوتاہی انسان سے نادانستہ اور بھول چوک میں ہوگئی اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

(۱۸۰) وعن عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلاۃ فان صلحت صلح سائر عملہ وان فسدت فسد سائر عملہ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند لا باس بہ ان شاء اللہ)

حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ ٹھیک نکلی تو تمام اعمال ٹھیک نکل آئیں گے اور اگر اسی میں خرابی ہوئی تو پھر تمام اعمال میں خرابی اور نقص ہوگا۔ (طبرانی فی الاوسط)

(تشریح) نماز کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نمونے اور معیار کا ہے۔ دیگر اعمال کی اچھائی یا برائی جانچنے کے لئے نماز کی اچھائی برائی دیکھ لینا کافی ہے اس لئے تمام اعمال کی پابندی

کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ اہتمام نماز کا ہونا چاہیئے۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ نماز کے اندر کسی طرح کا کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام گورنروں کے نام یہ ہدایت بھیجی تھی کہ اِنّ اھم امورکم عندی الصلوٰۃ من حفظھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع[1]۔ یعنی میرے نزدیک تمہارے تمام معاملات میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔ جو اس کی پابندی اور اہتمام کرے گا وہ دین کے اور معاملات کا بھی اہتمام کر سکتا ہے اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ دین کے دوسرے معاملات کو اور زیادہ برباد کرے گا۔

(۱۸۱) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا صلوٰۃ لمن لا طھور لہ ولا دین لمن لا صلوٰۃ لہ۔ انما موضع الصلوٰۃ من الدین کموضع الراس من الجسد۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وقال تفرد بہ الحسین بن الحکم الجبری)[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس امانت داری نہیں اس کے پاس ایمان نہیں، اور جو پاکی نہ حاصل کرے اس کی نماز نہیں اور جس کے پاس نماز (کی پابندی) نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ نماز کا درجہ تو دین کے اندر ایسا ہے جیسے بدن کے اندر سر کا۔

(طبرانی فی الاوسط والصغیر)

(تشریح) انسان کے جسم میں جو بھی عضو ناقص ہوگا اسی کے نفع سے انسان محروم رہے گا اور وہ اس کا عیب شمار ہوگا لیکن بہرحال وہ اس عیب کے باوجود زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر سر کو بدن سے جدا کر دیا جائے تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا اور اب اس کا نام انسانی لاش یا بدنِ انسانی کا ڈھانچہ ہوگا۔ اسی طرح اعمالِ دین میں سے اگر کوئی عمل کمزور رہے تو یہ بھی بلاشبہ

---

[1] رواہ مالک ——— (تیسیر الوصول ج ۲ ص ۱۴۴) [2] سکت عنہ المنذری والہیثمی ج ۱ ص ۲۹۲۔

دین کی کمزوری اور اس کا نقص ہے لیکن اس کے باوجود دین باقی رہے گا خواہ کمزور اور ناقص ہی ہو لیکن اگر اس میں سے نماز کو الگ کر دیا جائے تو وہ دین ہی باقی نہیں رہے گا بلکہ دین کی ایک خالی صورت ہوگی۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیجئے۔

(۱۸۲) وعن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عن افضل الاعمال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلاۃ قال ثم مہ؟ قال ثم الصلاۃ قال ثم مہ؟ قال ثم الصلاۃ ثلاث مرات قال ثم مہ؟ قال الجہاد فی سبیل اللہ۔ الحدیث (رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ واللفظ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور سب سے بہتر عمل کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا (سب سے بہتر عمل) نماز ہے۔ انھوں نے سوال کیا پھر کیا؟ آپ نے فرمایا پھر نماز، انھوں نے پوچھا پھر کیا؟ ارشاد ہوا پھر نماز، اسی طرح تین بار فرمایا۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ پھر کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، راہِ خدا میں جہاد کرنا ——— (رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ اللفظ)

(تشریح) بار بار اسی کو دہرانے سے اس کی اہمیت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا اور جان کی بازی لگا دینا یقیناً اپنی جگہ پر سب سے قیمتی عمل ہے لیکن عام حالات میں نماز کا درجہ اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔

(۱۸۳) وعن حنظلۃ الکاتب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حافظ علی الصلوات الخمس رکوعہن وسجودہن ومواقیتہن وعلم انہن حق من عند اللہ دخل الجنۃ او قال وجبت لہ الجنۃ او قال حرم علی النار۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجال احمد رجال الصحیح)[1]

---

[1] الترغیب ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۸

حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجدوں اور صحیح اوقات کے ساتھ پابندی کی اور (دل سے) یہ جانا کہ یہ اللہ کی طرف سے حق ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگیا (راوی کو شبہ ہے کہ یہ الفاظ فرمائے تھے) یا یہ فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی یا یہ فرمایا کہ جہنم پر وہ (یعنی اسے جلانا) حرام ہوگیا۔

اجزائے نماز کی الگ الگ فضیلتیں

احادیث میں جس طرح نماز کے فضائل بیان ہوئے ہیں اسی طرح نماز کے اجزاء کے فضائل علیحدہ بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ نماز کی فضیلت میں ظاہر ہے کہ اس کے تمام اجزاء کی بھی فضیلت آجاتی ہے مگر چونکہ اس کے تمام اجزاء ایک ہی درجہ کے نہیں ہیں بلکہ ان کے درجات میں فرق ہے اس لئے ان احادیث سے ہر ایک کے درجات کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کی الگ تاثیر و خصوصیات معلوم ہوجاتی ہیں۔

قیام

(۱۸۴) عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصلوۃ طول القنوت۔ (رواہ احمد ومسلم والترمذی وابن ماجۃ[1])

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال نماز میں سب سے بہتر لمبے لمبے قیام کرنا ہے۔ (مسلم، ترمذی)

(تشریح) لمبے قیام میں یقیناً قرآن کریم بھی زیادہ پڑھا جائے گا اس لئے بھی لمبے قیام میں زیادہ اجر ہے۔ آگے نوافل کے بیان میں آپ دیکھیں گے نفل نمازوں کو بہت سی روایات میں قیام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تہجد کو "قیام اللیل" ہی کہا جاتا ہے اس سے بھی

[1] ماخوذ از تیسیر الوصول ج ۲ ص ۲۳۶ ومشکوٰۃ ص ۷۶، والجامع الصغیر۔

قیام کی فضیلت ظاہر ہے۔

رکوع

(۱۸۵) عن ابی ذرؓ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من رکع رکعۃ او سجد سجدۃ رفع اللہ لہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ۔ (رواہ احمد والبزار بنحوہ وہو بمجموع طرقہ حسن او صحیح)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک رکوع کرتا ہے یا ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف فرما دیتا ہے۔ (احمد، بزار)

سجدہ

(۱۸۶) عن معدان بن طلحۃؒ قال لقیت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اخبرنی بعمل اعملہ یدخلنی اللہ بہ الجنۃ فسکت ثم

ؔ یہ روایت الترغیب والترہیب میں ذرا لمبی ہے اور مطرف کے واسطے سے ابوذر سے نقل کی گئی ہے لیکن تمام نسخوں میں مطرف کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے جس سے ان کے صحابی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ کسی بعد والے ناقل کی غلطی ہے۔ یہ صحابی نہیں تابعی ہیں۔

ؔ (۱) الترغیب کے تمام زیر نظر نسخوں میں "معدان بن ابی طلحہ" ہے اسی طرح تیسیر الوصول الی جامع الاصول ج ۲ ص ۱۸۶ میں بھی لفظ "ابی" کے ساتھ ہے مگر یہ غلط ہے۔ صحیح "معدان بن طلحہ" ہے۔

(۲) معدان بن طلحہ کے نام کے ساتھ الترغیب میں "رضی اللہ عنہ" بھی لکھا ہے جو اصطلاحاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ کسی ناقل کی غلطی ہے جس کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ الترغیب اور مشکوٰۃ جیسی کتابوں میں روایت کے شروع میں صحابی ہی کا نام ہوتا ہے اس لئے کسی نے انھیں صحابی سمجھ لیا ہے۔ یہ تابعی ہیں حضرت عمرؓ، ابوالدرداءؓ اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

سألته فسكت ثم سألته الثالثة فقال سألت عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال عليك بكثرة السجود فانك لا تسجد لله سجدة الا رفعك الله بها درجة وحط بها عنك خطيئة ۔

(رواہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

معدان بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جسے میں کرتا رہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کردے۔ وہ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ میں نے پھر سوال کیا وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر تیسری بار سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ کثرت سے سجدے کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیوں کہ تم اللہ کے لئے جو بھی سجدہ کروگے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ تمہیں ایک درجہ بلند کردے گا اور اس کی وجہ سے تمہاری ایک خطا معاف کردے گا۔ (مسلم، ترمذی، النسائی، ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ثوبان کا خاموش رہنا بظاہر ان کا شوق معلوم کرنے کے لئے تھا کہ اتنا اہم سوال انھوں نے یوں ہی کر ڈالا ہے یا واقعی معلوم ہی کرنا چاہتے ہیں جب انھوں نے بار بار پوچھا تو بتادیا۔

(۱۸۷) وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اقرب ما یکون العبد من ربه عزوجل وهو ساجد فاکثروا الدعاء۔ (رواہ مسلم وابوداود والنسائی)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

راد الترغیب ج ۱ ص ۲۴۹ فی الصلاۃ وج ۲ ص ۴۸۸ ۔

فرمایا بندہ اللہ رب العزت سے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے اس لئے سجدے میں خوب دعائیں کیا کرو۔

(مسلم، ابوداؤد، نسائی)

(۱۸۸) وعن ربیعة بن کعب رضی اللہ عنہ قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فآتیہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سلنی فقلت أسألك مرافقتك فی الجنة قال اوغیر ذلك؟ قلت هو ذاك قال فاعنی علی نفسك بکثرة السجود۔ (رواہ مسلم وابوداود)[1]

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سوتا تھا، اور آپ کے لئے وضو کا پانی اور دیگر کام کر دیا کرتا تھا (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو، میں نے عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں، آپ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے کہا بس یہی، آپ نے ارشاد فرمایا اچھا تو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔

(مسلم، ابوداود)

(تشریح) "اپنے نفس کے مقابلہ میں مدد" کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا نفس تو تمہیں غلط راہ پر لے جانا چاہے گا اور میں تمہیں جنت کی طرف لے جانا چاہوں گا اس لئے سجدوں کی کثرت کر کے جنت کی راہ پر چلنے میں میرا ساتھ دو۔

(۱۸۹) وعن حذیفة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من حالة یکون العبد علیها احب الی اللہ من ان یراہ ساجدا یعفر وجهه فی التراب۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ عثمان بن القاسم ذکرہ ابن حبان فی الثقات)

[1] الترغیب وتیسیر الوصول ج ۲ ص ۱۸۶

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندے کی کوئی حالت خدا کو اتنی پیاری نہیں۔ ہے جتنی حالت سجدہ ہے کہ وہ بندہ کو اپنے سامنے پیشانی خاک میں لٹاتا ہوا دیکھے۔ (طبرانی فی الاوسط)

(تشریح) خدائے ذوالجلال کو عاجزی و انکساری بہت پسند ہے، اور بندہ جب اپنے بدن کے سب سے زیادہ اشرف اور بہتر حصے کو اس کے سامنے مٹی میں لٹا رہا ہے تو اس سے زیادہ عاجزی اور کیا ہوئی اس لئے یہ حالت اسے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

صحیح وقت پر نماز ادا کرنے کی فضیلت

(۱۹۰) عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای العمل احب الی اللّٰہ تعالی؟ قال الصلوٰۃ علی وقتھا قلت ثم ای؟ قال بر الوالدین قلت ثم ای؟ قال الجھاد فی سبیل اللّٰہ قال حدثنی بھن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولو استزدتہ لزادنی (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا راہِ خدا میں جہاد کرنا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے بیان فرمادیں اور اگر میں مزید پوچھتا تو آپ یقیناً اور بھی بتاتے۔ (بخاری، مسلم)

(تشریح) ایک حدیث میں آپ نے نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے وقت کا بھی ذکر فرمایا کہ جو شخص رکوع و سجدہ کی تکمیل اور صحیح وقت کے اہتمام کیساتھ پانچوں نمازیں ادا کرتا ہے وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔[1]

[1] رواہ الطبرانی باسناد جید عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ۔ الترغیب۔ گذشتہ حدیث ۱۸۳ میں ملاحظہ کریں

اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عزت وجلال کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ جو بھی شخص پانچوں نمازیں ان کے وقت پر ادا کرے گا میں اسے جنت میں داخل کر دوں گا، اور جو بے وقت پڑھے گا اس پر چاہوں گا رحم کر دوں گا اور چاہوں گا تو عذاب دوں گا۔[1] اور ایک روایت میں ہے کہ بہترین عمل وقت پر نماز پڑھنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے[2]۔

الحمد للہ کہ آج بروز پنجشنبہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۷۳ء پہلی جلد تمام ہوئی۔ اب دوسری جلد جماعت کے ابواب سے شروع ہوگی۔



[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ۔۔۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۲)

[2] رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ۔۔۔ (جامع صغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۱ ص ۲۴۱)